صوفیائے کرام اور دعوتِ دین

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

SUFIYA-E-KIRAAM ORE DAWAT-E-DEEN

By

Dr Ghulam Yahya Anjum

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ سے ۱۹۷۹ء میں امتیازی نمبروں سے فضیلت کا امتحان پاس کرنے کے بعد عصری تعلیم کے لیے ۱۹۸۰ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے وابستہ ہو گئے اور وہاں شعبۂ عربی میں ایم۔اے میں داخلہ لیا اور اسی یونیورسٹی میں سات سال رہ کر بی۔ٹی،ایچ (دینیات) ایم۔اے،ایم۔فل اور پی،ایچ۔ڈی کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں اور اپنی قابلیت کی بنیاد پر اسی یونیورسٹی میں شعبہ دینیات (سنی) کے استاد مقرر ہوئے اور ۱۹۸۷ء سے ۱۸/اپریل ۱۹۹۰ء تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹/اپریل ۱۹۹۰ء سے شعبہ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ہمدرد (ہمدرد یونیورسٹی) نئی دہلی سے بحیثیت لکچرار وابستگی ہوگئی۔ ۲۰۰۵ء سے بحیثیت پروفیسر تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دوران تدریس وہ کئی مرتبہ صدر شعبہ اور ڈین فیکلٹی کی حیثیت سے انتظامی خدمات انجام دینے کے علاوہ کئی اہم تعلیمی کمیٹیوں کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم نے سعودی حکومت کی دعوت پر خادم الحرمین کے مہمان کی حیثیت سے ۲۰۰۶ء میں پہلا اور ۲۰۱۸ء میں دوسرا سفر حج کیا۔ عرب ممالک کے علاوہ ایک اسلامی اسکالر کی حیثیت سے متعدد بار ایران، پاکستان، نیپال، لیبیا اور موریتانیہ میں منعقد ہونے والے انٹرنیشنل کانفرنسوں میں بھی شرکت کر چکے ہیں۔ اب تک ان کے نوک قلم سے سیکڑوں مضامین و تحقیقی مقالات اور ۴۰/کتابیں عربی اور اردو زبان میں ہند و بیرون ہند سے شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں بعض کتابوں کے فارسی، ہندی اور انگریزی زبان میں ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کو صوبائی اور قومی سطح پر کئی ایوارڈ اور اعزاز بھی مل چکے ہیں زبان و ادب کی خدمت کرنے والی کئی اکیڈمیاں ان کی تصانیف پر انھیں انعام بھی دے چکی ہیں اور ان کی نگارشات پر بعض عصری جامعات میں تحقیقی مقالے بھی لکھے جا چکے ہیں۔ مدارس عربیہ اتر پردیش کے لیے نیا نصاب تیار کرنے پر حکومت اتر پردیش کی جانب سے ۲۰۰۱ء میں انھیں سمّانت بھی کیا جا چکا ہے اور ان کی اعلیٰ تحقیقی کاموں کی بنیاد پر حکومت ہند انھیں ۱۹۹۴ء میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے پلیٹ فارم سے ''نوجوان محقق کیریئر ایوارڈ'' اور عربی زبان و ادب کی خدمت کے لیے ۲۰۱۸ء میں ''صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ'' دے کر ان کی علمی خدمات کا اعتراف بھی کر چکی ہے۔

(ناشر)

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
New Delhi, INDIA

ISBN 978-93-95400-98-5
978-93-95400-98-5
www.ephbooks.com

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم شمالی ہند کی عظیم درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ کے ہونہار فارغین میں سے ہیں جنھوں نے اپنی صلاحیت کی بنیاد پر عصری جامعات میں اپنی ایک منفرد شناخت بنائی ہے، تیس پینتیس سال سے یونیورسٹی کے ماحول میں مسلکی تصلب اور مذہبی شناخت کے ساتھ تعلیم و تدریس اور ریسرچ و تحقیق میں سرگرم عمل ہیں۔ ڈاکٹر انجم پامال زمینوں پر قدم رکھنے کے عادی نہیں اپنے افکار و خیالات کو پابہ جولاں کرنے کے لیے ہمیشہ نئی زمینوں کا انتخاب کرتے ہیں، نادر اور اچھوتے موضوعات پر اڑتیس انتالیس کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر حلقۂ علم و ادب سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

ڈاکٹر یحییٰ انجم عصری جامعات میں رہ کر ایک طرف انھوں نے ''دارالعلوم دیوبند کا بانی کون، امام احمد رضا کے افکار و نظریات'' جیسی اہم کتابیں لکھیں تو دوسری طرف ''ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا بانی کون؟، تاریخ مشائخ قادریہ (تین جلدیں) ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ۔ آغاز و ارتقا، ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ آغاز و ارتقا، عرفان تصوف، جانشین تصوف، تذکرۂ خانوادۂ علیمیہ، متنبّی ایک تحقیقی مطالعہ، قلمی معرکے، دینی مدارس تقاضے اور امکانات اور قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم و تفاسیر کا اجمالی جائزہ'' جیسی علمی کتابیں اور سیکڑوں تحقیقی مقالات لکھ کر علمی و دینی ادب میں بیش بہا اور خوش گوار اضافہ کیا اور ہند و بیرون ہند کئی مسلم ممالک میں منعقد ہونے والے سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کر کے اپنے خیالات کا اظہار بھی کیا ہے۔
میں صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ یافتہ پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کو مبارک باد دیتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی دیگر تصانیف کی طرح اس کتاب کو بھی قبول عام کا درجہ عطا فرمائے، آمین۔

شیخ الاسلام سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی
سجادہ نشین آستانہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ یوپی

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ہماری جماعت میں قدیم و جدید علوم و فنون کے مجمع البحرین ہیں۔ تدریس، تقریر اور تحریر تینوں اصناف میں وہ امتیازی شان کے حامل ہیں، ایشیا کی شہرہ آفاق درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ سے انھوں نے سند فضیلت امتیازی نمبروں سے پاس کر کے حاصل کیا اور مادی وسائل کے بغیر خود اپنی محنت و ہمّت کے بل پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں کئی سال تعلیم و تدریس سے وابستہ رہ کر اپنے لیے ایک مستقبل کی تعمیر فرمائی۔

اس ادارہ سے انھوں نے ایم۔اے، ایم۔فل کرنے کے بعد ایک اہم موضوع پر پی، ایچ۔ڈی کیا اور ایک محقق کی حیثیت سے ملک کے دانشوروں کے سامنے آئے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ سنی دینیات میں تقریباً چار سال تدریسی خدمات انجام دیئے، اب وہ جامعہ ہمدرد نئی دہلی کے شعبہ عُلوم اسلامیہ کے ایک نیک نام استاد اور باوقار سینئر پروفیسر کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر انجم متعدد گرانمایہ کتابوں کے مصنف ہیں ان کا قلم نہایت شگفتہ اور نئے اسلوب تحریر کے جملہ محاسن سے آراستہ ہے۔ ان کے قلم کی سب سے عظیم خصوصیت یہ ہے کہ وہ پامال زمین پر قدم نہیں رکھتے بلکہ اپنی خامہ فرسائی کے لیے اچھوتے موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں۔ ان کی مخصوص انداز تحریر کی جھلک اس کتاب کے ورق ورق پر آپ کو محظوظ کرے گی۔

علامہ ارشد القادری
بانی جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صوفیائے کرام اور دعوتِ دین

"ہندوستان میں دین حق کی نشر و اشاعت کے لیے ہند و بیرون ہند کے صوفیائے کرام اور مشائخ عظام نے جو قربانیاں دی ہیں اسے ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ یہ انھیں حضرات کی مساعی جمیلہ اور جہد مسلسل کا ثمرہ ہے کہ آج ہندوستان کے ہر خطہ میں اسلام کی روشنی نظر آرہی ہے۔ جب تک ہندوستانی عوام ان کی تعلیمات پر عمل کرتی رہی ہندوستان میں بھائی چارہ کا ماحول بنا رہا، آج بھی امن و سکون کے لیے لوگ انھیں کے دربار کا سہارا لیتے ہیں۔ اسی مقصد کے تحت یہ کتاب لکھی گئی ہے کہ بندگان حق ان سے اپنا رشتہ جوڑ کر انسانی سماج سے نہ صرف اضطراب و بے چینی کا خاتمہ کرسکیں بلکہ بلاتفریق مذہب و ملت ایک ساتھ خوش گوار ماحول میں زندگی بسر کرسکیں"۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
(صدر جمہوریۂ ہند ایوارڈ یافتہ)

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

Sufiya-e-Kiraam ore Dawat-e-Deen
By
Dr Ghulam Yahya Anjum

Year of Edition : 2022
ISBN : 978-93-95400-98-5
Price : ₹ 650/-

کتاب	:	صوفیائے کرام اور دعوت دین
مصنف	:	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
پتہ	:	پروفیسر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی۔۶۲
موضوع	:	تصوف
قیمت	:	۶۵۰ روپے
طباعت	:	۲۰۲۲ء
صفحات	:	۴۴۰
زیر اہتمام	:	الاصلاح فاؤنڈیشن، تغلق آباد ایکسٹینشن، نئی دہلی۔۱۹
مطبع	:	روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

Published by
EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
H.O. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj, New Delhi-110002 (INDIA)
B.O. 3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 45678286, 23216162, 45678203, 41418204
E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

انتساب

اپنے مخلص دوست

مولانا معین الحق علیمی ممبئی

(ولادت ۱۵؍مارچ ۱۹۵۹ء۔وفات ۲۳؍مئی ۲۰۲۰ء)

سابق صدر اعلیٰ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

کے نام

سودائے زلفِ یار نے دیوانہ کردیا
اپنا بنا کے اوروں سے بیگانہ کردیا

غلام یحییٰ انجم

فہرست

باب دوم آسمان تصوف کے تابندہ ستارے

ابتدائیہ

انبیا ومرسلین کی دعوتی سرگرمیوں کے بعد اس کار نبوت کا بیڑا ان کے وارثین علماء ومشائخ نے اٹھایا اور اسی مخلصانہ جوش وجذبہ کے ساتھ یہ تمام وارثین اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے، اب چوں کہ قیامت تک کوئی نبی آنے والا نہیں، اس لیے یہ حضرات قیامت تک اپنی داعیانہ ذمہ داریوں کو نبھاتے رہیں گے۔

جس طرح انبیا ومرسلین کی تعداد ایک لاکھ سے زائد بتائی جاتی ہے اسی طرح اب تک جن مشائخ وصوفیائے کرام اور علمائے دین نے دعوت دین کا اہم کارنامہ انجام دیا ان کی تعداد بھی کچھ کم نہیں جن کے حالات زندگی اور دعوتی سرگرمیوں کا تفصیلی ذکر کتب سوانح میں دیکھی جاسکتی ہے۔ زیر نظر کتاب میں ان مشائخ کرام کا ذکر حوالوں کے ساتھ درج کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جنھوں نے اشاعت دین حق میں کلیدی کردار ادا کیا ہے، یہ واضح رہے ان میں بیشتر صوفیا ومشائخ ہندوستان کے ہیں یا وہ حضرات ہیں جنھوں نے دعوتی سرگرمیوں کے لیے ہندوستان کی سرزمین کا انتخاب کیا۔ کچھ اہم مشائخ کے حالات زندگی بھی تفصیل سے لکھ دیئے گئے ہیں تا کہ ان مشائخ کرام کی مجاہدانہ کاوشوں اور داعیانہ سرگرمیوں کا اندازہ لگایا جاسکے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں اسلام تلوار کی طاقت سے پھیلا ہے وہ غلط فہمی کے شکار ہیں حقیقت میں انھیں تاریخ کا صحیح علم نہیں اس میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ ہندوستان میں اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اولیاء کرام ومشائخ عظام کے اعلیٰ اخلاق اور نبوی کردار سے پھیلا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ہندوستان تلوار لے کے آئے ان کے نام ونشان کب کے مٹ گئے لیکن جو اخلاق نبوی سے آراستہ ہو کر دعوت وتبلیغ کی

غرض سے یہاں آئے ان کی عظمت باشندگان ہند کے دلوں میں آج بھی زندہ وتابندہ ہے۔آج لوگ نہ صرف ان کے ناموں سے واقف ہیں بلکہ صبح وشام ان کے مزار اقدس پر بلاتفریق مذہب وملت حاضر ہوکر اپنی عقیدت ومحبت کا نہ صرف خراج پیش کرتے ہیں بلکہ ان کے آستانوں سے فیوض وبرکات بھی حاصل کرتے ہیں۔

تصوف اور صوفیا کے حوالہ سے جو مقالات سمیناروں اور کانفرنسوں کے لیے لکھے گئے یا ملک وبیرون ملک کے تحقیقی جرائد ومجلّات میں شائع ہوئے انھیں بھی،موضوع کی مناسبت سے شامل کتاب کرلیا گیا ہے،تاکہ قارئین ان سے بھی استفادہ کرسکیں۔یہ واضح رہے کہ اس کتاب میں انھیں مقالات کو جگہ دی گئی ہے جن کا تعلق کسی نہ کسی حوالے سے صوفیائے کرام کی زندگی اور ان کی تعلیمات اور مجاہدانہ سرگرمیوں سے ہے۔

صوفیائے کرام کی زندگی اور ان کی تعلیمات کو موضوع قلم بنانے کا میرا صرف یہی مقصد ہے کہ اس کے ذریعہ بندگان الٰہی کو صوفیائے کرام کے مشن اور ان کی تعلیمات سے نہ صرف قریب کیا جاسکے بلکہ اس کے ذریعہ ہماری گناہوں میں تخفیف بھی ہوسکے کیوں کہ بزرگوں سے میں نے یہی سن رکھا ہے۔

ذکر نیکو رفتگاں دارد ثواب

عاصیاں را می رہاند از عذاب

میں شکرگذار ہوں اپنے ان تمام احباب ومخلصین کا جنھوں نے ان قدیم وجدید مقالات کو کتابی شکل میں لانے کے لیے نہ صرف مشورہ دیا بلکہ ہر ممکن کوشش بھی فرمائی۔اللہ تعالیٰ بروز محشر سب کو بہترین اجر عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
(صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ یافتہ)
پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز
جامعہ ہمدرد،نئی دہلی ۶۲

۱۹ر ربیع الاول ۱۴۴۴ھ
۱۶ر اکتوبر ۲۰۲۲ء

باب اول

صوفیائے کرام اور دعوتِ دین

صوفیائے کرام اور دعوتِ دین

ہندوستان میں مختلف مذاہب کے پیروکار پائے جاتے ہیں کچھ مذاہب تو یہیں کی پیداوار ہیں جیسے بدھ مذہب اور جین مذہب اور کچھ مذاہب باہر سے آئے اور انہوں نے ہندوستان میں آ کر اپنے اثر ورسوخ قائم کئے، ان بیرونی مذاہب میں عیسائیت بطور خاص قابل ذکر ہے بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ مذہب اسلام بھی باہر سے آیا حالاں کہ ایسا نہیں اسلام ہندوستان کا وہ واحد مذہب ہے جو سب سے پہلے ہندوستان کی سرزمین پر آیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہندوستان کی سرزمین شری لنکا میں اتارا آج بھی شری لنکا میں ان کے قدموں کے نشان پائے جاتے ہیں ان کا مذہب اسلام تھا ان کی ہی ذات گرامی سے سب سے پہلے ہندوستان کی سرزمین پر کلمہ طیبہ کی صدا بلند ہوئی یہ اور سی بات ہے کہ ہندوستان کی سرزمین پر اسے عروج وارتقا اس وقت حاصل ہوا جب عرب کی سر زمین پر پیغمبر آخر الزماں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ تشریف لائے اور انھوں نے اسلام کو اپنے اصحاب وپیروکاروں کے ذریعہ مذہب اسلام کو پوری دنیا میں پھیلا دیا۔ عرب تجار، فاتحین اور صوفیائے کرام کے ذریعہ ہندوستان کے ایک بڑے طبقہ نے اسلام قبول کیا۔ ''برصغیر میں اشاعت اسلام کی تاریخ'' کے مصنف لکھتے ہیں۔

> ''صوفیہ کی مساعی کا آغاز پانچویں صدی ہجری میں ہوتا ہے لیکن ان کی خدمات کی اہمیت اور اشاعت اسلام کے لئے جد وجہد تاریخ ہند کا روشن ترین باب ہے اسلام کو متعارف کرانے میں سب سے زیادہ کردار انھی

صوفیہ کرام کا رہا ہے''۔

(مشتاق تجاروی، برِّصغیر میں اشاعت اسلام کی تاریخ ص ۱۸ دہلی ۲۰۰۶ء)

اسلام کی اشاعت کا سہرا مشائخ کرام اور بزرگان دین کے سر ہے انہوں نے وارثین انبیا کی حیثیت سے بحر و بر کا سفر کیا اور نور توحید سے اس خطۂ ارضی کو جگمگا دیا بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ہندوستان میں اسلام تلوار کی طاقت سے پھیلا ہے، یہ تاریخ سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے، صحیح یہی ہے کہ ہندوستان کی سرزمین پر اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اولیائے کرام کے اخلاق و کردار سے پھیلا ہے۔ اگر ان تمام مشائخ و بزرگان دین کا اشاعتی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو کئی جلدوں میں کتاب تیار ہوگی، ان صوفیا و مشائخ نے اپنے اپنے انداز میں برصغیر میں دعوت دین کا اہم فریضہ انجام دیا۔ بعض صوفیہ نے باضابطہ اسلام کی دعوت دی اور بعض نے اصلاح باطن کو اولیت دی اور رسمی تبدیلی مذہب پر زیادہ زور نہیں دیا شیخ کلیم اللہ جہان آبادی لکھتے ہیں۔

''صلح با ہندو و مسلماں سازند ہر کہ ازیں دو فرقہ کہ اعتقاد بشما داشتہ باشند ذکر و فکر و مراقبہ و تعلیم اورا بگویند کہ ذکر بخاصیت خود اورا بہ ربقہ اسلام خواہد کشید''۔

(ہندو اور مسلمان کے ساتھ صلح کا رویہ اختیار کریں ان دونوں فرقوں میں سے جو بھی آپ کے ساتھ اعتقاد رکھے اس کو ذکر و فکر و مراقبہ اور تعلیم دیں چوں کہ ذکر اپنی خاصیت سے خود ہی اس کو اسلام کے دائرہ میں کھینچ لائے گا)۔ (مکتوبات شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی ص ۷۴ مطبع یوسفی دہلی)

اس طرح کا نظریہ اور دوسرے مشائخ کا بھی تھا انہیں اس بات کا یقین تھا کہ ذکر الٰہی کی برکت سے وہ خود ہی اسلام کی طرف کشاں کشاں آجائیں گے۔ بعض صوفیہ کی دعوت کا اسلوب یہ بھی تھا کہ وہ افہام و تفہیم یا دعوت و ارشاد کے مقابلہ میں خرق عادات کا بھی سہارا لیتے تھے، ایسے مشائخ میں حضرت سیدنا مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا نام نامی اسم گرامی سرفہرست ہے۔ مشہور مولف ٹی ڈبلیو آرنلڈ

بنگال میں اشاعت اسلام کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتا ہے۔

داعیان اسلام جب بنگال میں پہنچے تو نیچ ذات کے ہندو اور وہاں کے اصلی باشندے جو ہندوؤں کے مذہب سے قریب قریب خارج سمجھے جاتے تھے اور اپنے آرین سرداروں کے ہاتھوں سے طرح طرح کی ذلتیں اور اذیتیں اٹھاتے تھے مسلمانوں کی طرف ہاتھ پھیلا کر بڑھے ان لوگوں کے نزدیک جن میں مفلس، مچھلی پکڑنے والے، شکاری، قزاق، اور ادنیٰ قوم کے کاشت کار تھے۔ اسلام ایک اوتار تھا جو ان کے لیے آسمان سے اترا تھا وحکمراں قوم کا مذہب تھا اور اس کے پھیلانے والے وہ باخدا لوگ تھے جو توحید کی خبر اور سب انسانوں کے برابر ہونے کا مژدہ ایسی قوم کے پاس لائے تھے جس کو سب ذلیل وخوار سمجھتے تھے''۔

(دعوت اسلامی، مولوی عنایت اللہ دہلوی (اردو ترجمہ پریچنگ آف اسلام از ٹی ڈبلیو آرنلڈ ص ۲۹۸)

سید ہاشمی فرید آبادی تبلیغی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''مسلمانوں سے جب ان (پارچہ بافوں) کا معاشی رابطہ بڑھا تو سب سے پہلے یہی لوگ اسلامی دائرے میں کھنچ آئے اور ان میں مذہب اسلام کی اتنی اشاعت ہوئی کہ اب ہندوستان میں پارچہ بافوں کی اکثریت مسلمان کی ہے، اسی طرح دوسرے پیشہ ور آہستہ آہستہ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے (اور) مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔''

(تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت جلد اص ۲۳۲ انجمن ترقی اردو کراچی)

قبول اسلام کے بعد اس کا اظہار بھی ضروری ہوتا ہے لیکن ہندوستانی سماج میں ذات پات کے جھگڑوں کے سبب لوگ اظہار میں تامل سے کام لیتے تھے۔ صوفیہ نے اس عمل کو نامناسب قرار دیا ان کا کہنا تھا کہ جو شخص مسلمان ہو جائے وہ اپنے اسلام کا اظہار بھی کرے کیوں کہ ان کے بغیر ان کا اسلام معتبر نہیں مانا جائے گا۔ ایسے شخص کے بارے میں

کسی نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا کہ تو انہوں نے فرمایا

''جو ہندو کلمہ پڑھے اور اللہ تعالیٰ کو ایک جانے اور پیغمبر خدا کی رسالت کا قائل ہو لیکن جب مسلمان آئیں تو چپ ہو جائے اس کا انجام کیا ہوگا تو خواجہ نے فرمایا اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے خواہ اسے بخشے خواہ عذاب دے''۔(فوائد الفواد ص۱۳۵)

مختصر یہ کہ ان صوفیا و مشائخ نے اپنے اپنے عہد میں حالات و زمانہ کی رعایت سے جس خوش اسلوبی کے ساتھ دعوت دین کا زریں کارنامہ انجام دیا وہ سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ایسے مشائخ کی ایک طویل فہرست ہے جس میں درج ذیل مشائخ کی خدمات قابل ذکر ہیں۔

حضرت شاہ عبداللہ دھارنگری (وفات ۴۴۱ھ)

حضرت شیخ علی ہجویری لاہور (وفات ۴۶۵ھ)

حضرت شیخ دتو خویشگی (وفات ۵۵۰ھ)

حضرت سلطان سخی سرور ملتان (وفات ۵۷۷ھ)

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری اوچ (وفات ۵۹۵ھ)

حضرت شیخ سنجان پٹودی (وفات ۵۹۷ھ)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر (وفات ۶۳۳ھ)

حضرت شیخ حمیدالدین ناگوری (وفات ۶۷۱ھ)

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی (وفات ۶۶۱ھ)

حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی (وفات ۶۳۴ھ)

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر پاک پٹن (وفات ۶۶۴ھ)

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء دہلی (وفات ۷۲۵ھ)

حضرت شیخ مخدوم علاء الدین صابر کلیری (وفات ۶۹۰ھ)

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری (وفات ۷۸۲ھ)

حضرت شیخ مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھہ شریف (وفات ۸۰۸ھ)

حضرت شیخ جلال الدین سلہٹ بنگال (وفات ۷۴۰ھ)

حضرت شیخ سلطان محمد پٹن (وفات ۶۷۰ھ)

حضرت شیخ محمد ترک نارنول (وفات ۶۴۲ھ)

حضرت شیخ سید محمد بندہ نواز گیسو دراز گلبرگہ (وفات ۷۲۱ھ)

حضرت شیخ بو علی شاہ قلندر پانی پت (وفات ۷۲۳ھ)

حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتان (وفات ۷۳۴ھ)

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت (وفات ۷۸۵ھ)

حضرت شیخ عبدالوہاب شاذلی برہان پور (وفات ۹۷۵ھ)

حضرت شیخ عبدالرحمٰن بلبل شاہ کشمیر (وفات ۷۲۷ھ)

حضرت شیخ میر سید علی ہمدانی کشمیر (وفات ۷۸۵ھ)

حضرت شیخ سید سلطان بہرائچ شریف (وفات ۹۸۰ھ)

حضرت شیخ امام شاہ احمد آباد (وفات ۹۱۷ھ)

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی بنگال (وفات ۶۴۲ھ)

حضرت شیخ برہان الدین غریب برہان پور (وفات ۷۳۷ھ)

حضرت شیخ سلیم چشتی فتح پور سیکری (وفات ۹۷۹ھ)

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (وفات ۱۰۳۴ھ)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (وفات ۱۰۵۲ھ)

حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی دہلی (وفات ۱۱۴۰ھ)

حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی (وفات ۱۱۷۶ھ)

حضرت حاجی وارث علی شاہ دیوہ شریف (وفات ۱۳۲۳ھ)

حضرت شاہ محمد شیر میاں پیلی بھیت (وفات ۱۳۲۴ھ)

تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں جن بزرگان دین نے پرچم اسلام کو بلند

رکھنے میں کلیدی کردار ادا کیا ان میں درج ذیل علما و صوفیا کا نام لیا جا سکتا ہے۔

۱۔حضرت علامہ عبدالحئ فرنگی محل لکھنؤ

(ولادت ۱۱۴۴ھ/۱۷۳۱ء۔ وفات ۱۲۳۵ھ/۱۸۱۹ء)

۲۔حضرت شاہ محمد اجمل الہ آبادی

(ولادت ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء وفات ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۰ء)

۳۔حضرت شاہ انوارالحق فرنگی محل لکھنؤ

(ولادت ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء وفات ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۰ء)

۴۔حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

(ولادت ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء وفات ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء)

۵۔حضرت شاہ غلام علی دہلوی

(ولادت ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء وفات ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء)

۶۔حضرت شاہ ابو سعید مجددی رام پوری

(ولادت ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۱ء وفات ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۰ء)

۷۔حضرت شاہ احمد آل احمد اچھے میاں مارہروی

(ولادت ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء وفات ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء)

۸۔حضرت شاہ ابوالحسن فرد پھلواری پٹنہ

(ولادت ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء وفات ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۸ء)

۹۔حضرت شاہ احمد سعید مجددی رام پوری

(ولادت ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء وفات ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء)

۱۰۔حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی

(ولادت ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء وفات ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء)

۱۱۔حضرت علامہ عبدالحلیم فرنگی محلی لکھنؤ

(ولادت ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء وفات ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء)

۱۲۔حضرت علامہ فضل رسول بدایونی
(ولادت ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ءوفات ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء)
۱۳۔حضرت علامہ شاہ آل رسول مارہروی
(ولادت ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ءوفات ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء)
۱۴۔حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی
(ولادت ۱۲۰۸ھ/۱۷۹۳ءوفات ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء)

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہوا کہ ایسے صوفیاء و مشائخ جن کی کاوشوں سے ہندوستان کی سرزمین پر حقانیت وصداقت کا پرچم بلند ہوا ان کی طویل فہرست ہے جن کی تفصیل اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ذیل میں کچھ اہم مشائخ کی داعیانہ کاوشوں کا اجمالی جائزہ لیا جارہا ہے۔

سنوار آئے ہیں زلفِ آدمیت
جہاں تک ہاتھ پہنچے ہیں ہمارے

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

حضرت سیدنا سالار مسعود غازی بہرائچ شریف
علیہ الرحمۃ والرضوان

حضرت سید سالار مسعود غازی کی ولادت محمود غزنوی کی بہن عفت مآب ستر معلیٰ کے بطن سے ہوئی، والد ماجد کا نام سالار ساہو تھا، جنہیں سلطان محمود غزنوی نے مظفر خاں حاکم ہرمز کی امداد واعانت کے لئے ۹؍ذی الحجہ ۴۰۱ھ کو ایک لشکر کی باگ ڈور دے کر اجمیر مقدس روانہ کیا تھا، جس مقصد کے لئے وہ اجمیر آئے تھے اس میں انہیں کامیابی مل گئی تو انہوں نے اپنی اہلیہ ستر معلیٰ کو غزنی سے اجمیر بلا لیا یہیں سید سالار مسعود غازی کی ولادت ہوئی۔ جس وقت محمود غزنوی نے سومنات پر حملہ کیا اس وقت آپ کی نوجوانی کا عالم تھا، آپ نے ہندوستان میں اشاعت اسلام کے لئے اپنی زندگی وقف کردی، چنانچہ اشاعت اسلام کے تعلق سے آپ کو ہندوستان میں پہلے شہید کا درجہ حاصل ہوا۔ اشاعت اسلام کے جذبہ کے تحت آپ نے ملتان کا سفر کیا وہاں سے اجودھن اور دہلی آئے، دہلی کے راجہ رائے مہی پال اور اس کے لڑکے رائے گو پال نے مزاحمت کی تو انہیں اپنی منھ کی کھانی پڑی، میو قوم بھی حضرت سیدنا سالار مسعود غازی کے ہاتھ پر اسلام لائی۔ یہ سب پہلے بودھ مت کے پیروکار تھے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ

> ’’سید سالار مسعود غازی کا سب سے بڑا معرکہ علاقہ میوات میں تیج پال عرف تیج سنگھ سے دھند گڑھ میں پیش آیا جو بیس ہزار فوج لے کر آمادہ جنگ ہوا تھا اس جنگ میں سید محمود اور سید بدیع الدین اپنے رفقاء کے ساتھ شہید ہوئے، تیج پال کو گرفتار کیا گیا شیخ دوست محمد غمگین کی حراست میں وہ رہا شیخ صاحب نے اسے مسلمان کیا اور ’’جلال خاں‘‘ خانہ زاد نام رکھا۔ جس قدر

یہ میواتی اس وقت ہیں اسی وقت کے مسلمان شدہ ہیں، یہ سب رائے تیج
پال جو مسلمان ہو گیا تھا اور جلال خاں خانہ زاد نام تھا اسی کی اولاد ہیں''۔
(حکیم عبدالشکور، تاریخ میو چھتری ص ۳۲۱ مطبوعہ ۱۹۷۴ء)

سید سالار جب دہلی سے میرٹھ کی طرف متوجہ ہوئے تو وہاں کے زمینداروں کو اسلام کا تابعدار بنایا پھر جب قنوج کی سرحد میں داخل ہوئے تو وہاں کے راجہ کنور رائے نے سیدنا سالار مسعود غازی کا پُر تپاک خیر مقدم کیا اور میزبانی کے فرائض انجام دیئے۔ قنوج سے چل کر وہ لکھنؤ سے نو میل سے گوشہ شمال ومغرب میں ستر کھ کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں ہے۔

''ستر کھ (بارہ بنکی) کو اپنا فوجی مرکز بنا کر انہوں نے اطراف میں اپنے
ماتحتوں کو فتوحات اور اشاعت اسلام کے لئے بھیجا سید یوسف الدین اور
رجب میاں بہرائچ بھیجے گئے لیکن انہیں کامیابی نصیب نہ ہوئی اس پر سید
سالار خود جنگ کے لئے نکلے''۔

(دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ۱۴ ص ۴۲۹ لاہور)

ستر کھ کے مقام پر خیمہ زن ہوتے ہی اودھ کے راجاؤں میں ایک ہل چل سی مچ گئی اور رفتہ رفتہ یہ باتیں اس علاقہ میں پھیل گئیں کہ

''ملک اودھ میں ایک ملیچھ قوم ترک اس حیلہ جہاد میں واسطے غارتگری ملک
ومال اور بے دین کرنے یہاں کے آدمیوں کو آئی ہوئی ہے۔
(ابوالحسن مانکپوری، آئینہ اودھ ص ۳۵ کانپور ۱۳۰۴ھ)

سید سالار مسعود غازی کی وجہ سے ملک اودھ کے تمام راجاؤں کا سکون غارت ہو گیا تھا سب نے باہم متحد ہو کر حملہ کا منصوبہ بنایا پہلے تو انہوں نے اس حکمت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے یہ طے کیا کہ ایک حجام (منافق) اپنے زہر آلود ناخن گیر سے سید سالار مسعود کا ناخن تراشے اس سے زہر پورے بدن میں پھیل جائے گا جس کے سبب بدن سے جنگ وجدال کی تاب وتوانائی زائل ہو جائے گی، یہ لوگ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوئے

حسب پروگرام حجام نے اپنا کام کیا جس کے سبب زہر آلود نیل کٹر کا زہر پورے بدن میں سرایت کر گیا۔ حجام نے یہ کام کٹرہ مانک پور کے زمین داروں کے حکم سے کیا تھا تو ان حضرات نے ان زمین داروں سے حملہ کیا جس میں وہ سردار مارے گئے اسی اثنا میں محمود غزنوی کا وصال ہو گیا، جب اس کی خبر یہاں کے راجاؤں کو معلوم ہوئی تو سب نے باہم یہ مشورہ کیا کہ اب ان کی مدد کے لئے محمود غزنوی آنے والا نہیں لہٰذا یک بارگی حملہ کر کے ان کا قصہ تمام کر دیا جائے ''تاریخ مشائخ قادریہ'' جلد دوم میں ہے۔

''سید سالار مسعود غازی اور ان کی فوج پر حملہ کرنے کے لئے اودھ کے سرداروں نے کئی بار کوشش کی مگر اس خیال سے ان کے قدم نہ اٹھ سکے کہ کہیں سلطان محمود غزنوی پھر نہ ہم لوگوں پر حملہ آور ہو جائے لیکن جب انہیں اچھی طرح اس بات کا یقین ہو گیا کہ سلطان کی وفات ہو چکی ہے اب اس کی فوج سالار مسعود کی حمایت میں آنے والے نہیں تو گورکھ پور، گونڈہ، بلرام پور، بستی، سدھارتھ نگر اور بہرائچ کے راجاؤں اور تعلقہ داروں نے جن میں رائے ارجن، رائے لکن، رائے بھکن، رائے کرن، رائے کلیان، رائے مردان، رائے نکرو، رائے سکرو، رائے دھرم مل، رائے اجے پال، رائے موہن لال رائے ہرکشن، راے دیونرائن، رائے نرسنگھ، اور رائے صاحب دیو وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں کی مشترکہ جماعت کے ساتھ سیدنا سالار مسعود غازی نے اپنے مجاہدین کے ہمراہ گورکھپور اور بنارس کے اطراف میں زبردست معرکے کئے، پورا علاقہ میدان جنگ میں تبدیل ہو گیا، خون کی ندیاں بہہ گئیں، کئی ایک سرداران اودھ اس جنگ میں مارے گئے اس طرح کئی ایک علاقوں میں خوں ریز جنگ ہوئی دشمنان اسلام کو شکست وریخت کا منھ دیکھنا پڑا، بہرائچ کا معرکہ اس لئے اہم تھا کہ اس معرکہ میں ان کی فوج کے بالمقابل پورے علاقہ اودھ کے سردار اور راجہ مہاراجہ اپنے لشکر کے ساتھ میدان

جنگ میں اتر آئے تھے، سید سالار مسعود غازی نے اس جنگ میں بڑی جوانمردی کا مظاہرہ کیا مگر دوران جنگ جب انہیں یہ خبر ملی کہ ان کے والد ماجد درد سر میں مبتلا ہو کر ۲۴ رشوال ۴۲۳ ھ کو اللہ کے پیارے ہو گئے اور ستر کھ میں سپرد خاک ہوئے تو اس خبر سے سالار مسعود کے دل کو شدید صدمہ پہنچا ادھر دشمنوں کو جب اس کی خبر ہوئی تو ان کے حوصلے بلند ہو گئے پھر انہوں نے محاذ بنا کر جو حملہ کیا وہ نا قابل برداشت تھا اسی حملے میں شہر بہرائچ کے اتر جانب سورج کنڈ کے مقام پر سید سالار مسعود اپنے ہمراہیوں کے ساتھ لڑتے لڑتے یکشنبہ ۱۴ ررجب المرجب ۴۲۴ ھ مطابق ۱۰ ر جولائی ۱۰۳۳ء کو شہید ہو گئے، اس طرح یہ اسلامی سپہ سالار اور دنیائے روحانیت کا تاجدار ہمیشہ کے لئے آسودۂ خواب ہو گیا''۔

(غلام یحییٰ انجم، تاریخ مشائخ قادریہ جلد دوم ص ۱۳۱ دہلی ۲۰۱۱ء)

اشاعت اسلام کی خاطر سیدنا سالار مسعود غازی نے کہاں کہاں حملہ کیا اور کس طرح دشمنان اسلام سے نبرد آزما ہوئے اس کی کوئی تفصیل تو نہیں ملتی ہے البتہ ''مسلمان اور ہندوستان'' کے مصنف نے قاضی عبدالرحیم انصاری کی کتاب ''جغرافیہ و تاریخ قصبہ جائس'' کے حوالے سے ایک فہرست درج کی ہے وہ فہرست ذیل میں دی جا رہی ہے۔

بنارس، غازی پور، مئو، مبارک پور، ہمیر پور، ٹانڈہ مئو، قاضی طیب، الٰہ آباد، فتح پور ہنسوہ، فیض آباد، ایودھیا، بہرائچ، مہوبا، گوپا مئو، کٹرہ، مانک پور، ڈلمئو، ردولی اور اودیا نگر (جائس) وغیرہ۔

(بدر القادری، مسلمان اور ہندوستان ص ۲۰۸ مبارک پور ۱۹۹۳ء)

راجستھان، ہریانہ، دہلی، اتر پردیش، بہار و بنگال بالخصوص مغربی و شمالی اودھ میں جو اسلام کی روشنی نظر آ رہی ہے وہ سیدنا سالار مسعود غازی اور ان کے رفقا کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور شبانہ روز داعیانہ کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

حضرت شیخ ابواسحاق ابراہیم گازرونی

علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ کا مکمل نام ابواسحاق ابراہیم بن شہریار گازرونی ہے مضافات گازرون میں ولادت ہوئی۔ آپ کے دادا مجوسی تھے لیکن والدین اسلام سے مشرف تھے۔ بچپن ہی میں خداداد صلاحیت کے جوہر پیشانی سے نمایاں تھے جس کے سبب اپنے تمام ہمدرس ساتھیوں پر سبقت لے گئے، عنفوان شباب ہی میں طریقت وسلوک کے کوچہ میں قدم رکھا اور حضرت شیخ ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی سے بیعت وارادت کا شرف حاصل کیا۔ آپ کا جسم معطر تھا۔ ہمیشہ آپ کے بدن سے خوشبو آیا کرتی تھی۔ جب چلتے تھے تو کوچہ وبازار معطر ہوجایا کرتے تھے۔ پوری زندگی قناعت وتوکل پر قائم رہے، اپنی محنت وجانفشانی سے قوت لایموت حاصل کرتے، نذرونیاز ہرگز قبول نہ کرتے تھے۔ آپ نے انتہائی سادہ طرز زندگی اختیار کی، کاشت کاری ذریعۂ معاش تھا، موٹا لباس زیب تن فرماتے، ہمیشہ تجرد کی زندگی بسر کی۔ فرمایا کرتے تھے کہ شہوانی جذبات پر غلبہ نہ پانے والوں کے لئے نکاح کرنا بہت ضروری ہے تاکہ فتنہ سے محفوظ رہ سکیں، اگر میرے نزدیک عورت اور دیوار میں کوئی فرق ہوتا تو میں بھی ضرور نکاح کرلیتا۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۲۸۰)

آپ کا وطن گازرون آتش پرستوں کا مرکز تھا، جہاں کچھ مسلمانوں کے سوا سارا علاقہ مجوسی تھا ایک دن آپ نے فرمایا اس وقت گازرون میں آتش پرستوں کی کثرت ہے لیکن ایک دن آئے گا کہ معاملہ اس کے برعکس ہوگا اس قول کے بعد گازرون کے ۲۴ ہزار مجوسیوں نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کی اور اسلام سے مشرف ہوگئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے ہاتھ پر توبہ کرنے والے اہل اسلام کی تعداد لاکھوں میں تھی۔

(تذکرہ مشائخ عظام ص ۱۷۱)

آپ نے اشاعت اسلام کے تعلق سے بڑا کلیدی کردار ادا کیا صاحب ''خزینۃ الاصفیا'' غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں۔

''نقل است کہ بست و چہار ہزار کس بر دست شیخ مسلمان شدند وقریب صد ہزار اہل اسلام پیش شیخ تائب گشتہ درحلہ ارادت شیخ آمدند''۔

(آب کوثر ص۱۹۲)

(منقول ہے کہ ۲۴ ہزار اشخاص نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا اور تقریباً ایک لاکھ افراد تائب ہو کر آپ کے حلقہ اردات میں داخل ہوئے)

۸/ذی قعدہ ۴۲۶ھ مطابق نومبر ۱۰۳۴ء کو آپ کا وصال ہوا۔ وصال سے قبل اپنے ارادت مندوں کو آپ نے یہ وصیت فرمائی۔

۱۔ میرے بعد میرے جانشین کی اطاعت کرنا
۲۔ ہر صبح تلاوت قرآن کریم کرنا
۳۔ مسافر کی اچھی طرح خاطر تواضع کرنا
۴۔ باہم پیار و محبت سے رہنا۔　(خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ ص ۱۶۴)

۞۞۞۞۞

حضرت سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی ناگور علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ سلسلہ قادریہ کے بانی سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے بڑے فرزند ہیں اشاعت اسلام کی غرض سے خواجہ غریب نواز کی خواہش کے مطابق انھیں کے ساتھ اپنی اہلیہ عائشہ اور خادم مظفر کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے۔ دارالخیر اجمیر میں خواجہ صاحب کے ہمراہ چالیس یوم قیام کرنے کے بعد جب آپ اپنے والد ماجد کی وصیت کے مطابق سمت گوشہ عراق چالیس کوس کے فاصلے پر پہنچے تو مارواڑ کے ''سوالکھ جنگل'' میں ایک پیڑ کے نیچے زمین نے آپ کا عصا پکڑ لیا اور پھر وہیں درمیان جنگل آپ نے اپنا بستر ڈال دیا۔ اس

جنگل میں قیام کئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ راجہ رائے پتھورا کی لڑکی راج کنور جو سال میں دو بار سیر وشکار کے لئے اپنی فوج کے ہمراہ اس جنگل میں آیا کرتی تھی ان دنوں وہ اپنے لشکریوں کے ہمراہ پورے شاہی اعزاز کے ساتھ جنگل میں آئی ہوئی تھی، اس وقت اس کے ہمراہ نوسو سوار اور ایک ہزار پیادے تھے، جب اس کا لشکر سیر وشکار کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچا جہاں سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی اپنی اہلیہ اور خادم مظفر کے ساتھ قیام پذیر تھے تو آپ لوگوں کو اس خوف ناک جنگل میں دیکھ کر حیرانی کی انتہا نہ رہی، جب ان سے پوچھا گیا آپ لوگ کون ہو؟ کہاں سے آئے ہیں؟ تو انھوں نے جواب میں کہا کہ ہم لوگ ہندوستان میں اشاعت اسلام کی غرض سے آئے ہیں یہ جواب سن کر ان کے ہوش اڑ گئے اور دارالحاجات پہنچے جہاں راج کنور مقیم تھی پورا حال کہہ سنایا سنتے ہی وہ آگ بگولہ ہوگئی اور ان کا سر قلم کر کے لانے کو کہا جب سر قلم کرنے کی نیت سے لشکری ان کے پاس پہنچے تو ان کے جمال جہاں آرا پر نظر پڑتے ہی دم بخود رہ گئے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ پاؤں میں کسی نے بیڑیاں ڈال دی ہوں، قدم آگے بڑھ ہی نہیں رہے تھے، جب ان سے پوچھا گیا کہ کس مقصد کے لئے میرے پاس آئے ہو تو انہوں نے جواب میں کہا کہ دختر راجہ راج کنور نے آپ کا سر طلب کیا ہے یہ سن کر سیدنا سیف الدین بارگاہ رب العزت میں یوں دعا گو ہوئے۔

”تو علیم مطلق و دانائے برحق کہ ایں ضعیف تنہا دریں دیار رسیدہ و دختر راجہ ایں جا بخونریزی ایں جانب قصد نمودہ است“

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حسابِ کم و بیش را

(تو علیم مطلق اور دانائے حقیقی ہے یہ بندۂ ضعیف اس دیار میں اکیلا ہے۔ دختر راجہ میری خوں ریزی کا قصد کر چکی ہے ایسی صورت میں صرف تیرا ہی سہارا ہے) (محمد یوسف بخاری، عین القلوب العارفین ص ۲۴ مخطوطہ)

کہا جاتا ہے کہ بارگاہ رب العزت میں دعا کرتے ہی ایک طویل کالا ناگ نمودار ہوا اور راج کنور کے تمام لشکریوں کو گھیرے میں لے لیا وہ لشکری جو آپ کا سر قلم کرنے کی نیت سے آئے تھے مارے ہیبت کے کانپنے لگے اور عذر و معذرت کر کے رہائی کی درخواست

کرنے لگے، اسی گفت وشنید میں صبح ہوگئی۔ جب اس ماجرا کی خبر کسی طرح راج کنور کو ہوئی تو اس نے پورے معاملات کا سنجیدگی سے جائزہ لیا اور بے ساختہ اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل پڑے کہ یہ سب کچھ بے سبب نہیں بلا شبہ ایک فقیر کے دل کو ملال پہنچانے کے سبب ہمارے لشکری گرفتار بلا ہوئے ہیں، اب ان لوگوں کی رہائی کے سلسلے میں سوائے عجز ودر ماندگی کے کوئی چارہ نہیں چنانچہ جب صبح ہوئی تو دختر راجہ نے اپنے دربانوں کے ذریعہ یہ پیغام آپ کی خدمت میں بھیجا۔

''اے چارہ ساز بے چارگاں ہمیں اور ہمارے خدام کو اس بلا سے نجات
دلوائیں میری آپ سے یہ عاجزانہ درخواست ہے
گر قبول افتدز ہے عز وشرف

راج کنور کی اس نیازمندانہ عرض داشت کا ذکر ''خلاصۃ الامور'' کے مصنف نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

ازیں حال مارا رہائی دہید   زایمان را تاج شاہی دہید
(احمد علی، خلاصۃ الامور ص۶ مخطوطہ)

راج کنور کی اس درخواست کو آپ نے شرف قبولیت بخشا اور سانپ کو حکم دیا کہ تو واپس چلا جا آپ کا حکم ملتے ہی وہ سانپ واپس چلا گیا، آپ کی اس عنایت ونوازش کا راج کنور کے دل پر اس قدر گہرا اثر پڑا کہ وہ نیازمندانہ انداز میں اپنے نوسو سواروں اور ایک ہزار پیادوں کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوگئی، پھر آپ نے دختر راجہ راج کنور کو اپنی زوجیت میں لے لیا اور قبول اسلام کے بعد آپ نے اس کا اسلامی نام زینب رکھا صاحب ''جواہر الاعمال'' لکھتے ہیں۔

بصد صدق جملہ شریعت رسول   بیک بارگی دین کردہ قبول
وآں دختر رائے عصمت مآب   بعقد آں شہنشاہ شد کامیاب
دراسلام چوں طالع بخشش کشود   ملقب مسماۃ زینب نمود
(یوسف، جواہر الاعمال ص۷۰۵ مخطوطہ)

اس عقد مناکحت کا ذکر صاحب ''محبوب المعانی'' نے بھی کیا ہے اور انھوں نے

لکھا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ بلقیسِ وقت یعنی راج کنور اپنے عہد کے سلیمان کی خلوت نشیں ہوگئیں۔ اس دختر راجہ کا نام زینب اور دوران سیاحت سوالکھ جنگل کے جس محل میں وہ قیام پذیر ہوتی تھیں اس کا نام ''دارالحاجات'' رکھا گیا، مصنف کی اصل عبارت یہ ہے۔

> '' آں دختر راجہ بطلوع اختر طالع ہمایوں سعادت اوج علویت ولایت رواج از دواج یافت وآن بلقیس وقت انیس وجس خلوت سلیمان عہد گردید۔۔۔۔حضرت شاہ عبدالوہاب نام دختر راجہ را بی بی زینب نہاد نام آستانہ شریفہ بی بی زینب دارالحاجات مقرر کردند''۔
>
> (محمد صادق لطیفی، محبوب المعانی ص ۵۳۹ مخطوطہ)

۞۞۞۞۞

حضرت خواجہ عثمان ہارونی
علیہ الرحمة والرضوان

آپ حضرت خواجہ غریب نواز کے پیر ومرشد تھے، آپ کے حالات ومناقب بیشتر کتب تصوف میں درج ہیں، شیخ جمالی نے ''سیر العارفین'' میں ایک ایسا واقعہ نقل کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو اشاعت اسلام کا بڑا شوق تھا، حضرت خواجہ غریب نواز جب آپ سے جدا ہو کر عراق اور دوسرے مقامات مقدسہ سے ہو کر ہندوستان تشریف لائے تو آپ کے پیر ومرشد آپ کی جدائی سے بے قرار ہوگئے اور آپ کی چاہت میں ہندوستان کی جانب چل پڑے، پھر کیا ہوا صاحب ''سیر العارفین'' کی زبانی سنئے اس واقعہ کا ذکر صاحب ''سفینۃ الاولیاء'' نے بھی کیا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

> '' راستے میں ان کا گزر ایک ایسے مقام پر ہوا جہاں پارسیوں کا ایک بڑا آتش کدہ تھا خواجہ عثمان ہارونی نے اس کے قریب قیام کیا اور اپنے خادم کو بھیجا کہ افطار کے واسطے آگ پر روٹی پکالائے، خادم گیا لیکن آتش پرستوں نے اسے آگ نہ دی حضرت کو خود ان کی طرف متوجہ ہونا پڑا جب

آپ آتش کدہ کے پاس پہنچے تو وہاں ایک بوڑھا موبد مختار نام سات برس کا لڑکا آغوش میں لئے کھڑا تھا، حضرت کی اس سے گفت وشنید ہوئی آپ نے اس سے کہا کہ آگ ایک فانی چیز ہے ایک چلو پانی سے معدوم ہو جاتی ہے اسے کیوں پوجتے ہو اور خدائے برتر وتعالیٰ کو جو اس آگ کا خالق ہے، نہیں پوجتے ؟۔ اس نے کہا آگ ہمارے مذہب میں بڑا مرتبہ رکھتی ہے اسے کیوں نہ پوجیں حضرت نے پھر کہا کہ تم اتنی مدت سے اس آگ کی صدق دل سے پرستش کرتے ہو کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ اپنا ہاتھ یا پاؤں اس آگ میں ڈالو اور وہ نہ جلائے ۔ موبد نے کہا جلانا آگ کی خاصیت ہے جو اس میں ہاتھ ڈالے گا جل جائے گا۔

اگر صد سال گبر آتش فروزد چو یک دم اندروں افتد بسوزد

حضرت نے یہ سن کر موبد کے فرزند کو اس کی آغوش سے لے لیا اور خود آیہ کریمہ قلنا یا نار کونی بردا وسلاما علیٰ ابراھیم پڑھ کر آگ میں داخل ہوئے یہ دیکھ کر اس کے ساتھی حیران وپریشان ہوئے، آگ کے گرد شور وفغاں کرتے تھے لیکن اندر جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی ایک عرصہ کے بعد حضرت خواجہ عثمان ہارونی مع اس بچہ کے صحیح وسلامت اس حالت میں آگ سے نکلے کہ ان کے کپڑوں پر ایک دھبّہ بھی نہ تھا، تمام آتش پرست یہ حال دیکھ کر ششدر رہ گئے اور حضرت کی کرامت دیکھ کر ان کے ہاتھوں پر ایمان لے آئے ۔ لڑکے کا نام ابراہیم رکھا گیا اور بوڑھے موبد کا نام شیخ عبداللہ''۔ (شیخ محمد اکرام آب کوثر ص ۲۰۰)

حضرت شیخ عثمان ہارونی نے ہی فرمایا تھا کہ جس میں یہ تین خصلتیں ہوں گی تو سمجھو کہ خدا اسے دوست رکھتا ہے۔

۱۔ سخاوت دریا کی مانند

۲۔ شفقت آفتاب کی مانند

۳۔ تواضع وانکساری زمین کی مانند (داراشکوہ، سفینۃ الاولیاء دہلی ص ۱۲۸)

حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی

علیه الرحمة والرضوان

آپ مقتدائے مشائخ اور پیشوائے ابدال تھے۔ لقب نیر الدین تھا، حضرت خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے خرقہ خلافت پایا تھا، چودہ سال کی عمر سے باوضو رہنے لگے تھے، کپڑے پرانے اور پیوند لگے ہوئے پہنتے تھے۔ مسلسل روزے بھی رکھتے تین روز کے بعد بے نمک سبزی سے روزہ افطار کرتے تھے۔ اس سبزی میں کمال یہ تھا کہ بطور تبرک جو بھی اسے کھاتا وہ مجذوب ہوجاتا۔ آپ کی مجلس سماع میں اگر کوئی دنیا پرست شرکت کرتا تو وہ تارک الدنیا ہوجاتا۔ آپ نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی ۱۰؍رجب المرجب ۶۱۲ھ کو وصال ہوا۔ صاحب ''خزینۃ الاصفیاء'' لکھتے ہیں۔

> ''ایک فکر مند فقیر جس کی سات بیٹیاں تھیں اور غربت وافلاس کی وجہ سے سخت پریشان تھا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کہ اگر آپ کی نگاہ فیضان سے میرے رزق میں کشادگی ہوجائے اور بیٹیوں کے نکاح سے فارغ ہوجاؤں تو ساری عمر دعا گو رہوں گا آپ نے فرمایا کہ تم کل آنا کوئی تدبیر سوچیں گے۔ درویش چلا گیا جاتے ہوئے راستے میں اسے ایک یہودی ملا یہودی درویش سے پوچھا کہ تم کہاں گئے تھے۔ اس نے اپنی پریشانی، مشکلات کا مسئلہ، حضرت حاجی صاحب کے کل آنے کا حکم اور دوسرے حالات سنائے یہودی کہنے لگا حاجی شریف تو خود محتاج اور تہی دست ہیں تمھاری کیا مدد کریں گے ؟ تم حاجی صاحب کے پاس واپس

جاؤ اور ان سے کہو کہ فلاں یہودی نے کہا ہے کہ کہ اگر خواجہ شریف سات سال میری خدمت کا وعدہ کر لیں تو میں آج ہی سات ہزار سرخ دینار دینے کو تیار ہوں وہ درویش واپس حاضر خدمت ہوا سارا واقعہ کہہ سنایا حضرت حاجی صاحب نے سنتے ہی فرمایا مجھے منظور ہے اور اسی وقت اٹھ کر اس کے ساتھ یہودی کے پاس چلے گئے سات ہزار دینار اس درویش کو دلا دینے اور خود خدمت گزاری پر آمادہ ہو گئے۔ بادشاہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے حضرت خواجہ کی خدمت میں سات ہزار دینار بھیجے تا کہ یہودی کا قرضہ دے کر فارغ ہو جائیں حضرت حاجی صاحب نے یہ سات ہزار بھی غریبوں میں تقسیم کر کے فرمایا میں نے یہودی کی سات سالہ نوکری کا عہد کیا ہے اب اس عہد سے پھرنا مناسب نہیں یہودی نے حضرت حاجی صاحب کی استقامت سن کر اپنا قرضہ معاف کر دیا اور حضرت کو آزاد کر دیا آپ نے یہودی سے فرمایا کہ تم نے مجھے آزاد کیا ہے میرا اللہ تعالیٰ تمھیں آتش دوزخ سے آزاد کرے۔ یہودی یہ دعا سن کر مسلمان ہو گیا اور مقبولان خدا سے ہو گیا''۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۵۶)

حضرت سید مظہر ولی

علیہ الرحمۃ والرضوان

حضرت بابا مظہر الدین سرمست طبل عالم عوام وخواص میں نطہر ولی اور مظہر ولی کے القاب سے معروف ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے ننانوے نام ہیں۔ آپ استبول کے رہنے والے تھے۔ حضرت امام زین العابدین سے آپ کا تعلق آٹھویں نسل میں جا ملتا ہے۔ حضرت مظہر ولی کو حضرت شیخ شہاب الدین چودھری قدس سرہ سے فیض ارادت وخلافت

حاصل ہے۔آپ ترچنا پلی کب آئے اور کن حالات میں آئے اس کی کہیں وضاحت نہیں ملتی ہے۔البتہ آپ کی تاریخ وفات ۱۵؍رمضان المبارک ۶۷۳ھ/۱۲۷۴ء ہے جو ذیل کے قطعہ سے ماخوذ ہے۔

ظہور مظہر حق نور سید الثقلین شہ مطہر دین طبل عالم کونین
سوال سال وفاتش نمودم از ہاتف جواب آمد از عرش ''نور نور العین''

۶۷۳ھ

کہا جاتا ہے کہ جب آپ یہاں آئے تھے سات سو لوگ آپ کی پالکی کے ساتھ ساتھ پالکیوں میں آئے تھے۔ آپ کا مزار مبارک قلعہ کے باہر فرنگی گیٹ سے منسلک ہے اس پر ایک گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔اس گنبد میں چار مقبرے ہیں پہلا مقبرہ حضرت مظہر ولی علیہ الرحمہ کا ہے، آپ کے باعث اس شہر میں ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کیا اور راہ ہدایت پائی تھی۔(تاریخ اولیائے تامل ناڈو، جاوید حبیب ص۱۵ چنئی ۲۰۰۲ء)

جو بزرگ سب سے پہلے ہندوستان کے بالکل جنوبی علاقہ میں آئے اور اندرون ملک میں ارشاد و ہدایت کا مرکز بن گئے ان میں ترچنا پلی کے سید سلطان مظہر ولی جو حضرت خواجہ غریب نواز کی رحلت سے ۱۱؍سال قبل وفات پا گئے تھے خاص طور پر مشہور ہیں۔ پہلے آپ نے ایران کے ہرمز شہر میں سید علی بادشاہ جولق خلیفہ بابا ابراہیم کی بیعت کی اور ایک مدت تک مرشد کی خدمت کے بعد اپنے رفقا اور مریدین کے ہمراہ جن کی تعداد نو سو بتائی جاتی ہے۔سعادت حج سے شرفیاب ہوئے۔اسی دوران اشارہ ہوا کہ دکن جا کر اسلام کی اشاعت کیجئے۔ اپنے مریدین کے ہمراہ تلگھاٹ تشریف لائے اور وہاں سے اسلام کی اشاعت کا آغاز کیا، اس کے بعد ترچنا پلی تشریف لے گئے اور ۶۲۲ھ ۱۲۲۵ء میں وہیں آپ کی وفات ہوئی۔آپ کا مزار ترچنا پلی کی ایک مشہور زیارت گاہ ہے جہاں ہندو و مسلمان دونوں قوموں کے لوگ کثرت سے حاضر ہوتے ہیں۔ بلکہ ہندو زائرین کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔سرکاری گزٹیئر میں لکھا ہے کہ مدورا اور ترچنا پلی کے اضلاع میں کئی لوگوں نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔(آب کوثر ص ۳۵۸)

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی

علیه الرحمة والرضوان

سب سے پہلے جو بزرگ شمالی ہندوستان کے راستے بنگال تشریف لے گئے وہ شیخ جلال الدین تبریزی ہی تھے، ایرانی النسل تھے، شیخ ابو سعید تبریزی کے مرید تھے ان کی وفات کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردی سے فیض حاصل کیا۔ جس طرح انھوں نے اپنے مرشد کی خدمت کی شاید کسی دوسرے نے کی ہو، شیخ شہاب الدین ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے، چوں کہ وہ بہت بوڑھے اور کمزور ہو گئے تھے اس لئے گرم اور زود ہضم غذا کے سوا کچھ نہ کھا سکتے تھے آپ کی نسبت مشہور ہے کہ وہ اپنے سر پر ایک انگیٹھی اور دیگچی اٹھائے رکھتے تھے تا کہ جس وقت مرشد طلب کریں انھیں فوراً گرم کھانا دے سکیں، شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں ہی آپ کی ملاقات شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے ہوئی اور ان کے ساتھ آپ نے ہندوستان کا رخ کیا جب آپ دورانِ سفر دہلی سے بدایوں تشریف لے گئے تو وہاں آپ نے ایک ہندو کو مسلمان کیا اور اس کا نام علی رکھا، اس کا تقرر بدایوں میں کیا اور پھر وہاں سے بنگال تشریف لے گئے ۔ بنگال میں آپ اس وقت کے مشہور مقام جس کو بندر دیو محل کہا جاتا تھا وہاں تشریف لے گئے اس مقام پر ایک بہت بڑا بت خانہ تھا اور وہ بت خانہ ایک کافر نے کثیر رقم خرچ کر کے تعمیر کیا تھا شیخ جلال الدین نے وہیں اپنا تکیہ بنایا اور آپ کے ہاتھ پر وہاں کثیر تعداد میں کافروں نے اسلام قبول کیا۔

(تاریخ سہروردیہ، ڈاکٹر محمد سعید، ص ۸۳ کراچی ۲۰۰۰ء)

شیخ محمد اکرام کے بقول جب آپ دیو محل آئے تو آپ نے ایک کمہار یا مالن کے یہاں قیام کیا تو دیکھا کہ اس کے گھر میں شور و غوغا برپا ہے پوچھا تو پتا چلا کہ اس شہر میں ایک

رسم یہ بھی تھی کہ راجہ کے حکم کے مطابق ہر روز ایک نوجوان دیو کے سامنے بھیجا جاتا اور وہ اسے کھالیتا اس روز شیخ کے میزبان کے بیٹے کی باری تھی شیخ نے کہا کہ اپنے بیٹے کو نہ بھیجو مجھے بھیجو لیکن وہ نہ مانا کہ اگر دیو نے تمھیں قبول نہ کیا تو راجہ مجھے قتل کرادے گا۔

چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو نہلایا دھلایا نئے کپڑے پہنائے اور اسے بت خانے میں لے گیا شیخ بھی ساتھ تھے، بت خانے میں پہنچ کر شیخ نے نوجوان کو تو رخصت کردیا اور خود دیو کا انتظار کرنے لگے جب دیو اپنے معمول کے مطابق ظاہر ہوا تو شیخ نے اسے اپنے عصا کی ضرب سے ہلاک کردیا صبح کے وقت راجہ اپنے لشکریوں کے ساتھ بت کی پرستش کو آیا دیکھا کہ اس بت خانے میں ایک آدمی سیاہ کپڑے اور سیاہ ٹوپی پہنے کھڑا ہے اور لوگوں کو بلا رہا ہے لوگ یہ منظر دیکھ کر حیران تھے راجہ خود آگے بڑھا شیخ نے کہا تم بغیر کسی ہراس کے آگے آؤ دیو کو میں نے ہلاک کردیا ہے لوگوں نے دیکھا تو واقعی ایسا ہی تھا چنانچہ سب لوگ ایمان لائے اور مسلمان ہو گئے''۔(آب کوثر ص ۱۰۳ بحوالہ جوامع الکلم ص ۱۵۷)

ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں آپ کے متعدد کمالات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب سلطان محمد تغلق کے عہد میں بنگال جا کر ملا تو اس وقت ان کی عمر ۵۰ سال تھی دبلے پتلے کشیدہ قامت شخص تھے ہزارہا ہنود نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور آپ کے مرید ہوئے۔ بنگال میں آپ کی خانقاہ سب سے پہلی خانقاہ آپ کا لنگر سب سے پہلا لنگر اور آپ کی مسجد سب سے پہلی مسجد تھی اور سب سے پہلے آپ ہی کے ہاتھوں پر لاکھوں بنگال کے ہنود نے اسلام قبول کیا۔(محفل اولیاء ص ۳۱۶)

آپ شیخ ابوسعید تبریزی کے مریدین میں سے تھے آپ ایک دن بدایوں کے قیام کے زمانے میں اپنے مکان کی چوکھٹ پر بیٹھے تھے اور سامنے ایک دہی بیچنے والا دہی کا مٹکہ اپنے سر پر رکھے گذرا جو فی الواقع چور اور ڈاکو تھا اور اس کی جماعت کے دوسرے افراد بدایوں کے گرد ونواح میں رہا کرتے تھے اس نے ایک نظر شیخ جلال الدین تبریزی کے چہرے کو دیکھا اور ایک ہی بار دیکھنے سے اس کا باطن تبدیل ہو گیا اور جب شیخ نے اس کو غور سے دیکھا تو وہ چور کہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کو ایک نظر

دیکھ کر انسان کی اندرونی کیفیات تبدیل ہو جاتی ہیں اور آپ کے دست اقدس پر فوراً مسلمان ہو گیا۔ آپ نے اس کا پہلا نام بدل کر اسلامی نام ''علی'' رکھ دیا، مسلمان ہونے کے بعد وہ اپنے گھر گیا اور گھر سے ایک لاکھ جیتل (ایک قسم کا سکہ ہے) لایا اور شیخ کی خدمت میں پیش کیا، شیخ نے اس کا نذرانۂ محبت قبول کیا۔ (اخبار الاخیار ص۱۰۳)

حضرت جلال الدین تبریزی ایک مدت حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات حاصل کیے شمس الدین التمش کے عہد میں دہلی آئے۔ جب شیخ الدین نجم الدین صغریٰ سے اختلاف ہوا تو دہلی سے بدایوں ہوتے ہوئے بنگال روانہ ہو گئے۔ حضرت جلال الدین تبریزی جب بنگال پہنچے تو وہاں رشد و ہدایت کا ہنگامہ بر پا کر دیا خانقاہ اور مسجد تعمیر کی اور لنگر خانہ جاری کیا بہت سے مسلمان حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، اور خاص طور سے وہ ہندو اور بودھ جو نہایت پستی کی حالت میں زندگی گزار رہے تھے حضرت تبریزی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص۳۶)

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء آپ کے بڑے معتقد تھے۔ آپ کے تعلق سے ان کے ملفوظات ''افضل الفوائد'' میں ایک واقعہ درج ہے کہ

> ''ولایت اسی بات کا نام ہے جو شیخ جلال الدین تبریزی قدس سرہ کو حاصل تھی۔ چنانچہ جب آپ نے ہندوستان جانے کا ارادہ کیا تو آپ ایک ایسے شہر میں پہنچے جہاں ایک دیو ہر رات آدمی کھایا کرتا تھا آپ نے اس دیو کو کوزے میں بند کر دیا اس شہر کے باشندے سب کے سب ہندو تھے جب انھوں نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو سب مسلمان ہو گئے آپ کچھ مدت وہاں رہے اور حکم دیا کہ خانقاہ بناؤ خانقاہ تیار ہو گئی تو ہر ایک گاگر لا کر اس کا سر مونڈتے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر خدا رسیدہ بنا دیتے اس طرح آپ نے پچاس آدمیوں کو صاحب سجادہ اور صاحب کرامت کیا اور پھر ان کو وہاں قائم کر کے آپ آگے چل دیئے''۔ (آب کوثر ص۳۰۰)

سیر العارفین کے مطابق ۶۴۲ھ مطابق ۱۲۴۴ء میں آپ کا وصال ہوا۔ گوہاٹی صوبہ آسام سے چند میل دور ایک پہاڑی پر ایک دشوار گذار غیر معروف بلکہ ہیبت ناک جنگل میں مدفون ہیں۔ پنڈوہ میں جہاں آپ کے چلہ خانہ اور مسجد (بائیس ہزاری) سے ۲۲ ہزار ایکڑ کی زمین وابستہ تھی وہاں آپ کا عرس ہر سال ۲۲/۲۱ رجب کو ہوتا ہے۔

۞۞۞۞۞

حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری
علیه الرحمة والرضوان

حضرت خواجہ غریب نواز کی ولادت ۹/ ماہ جمادی الثانی ۵۲۲ھ کو ہوئی ۱۱/ شوال المکرّم ۵۶۰ھ کو خواجہ عثمان ہارونی سے خلافت حاصل کی اور چھٹی ماہ رجب ۶۳۳ھ کو وصال ہوا۔ ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے آپ بانی ہیں۔ جب خواجہ صاحب ہندوستان تشریف لائے تو سات روز کے عرصہ میں تین لاکھ آٹھ ہزار ایک سو چھتر افراد حضرت خواجہ غریب نواز کے پاس حاضر ہو کر قوت باطن سے فیضیاب ہوئے۔ جب آپ کا گذر سیال کوٹ میں ہوا تو خاص شہر سیال کوٹ میں سترہ سو آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے اور آپ کے ورود مسعود کی خبر فرحت اثر ہر چہار طرف شہرت پذیر ہوئی کہ ایک بزرگ پاک صورت نیک سیرت عرب سے ہندوستان تشریف لائے ہیں جو ان کی صورت مقدس کو دیکھتا ہے فی الفور مسلمان ہو جاتا ہے۔ خواجہ صاحب ۱۷/ ماہ رجب ۵۷۲ھ بروز دوشنبہ سیال کوٹ سے قلات تشریف لے گئے وہاں آپ کے فیض ہدایت و ارشاد سے انیس سو سرسٹھ آدمیوں (۱۹۶۷) نے اسلام قبول کیا، ۱۶/ ماہ شوال کو قلات سے پشاور تشریف لے گئے جمعہ کے دن آپ نے پشاور میں نزول اجلال فرمایا چند دنوں وہاں مقیم رہے اس دوران وہاں دو ہزار سات پچانوے (۲۷۹۵) لوگ مسلمان ہوئے۔ محرم ۵۷۴ھ بروز سہ شنبہ حضرت خواجہ غریب نواز آمیر میں داخل ہوئے اور گرد و نواح آمیر میں تین ہزار نو سو بائیس (۳۹۲۲) آدمی آپ کے دست حق پرست پر مسلمان ہوئے۔ ۲۷/ صفر ۵۷۶ھ بروز سہ شنبہ اجمیر میں قدم رنجہ فرمایا اور زیر قلعہ

تاراگڑھ قیام پذیر ہوئے وہاں سادی دیو اور جے پال جوگی نے اسلام قبول کیا۔اس وقت کے فرمانروا پرتھوی راج کو بھی آپ نے اسلام کی دعوت دی مگر اس نے کہا کہ میرے ماں باپ جو فوت ہو چکے ہیں اگر آپ انہیں زندہ کر دیجئے تو میں آپ کا دین قبول کرلوں گا،اس کے جواب میں خواجہ صاحب نے فرمایا گو اس قادر مطلق نے یہ قدرت فقیر کو عطا کی ہے کہ تیرے ماں باپ کو میں زندہ دکھا سکتا ہوں مگر انتظام الٰہی میں فرق آئے گا مردوں کا زندہ ہونا حی وقیوم نے حشر کے دن منحصر فرمایا ہے مگر ہاں اس قدر کہے دیتا ہوں کہ ماں باپ تیرے سخت عذاب میں گرفتار ہیں اگر تو ان کو دیکھنا چاہے کہ وہ کس حال سے معذب ہیں تو میں عالم ارواح میں ابھی تجھ کو دکھا دوں مگر تو اسلام قبول کر لے اور اگر تو ایمان نہیں لائے گا تو انھیں کی طرح تو بھی گرفتار عذاب ہوگا اگر آج اسلام قبول کرے گا تو ہمیشہ ہمیشہ کو آرام پائے گا۔ جب خواجہ صاحب پانچویں ماہ ذی الحجہ ۵۷۷ھ لاہور تشریف لے گئے تو چند روز کی دعوت اسلام اور تلقین وہدایت کے باعث پانچ لاکھ اٹھائیس ہزار سات سو (۵۲۸۷۰۰) مرد وزن مسلمان ہوئے اور ایک ماہ ستائیس روز لاہور میں قیام کرنے کے بعد جب خواجہ صاحب دہلی تشریف لے گئے تو وہاں ایک سال قیام کیا اس عرصہ میں ستائیس ہزار سات سو اٹھہتر مرد وزن (۲۷۷۷۸) مرد وزن نے اسلام قبول کیا اور تین سو آدمی طریقت میں داخل ہوئے۔ بارہویں محرم ۵۷۸ھ بروز چہارشنبہ خواجہ غریب نواز ملتان تشریف لے گئے وہاں بہتر ہزار نو سو ننانوے (۷۲۹۹۹) لوگوں نے اسلام قبول کیا اور مرید ہوئے۔ وہیں سید عالم ﷺ کی بشارت کے مطابق پھر دوبارہ عازم دہلی ہوئے، ۵۷۹ھ کا زمانہ تھا اس وقت سلطان معزالدین دہلی فتح کر کے سلطان قطب الدین ایبک کے سپرد کر چکا تھا۔۲۲/محرم الحرام ۵۸۰ھ کو جمعہ کے دن دہلی تشریف آوری ہوئی نماز جمعہ ادا فرمائی تین دن دہلی میں قیام رہا اس مدت میں آپ نے چوبیس ہزار سات سو سات (۲۴۷۰۷) آدمیوں کو مسلمان کیا اور پھر وہیں سے اجمیر کی طرف مراجعت فرمائی۔۲۵/ماہ ربیع الثانی ۵۸۰ھ بروز پنج شنبہ بوقت مغرب آپ اجمیر شریف جلوہ بار ہوئے جہاں اس وقت مزار مقدس ہے وہیں قیام پذیر ہوئے۔(حقیقت گلزار صابری از ص۵۵۲تا۵۵۸) ہندوستان میں اسلام آپ کی

مساعی سے خوب پھیلا اور تقریباً نوے لاکھ لوگ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔
(محمد زکریا، تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۶ کراچی ۱۴۰۶ھ)

صوفیاء و مشائخ کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر لوگ اسلام قبول کیا کرتے تھے صوفیاء کے مشرب کے مطابق خواجہ صاحب کسی کو اسلام کی دعوت نہیں دیتے تھے جو شخص خود بخود اسلام کی طرف مائل ہوتا تھا آپ اسے قبول کر لیتے تھے، آپ ہر فرقہ کے لوگوں سے کمال تواضع سے پیش آتے تھے یہی وجہ تھی کہ کافر و مسلمان اپنے اور پرائے تمام مذاہب کے پیروکار آپ کی خدمت میں استعانت کے لئے حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے تھے۔ صاحب ''مراۃ الاسرار'' نے ''کلمات الصادقین'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ۔

''ایک دن خواجہ غریب نواز کا گذر کفار کے ایک بت کدہ پر ہوا اس وقت سات کافر بت پرستی میں مشغول تھے آپ کا جمال با کمال دیکھتے ہی بے بس ہو گئے اور قدموں میں آ کر گر گئے توبہ کی اور مشرف بہ اسلام ہو گئے آپ نے ان میں ہر ایک کو ''حمید الدین'' کا لقب دیا اور شیخ حمید الدین دہلوی ان سات میں سے ایک ہیں''۔

(عبدالرحمان چشتی، مراۃ الاسرار ص ۵۹۹ دہلی ۱۹۹۷ء)

حضرت خواجہ غریب نواز مبلغین اسلام جو رتبہ و مقام رکھتے تھے اس کا اعتراف تمام قدیم مورخین نے کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے آنے سے ہی اجمیر میں روحانی طور پر اسلام کا بول بالا ہوا لیکن ان کی نسبت ہندوؤں کا جو رویہ تھا اس کی طرف اشارہ دارا شکوہ نے اپنی تصنیف ''سفینۃ الاولیا'' میں ان لفظوں میں کیا ہے۔

''جمع کثری از کفار بہ برکت قدوم ایشاں مسلمان شدند و جماعہ کہ مسلمان نہ شدہ بودہ، فتوح دینار بخدمت ایشاں می فرستادند و ہنوز کفارے کہ دراں نواحی بہ زیارت ایشاں می آیند و مبلغ ہا بہ مجاوران روضہ منورہ می گزرانند''۔

(دارا شکوہ، سفینۃ الاولیاء (مترجم) ص ۱۲۸)

(آپ کے قدم کی برکت سے سیکڑوں مشرکین اور کفار کو اسلام کی دولت

ملی اور جو لوگ اسلام نہیں لائے وہ بھی حضرت سے خوش عقیدگی رکھتے تھے آپ کی خدمت میں تحفے تحائف بھیجتے تھے اور آج تک قرب وجوار کے مشرکین ان کی زیارت کے لئے حاضری دیتے ہیں اور روضہ منورہ کے مجاورین اور خدام کو نذر پیش کرتے ہیں)۔

پروفیسر محمد ایوب قادری اشاعت اسلام کے تعلق سے ایک جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے تعلق سے آرنلڈ لکھتا ہے۔''کہ رفتہ رفتہ بہت سے لوگ خواجہ اجمیری کے معتقد ہو گئے اور انھوں نے بت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا اب خواجہ اجمیری کی شہرت سب طرف ہوگئی اور آخر میں ہندوؤں کے گرو کے گروہ ان کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوئے۔مشہور ہے کہ جس وقت خواجہ دہلی سے اجمیر جارہے تھے تو راستے میں سات سو ہندوؤں کو انھوں نے مسلمان کیا، شیخ ابوالفضل علامی نے لکھا ہے کی خواجہ بزرگ کے اجمیر میں قیام کرنے کی وجہ سے گروہ درگروہ لوگوں نے اسلام قبول کیا، خواجہ مبارک علوی لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ کے قدم کی برکت سے یہ علاقہ اسلام سے منور ہو گیا''۔

(مخدوم جہانیاں جہاگشت، محمد ایوب قادری، ص۱۴۲ احمد آباد ۲۰۱۸ء)

۞۞۞۞۞

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی
علیه الرحمة والرضوان

آپ کا نام بہاء الدین زکریا والد کا نام وجیہ الدین اور دادا کا نام کمال الدین علی شاہ ہے۔، آپ قریش خاندان کے فرد تھے، کنیت ابو محمد اور ابوالبرکات ہے، آپ کی ولادت ملتان کے قریب ایک قصبہ کوٹ کروڑ میں ۲۷/رمضان المبارک ۵۶۶ھ کو ہوئی اس وقت یہ

قصبہ ضلع مظفر گڑھ میں واقع ہے۔آپ کے آباء واجداد مکہ معظّمہ سے پہلے ایران کے شہر خوارزم آئے پھر خوارزم سے قبۃ الاسلام شہر ملتان پہنچے،آپ کی خاندانی نسبت اسد قریشی پر منتہی ہوتی ہے جو قریش میں ممتاز ہستی اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی والدہ ماجدہ کے جدامجد تھے۔(مراۃ الاسرار ص ۶۹۵)

بارہ سال کی عمر میں آپ کے والد اس جہان فانی سے کوچ کر گئے،آپ نے دو سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا اور سات قرأتوں کی تعلیم حاصل کی۔علوم اسلامی کی تعلیم کے لیے ایران کے مشہور صوبہ خراسان تشریف لے گئے اور وہاں سات سال تعلیم حاصل کی ،اس کے بعد بخارا اور مکہ معظّمہ تشریف لے گئے حرم نبوی میں پانچ سال مجاور رہے اور وہیں مولانا شیخ کمال الدین محمد یمنی سے علم حدیث کا درس لیا۔اس کے بعد بیت المقدس گئے اور انبیاء علیہم السلام کی قبور کی زیارت سے فیضیاب ہوئے۔وہیں سے آپ نے بغداد کا سفر کیا اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی بارگاہ میں حاضری دے کر بیعت سے مشرف ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔شیخ نے سترہ روز کی قلیل مدت میں تربیت فرما کر آپ کو کاملیت کے درجہ پر فائز کر دیا اور رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ ملتان میں جا کر رہو اور وہاں کے لوگوں کو فیض پہنچاؤ۔جب آپ ملتان تشریف لائے تو بقول شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

> ’’اکابر ملتان میں کچھ حسد ظاہر ہوا اور بطور کنایہ آپ کی خدمت میں دودھ سے لبالب ایک پیالہ بھیجا مطلب یہ تھا کہ اس شہر میں کسی کی گنجائش نہیں ہے شیخ نے اس اشارہ کا مطلب سمجھ کر دودھ کے پیالہ پر ایک پھول رکھ کر واپس فرمادیا مقصود یہ تھا کہ ہمارا مقام اس شہر میں اس طرح رہے گا،جس طرح دودھ پر یہ پھول رکھا ہوا ہے اکابر ملتان اس حسن ادا پر حیران رہ گئے اور آپ کی کرامت کے معترف ومطیع ہوگئے۔(اخبار الاخیار ص ۶۲)

آپ نے ملتان میں قیام کیا اور مسند ارشاد بچھائی گردونواح کی خلقت آپ کے اردگرد جمع ہوئی اور بہت سے خلفائے باکمال آپ کے فیض صحبت سے صاحب ارشاد ہوئے

آپ کے اثرات کو ملتان، لاہور، سندھ اور بلوچستان کے عوام نے بڑی حد تک قبول کیا تھا شیخ بہاء الدین زکریا کا وعظ سن کر ملک سندھ اور علاقہ ملتان اور لاہور کے اہل ہنود (ہندو) میں سے بھی بے شمار خلقت نے جس میں بہت متمول تاجر اور بعض والیان ملک بھی تھے دین اسلام قبول کیا اور حضور کے مرید ہوئے۔ (شیخ محمد اکرام، آب کوثر ص ۲۵۷ لاہور ۱۹۹۲ء)

آپ کی کاوشوں سے برصغیر میں سلسلہ سہروردیہ کی خوب نشر و اشاعت ہوئی اور ہزار ہا اشخاص حلقۂ ارادت میں منسلک ہوئے اور بہت سے مشرف بہ اسلام ہوئے اور مغربی پاکستان کے اکثر قبیلے آپ کی تعلیم و تلقین سے مسلمان ہو گئے تھے، کمبوہ برادری بھی آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئی۔ (حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۴۹)

سندھ کی بہت ہی ہندو قومیں اور اِدھر اُدھر کے ہزار ہا کفار و مشرکین آپ کی تبلیغ اور پند و نصیحت سے مسلمان ہوئے، حقیقت یہ ہے کہ آپ نے تبلیغ اور اشاعت اسلام کے سلسلے میں فقید المثال خدمات سر انجام دیں، علوم ظاہری و باطنی کے عظیم الشان مدارس، وسیع لنگر خانے، اور مواعظ و مجالس اور نصیحت و کرامات سب اشاعت اسلام اور اصلاح خلق کے لئے تھیں۔

(محفل اولیاء ۲۳۶)

۞۞۞۞۞

حضرت شیخ اخی سراج بدایونی

علیه الرحمة والرضوان

آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مشاہیر خلفا میں تھے عنفوان شباب ہی میں خواجہ کی خدمت سے وابستہ ہو گئے، اس لئے ظاہری علوم کی تحصیل سے محروم رہے، حضرت محبوب الٰہی نے حضرت فخر الدین زرداری سے فرمایا کہ یہ نوجوان اچھی اور عمدہ سیرت کا مالک ہے مگر علم سے بے بہرہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بے علم زاہد شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے۔ حضرت فخر الدین نے حضرت نظام الدین اولیاء کے اس انداز مشفقانہ کو دیکھ کر عرض کیا، اگر حضور اجازت دیں تو میں اس نوجوان کو اپنی نگرانی میں لے کر ضروری علوم کی

تعلیم دوں، میرا خیال ہے کہ آپ کے لطف وکرم سے اسے علمی استعداد حاصل ہو جائے گی، آپ نے فرمایا کہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ چنانچہ مولانا فخر الدین زرداری، اخی سراج الدین کو اپنے ہمراہ گھر لے گئے اور چھ ماہ کے اندر اندر بہت سے علوم وفنون سے آراستہ کر دیا، اور اس درجہ علم میں مہارت ہوگئی کہ بعض اوقات آپ کے ہم عصر علماء جب کسی علمی نکات پر گفتگو کرتے تو اخی سراج انھیں حیران کر دیتے۔ ظاہری علوم سے فراغت کے بعد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے آپ کو باطنی اسرار ورموز سے مالا مال کر دیا، خرقۂ خلافت عطا کر کے ولایت بنگال کا روحانی نگراں مقرر کر دیا اور آپ کے بارے میں فرمایا کہ ''اخی سراج الدین ہندوستان کے آئینہ ہیں''۔ آپ کا وصال ۷۵۸ھ میں ہوا۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۲۶ لاہور ۲۰۰۱ء)

حضرت نظام الدین اولیاء کے تمام خلفا میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے، لیکن ان میں دو بزرگ ایک شیخ نصیر الدین چراغ دہلی اور دوسرے حضرت اخی سراج الدین عثمان کی چاشنی اور تھی، ان دو حضرات سے کثیر التعداد خلقت فیضیاب ہوئی، اور بہت سے بزرگ صاحب خلافت وارشاد ہوئے چنانچہ آج تک ان دو حضرات سے تمام ہندوستان میں سلاسل جاری وساری ہیں۔

حضرت شیخ سراج اخی زبردست اولیاء میں سے تھے بنگال میں ہدایت خلق پر مامور ہوئے، ہزارہا غیر مسلموں کو مسلمان کیا۔ ۷۵۸ھ میں وفات ہوئی۔

(محفل اولیاء ص ۳۷۰)

❁❁❁❁❁

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر پاک پٹن شریف
علیه الرحمة والرضوان

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی ولادت ملتان کے نزدیک کھوتوال میں ہوئی، جہاں آپ کے دادا قاضی کے منصب پر فائز تھے۔ ملتان میں تعلیم حاصل کی وہیں، آپ کی

ملاقات ۱۸؍برس کی عمر میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے ہوئی۔ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد آپ دہلی تشریف لائے اور تھوڑے ہی دنوں میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے آپ کو روحانی نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔آپ نے ہانسی اور اجودھن میں مجاہدے کئے۔سیر الاولیاء کی روایت کے مطابق اجودھن ان دنوں کج طبع ، درشت مزاج اور بد اعتقاد لوگوں کا مرکز تھا مگر آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہیں اور وہیں اپنا ڈیرا ڈال دیا حضرت شیخ نظام الدین اولیاء اور مخدوم علاء الدین صابر کلیری نے وہیں آپ سے اکتساب فیض کیا جو بعد میں چل کر سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کے اہم ستون بنے،اور سلسلہ چشتیہ کی دو بڑی شاخوں کے بانی قرار پائے۔

شیخ فرید الدین گنج شکر کے پیش نظر ہمیشہ تبلیغی مقاصد رہتے آپ کی خانقاہ سے ہزار ہا اولیاء اللہ پیدا ہوکر اطراف عالم میں پھیلے اور ہدایت خلق میں مصروف ہوئے۔''جواہر فریدی''میں تو آپ کے خلفا کی تعداد پچاس ہزار بتائی گئی ہے۔شیخ منتخب الدین چشتی کو کفر وبدعت کی بیخ کنی کے لئے آپ نے دیوگیری(دکن) میں متعین کیا تھا۔آپ نے ہی وہاں پہنچ کر چراغ اسلام روشن کیا،منکرین آپ کی دعا سے پتھر ہوگئے،مزار بھی دیوگیری ہی میں ہے۔ان کے بعد سلطان المشائخ نے آپ کے بھائی شیخ برہان الدین غریب کو وہاں مامور کیا اور ان کی سعی سے اسلام پھیل گیا،ہر جگہ ایسے ہی بزرگ متعین تھے۔بابا صاحب کے ہاتھ پر ہزار ہا ہندؤوں نے اسلام قبول کیا آپ نے اس علاقہ کے لوگوں کو لوائے اسلام کے نیچے جمع کیا۔(شاہ مراد سہروردی،محفل اولیاء ص ۳۶۱ دہلی ۲۰۰۳ء)

مغربی پنجاب کے علاقے میں اسلام کی اشاعت حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی کوششوں سے ہوئی، پنجاب گزٹیر کے مطابق پنجاب کے ۹ ؍قبیلے اپنے اسلام لانے کا انتساب شیخ فرید الدین کی طرف کرتے ہیں۔ان کے علاوہ پنجاب کا ایک معروف قبیلہ سیال جو ملتان منٹگمری اور جھنگ میں آباد ہے اس نے بھی شیخ فرید الدین کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ایک تذکرہ نویس اصغر علی نے ان قبائل اور ذاتوں کی مجموعی تعداد سولہ لکھی ہے جنہوں نے شیخ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

(برصغیر ہند میں شاعت اسلام کی تاریخ ص ۳۸)

شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ

''اشاعت اسلام میں جتنی کامیابی آپ کو ہوئی ہے حضرت خواجہ بختیار کاکی کو شاید ہی ہوئی ہو مغربی پنجاب کے کئی ایک بڑے بڑے قبیلے آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے مثلاً سیال راجپوت وٹو وغیرہ''۔

(شیخ محمد اکرام آب کوثر ص ۲۲۲ دہلی ۲۰۰۶ء)

پروفیسر محمد ایوب قادری بابا فرید الدین گنج شکر کی تبلیغی کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''بابا فرید الدین گنج شکر نے پاک پٹن کو رشد وہدایت کا مرکز بنایا اور پنجاب میں اسلام کی خوب اشاعت فرمائی راجپوتوں کے کئی قبیلے مثلاً سیال اور وٹو وغیرہ ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے، پاک پٹن کی ایک پوری قوم مع اپنے مقتدیٰ کے جو ایک جوگی تھا فرید الدین گنج شکر کی توجہ سے مسلمان ہوگئی، راجپوتوں کے بعض دوسرے قبیلے پھلیاں اور جاٹ وغیرہ نے بھی حضرت بابا کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اس طرح بابا گنج شکر کی اولاد اور سجادہ نشینوں کی توجہ سے بھی بعض راجپوت قبائل اور سودھی قوم مسلمان ہوگئی اور اسی قوم کے لوگ بابا فرید کی قبر پر چراغ بتی کرنے والے اور جاروب کش تھے''۔ (مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ص ۴۲)

❁❁❁❁❁

حضرت شیخ صوفی حمید الدین ناگوری

علیه الرحمة والرضوان

آپ سعید بن عمر قریشی کی اولاد میں سے ہیں جو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی اور بہنوئی تھے اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ آپ کا شمار ہندوستان کے متقدمین مشائخ کرام میں ہوتا ہے۔ آپ کے والد سلطان معز الدین سام

عرف شہاب الدین غوری کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے، آپ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا بچہ جو فتح دہلی کے بعد ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا وہ میں ہی ہوں، آپ کی عمر بہت طویل تھی، تجرید وتفرید میں آپ عالی مقام رکھتے تھے، تصوف میں آپ کا مقام بہت بلند تھا، فوائد طریقت اور اسرار حقیقت میں آپ نے کئی کتابیں بھی لکھی ہیں، مکتوبات، رقعات اور اشعار بھی چھوڑے ہیں، سلسلہ چشتیہ میں آپ سب سے پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے ہندوستان میں حقائق ومعارف پر کتابیں لکھیں ''اصول الطریقت'' اور ''رسالہ عشقیہ'' آپ کی اہم تصانیف ہیں۔ موضع سوالی جو اجمیر شریف سے دو کوس کے فاصلہ پر ہے وہیں ۵۷۰ھ/۱۱۷۴ء میں ولادت ہوئی۔ (''اخبار الاخیار'' کی روایت کے مطابق یہ موضع شہر ناگور کے مضافات میں ہے) شیخ طریقت خواجہ غریب نواز کے حکم سے آپ نے ناگور میں سکونت اختیار کی۔ اور وہیں زمین کے کچھ حصہ پر سبزی کی کاشت کرتے جو کچھ اس سے حاصل ہوتا اسی پر قناعت کرتے۔ (مراۃ الاسرار ص ۶۷۷)

''اخبار الاخیار'' میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ غریب نواز بہت خوش تھے انھوں نے اپنے مریدین ومتوسلین سے فرمایا کہ جو شخص کچھ مانگنا چاہے مانگ لے قبولیت کا دروازہ کھلا ہے کسی نے دنیا طلب کی کسی نے عقبیٰ مانگا، حضرت خواجہ نے صوفی حمید الدین ناگوری کی طرف منھ کر کے فرمایا تم کیا چاہتے ہو؟ تا کہ دنیا میں معزز ومکرم رہو تو آپ نے فرمایا بندہ وہی چاہتا ہے جو مولیٰ چاہے یہ دیکھ کر خواجہ بزرگ نے فرمایا تارك الدنیا والفارغ عن العقبیٰ سلطان التارکین حمید الدین صوفی اسی دن سے آپ کا لقب صوفی حمید الدین ہو گیا۔ (اخبار الاخیار ص ۶۸ مترجم)

صوفی حمید الدین کی وفات روز شنبہ ۱۱/ ماہ رمضان ۶۴۱ھ/۱۲۴۳ء اور صحیح ترین روایت کے مطابق ماہ ربیع الآخر ۶۷۳ھ/۱۲۷۴ء سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں ہوئی مزار مقدس شہر ناگور میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے صاحبزادہ شیخ عبد العزیز کا وصال چوں کہ آپ کی حیات ہی میں ہو گیا تھا اس لئے اپنے پوتے شیخ فرید الدین کو آپ نے اپنا جانشین نامزد کیا جو شیخ ضیاء الدین نخشبی کے پیر ومرشد ہوئے۔

آپ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارادت مند خلیفہ تھے،

اشاعت اسلام کے حوالے سے ان کے ایک مکاشفہ کا ذکر ملتا ہے وہ ناگور راجستھان کے ایک ہندو کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ وہ ولی کامل ہے، لوگ کہتے تھے کہ یہ تو ہندو ہے لیکن بعد میں ایسا ہی ہوا کہ وہ شخص مسلمان ہو کر ولی کامل بنا۔

(شیخ عبدالحق، اخبار الاخیار ص ۴۷ دہلی ۱۹۹۴ء)

۞۞۞۞۞

حضرت باباشرف الدین عراقی

علیہ الرحمۃ والرضوان

حضرت باباشرف الدین عراقی، ملک عراق کے رہنے والے تھے، بغداد میں تعلیم وتربیت حاصل کی، عبادت وریاضت میں مصروف رہتے، حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلفا میں سے تھے، ساتویں صدی ہجری میں ہندوستان تشریف لائے، آپ نے کثیر تعداد میں ہندوؤں کو اسلام کی دولت سے نوازا۔ دکن حیدرآباد شہر کے پاس ایک پہاڑی ہے جس پر آپ نے عبادت کے لئے سکونت اختیار فرمائی اس پہاڑی پر آپ سے ملنے کے لئے اکثر ہندو اور علاقے کے دوسرے لوگ آیا کرتے تھے آپ انھیں کھانے میں شریک کرتے اور تعلیمات اسلامی سے ہمکنار کرتے، بیماروں کو دعا دیتے، اسی پہاڑی پر جو شہر کے مغرب کی جانب کچی آبادی میں کوئی دو میل کے فاصلے پر ہے اس پر مزار اقدس ہے۔

(شیخ محمد اکرام، آب کوثر ص ۲۶۲، ۳ لاہور ۱۹۹۲ء)

آپ کی وفات سلطان جلال الدین خلجی کے دور حکومت میں ۶۸۷ھ ہوئی، حیدر آباد میں سلسلہ سہروردیہ کی ترویج واشاعت آپ ہی کی ذات گرامی سے ہوئی۔

آپ کا نام شرف الدین ہے عراق میں ولادت اور نشو ونما ہوئی۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آپ عراقی نہیں بلکہ سبزاروی ہیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت وخلافت حاصل ہونے کی وجہ سے ''سہروردی'' کہلائے۔

خلجی سلاطین کے دور حکومت میں عراق سے اشاعت اسلام کی غرض سے

ہندوستان آئے اور پھر دکن چلے گئے اس وقت اسلام کی نشر واشاعت کے لیے میدان بالکل خالی تھا اطراف وجوانب میں اسلام کے پودوں کی نشو ونما ہو رہی تھی ۔ رسول اکرم ﷺ کی ہدایت اور حسب اشارت آپ نے ہندوستان کا سفر کیا تھا۔ ''حدائق الاولیاء'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے دکن میں یہ غرض تھی کہ دین محمدی کی اشاعت ہو، اسی مقصد کے تحت آپ اہل ہنود سے حسن اخلاق سے پیش آتے اور ہر ایک راجہ و پرجا سے نرمی وملاطفت سے پیش آتے ،آپ کے اسی حسن اخلاق کی بنیاد پر ہنود آپ کی خدمت میں صبح وشام جوق در جوق حاضری دیتے ،آپ چوں کہ صاحب کشف وکرامات اور مستجاب الدعوات تھے جو زبان مبارک سے فرما دیتے وہ ہو جاتا اس لئے ہمیشہ آپ کی خدمت میں بھیڑ لگی رہتی ۔اہل اصنام آپ کے خوارق عادات سے متاثر ہوتے تھے آپ کے کردار وعمل کے باعث روز بروز ہنود کا اعتقاد بڑھتا گیا۔اکثر موحد ہو گئے مگر حکام وقت کے خوف سے وہ اپنا اسلام ظاہر نہیں کرتے تھے بعض تو اپنی دلیری کے باعث آپ کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے حکام وقت نے آپ کے معاملے میں کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی اس لیے ہنود کثرت سے مسلمان ہونے لگے ۔(محبوب ذوالمنن جلداول ص ۱۶۷)

دکن کے ہنود اگر چہ بڑے متعصب تھے مگر آپ کے اخلاق کریمانہ نے سب کو رام کرلیا تھا۔وہاں کے ہنود کا حال شیخ قطب الدین نے اپنے سفر نامہ ''قطبی'' میں لکھا ہے کہ

> ''دکن کے ہنود سخت متعصب ہیں اور اس قدر قسی القلب ہیں کہ علی الصباح اہل اسلام کی صورت دیکھنا مکروہ سمجھتے ہیں ۔اگر کوئی مسافر مسلم وارد ہوتا ہے تو اس کو بُری تکلیف دیتے ہیں ،کھانے پینے کا سامان قیمتاً بھی ان کے ہاتھ فروخت نہیں کرتے''۔
>
> (محبوب ذوالمنن جلداول ص ۱۶۳)

بابا شرف الدین عراقی جب دکن میں آئے تو ایک پہاڑ کی چوٹی پر جو حیدرآباد کی مغربی جانب میں چار میل کے فاصلے پر ہے فروکش ہوئے ۔آپ کے ہمراہ ساٹھ ستر فقرا بھی تھے ۔آپ رات دن عبادت الٰہی اور مریدن کی تلقین وہدایت میں مشغول رہتے تھے ۔اکثر

ہنود آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے حسن اخلاق سے فیض پاتے، کوئی آپ کو تکلیف یا ایذا نہیں پہنچاتا تھا کشف وکرامت دیکھ کر خدمت بجالاتے۔ آپ نے اپنے مریدین کو ہنود کی ہدایت وتالیف قلب کے لیے دیہات وقصبات میں بھیجا۔ اس طرح آپ نے متعصب ہنود کے دلوں کو اسلام کے لیے نرم کیا جس کے سبب لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت بابا شرف الدین عراقی صاحب کشف وکرامت بزرگ سے۔ آپ کی ذات سے ایسے کئی ایک محیر العقول کارنامے صادر ہوئے جس کے سبب ہنود کا دل آپ کی طرف مائل ہوا۔ ''بستان الاولیاء'' کے مصنف نے آپ کی کچھ کرامتوں کا ذکر کیا ہے۔ اسی میں سے درج ذیل کرامت کا بھی ذکر ہے۔

> ''حضرت کے عہد میں ایک دھوبی کا بیل گم ہوگیا دو مہینے تک اس کی تلاش وجستجو میں پریشان رہا، شہر کے اطراف وجوانب میں خوب تلاش کیا لیکن کہیں اس کا پتا نہ چلا عاجز وناامید ہوکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور دست بستہ عرض کیا کہ ''حضور دو ڈھائی مہینے سے میرا بیل گم ہوگیا ہے، شہر کے اطراف واقطار میں اور جنگل و پہاڑ کے میدانوں اور جھاڑیوں میں تلاش کیا لیکن کہیں نہیں ملا میں مفلس وتنگ دست ہوں عیال واطفال کثیر ہیں، گذر اوقات بڑی مشکل سے ہوتی ہے،، بیل ہی میرا قوت بازو تھا اب مجھ میں ایسی طاقت نہیں کہ میں دوسرا بیل خرید سکون۔ تھک ہار کے آپ کے پاس آیا ہوں، آپ میری مدد کیجئے۔ کہ میرا گم شدہ بیل مل جائے، آپ نے تھوڑی دیر سر جھکا کر تامل کیا پھر ایک تحریر سفال ریزے پر کوئلے سے لکھ کر اس کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے فلاں ہنومان کے پاس لے جاؤ وہی تمھارا بیل دے گا یہ سن کر وہ دھوبی بہت متعجب ہوا کہ حضرت جس ہنومان مورتی کے پاس بھیج رہے ہیں وہ پتھر کا چل پھر سکتا نہیں کس طرح مجھے میرا بیل دے گا؟ لیکن دل میں بابا کا اعتقاد تھا

اس لیے بغیر کسی پس وپیش کے اسی ہنومان بت کے پاس گیا حسب الحکم
وہ سفال ریزہ اس کے سامنے رکھ دیا اور اپنے بیل کے بارے میں اس
ہنومان مورتی سے کہا بھلا اس مورت سے اسے کیا جواب ملتا نا امید ہو کر
وہاں سے واپس ہونے لگا کہ اچانک وہ دھوبی کیا دیکھتا ہے کہ اس ہنومان
مورت کے پیچھے وہ بیل کھڑا ہے نہایت خوشی سے دوڑا اور بیل کو پکڑ کر
اپنے گھر لے آیا دھوبی کے عیال واطفال اس سے بہت خوش ہوئے اور
دوست واحباب پوچھنے لگے کہ بیل کس طرح اور کہاں ملا؟ دھوبی نے
تفصیل سے تمام قصہ بیان کیا سب لوگ حضرت کی کرامت کے قائل
ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے دیوتا بھی حضرت کے تابع ہیں، حضرت
مہادیوتا ہیں۔'' (محبوب ذوالمنن جلد اول ص ۱۶۶)

اس واقعہ سے ہنود کے دلوں میں آپ کی محبت مزید راسخ ہوگئی، اہل اصنام کے خاص وعام میں حضرت کی کرامت اور عظمت وبزرگی کے چرچے ہونے لگے، ان کے دلوں میں آپ کی عظمت کا سکہ جم گیا، بت پرستی کا بازار سرد ہو گیا، علاقے میں دھیرے دھیرے اسلام کی چمک پھیلنے لگی، اکثر حاجت مند آپ کے پاس آنے لگے۔ اور ان کی تمنائیں اور آرزوئیں پوری ہونے لگیں۔ اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ اور بھی بیان کیا جاتا ہے کہ

''ایک بت پرست ہندو آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں اس شرط پر
آپ کا مرید ہوتا ہوں کہ آپ مجھے شراب پینے کی اجازت دیں گے تو
آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے مگر جہاں میں ہوں وہاں مت پینا وہ ہندو
بہت خواش ہوا اور راضی ہو گیا اور صدق دل سے مسلمان ہو کر آپ کی
بیعت سے مشرف ہوا۔ آپ نے اس کا نام نور محمد رکھا۔ ایک دن وہ پوشیدہ
طور پر شراب خانے میں گیا شراب کا پیالہ پینے کے لیے ہاتھ میں لیا ابھی
پیالہ لب تک پہنچا بھی نہ تھا کہ یکا یک دیکھا کہ سامنے حضرت کھڑے
ہیں اس نے پیالہ ہاتھ سے پھینک دیا اور شراب خانے سے بھاگا اور
حضرت کے مریدین کے زمرہ میں ایک گوشہ میں خوفزدہ اور شرمندہ ہو کر

بیٹھ گیا کسی نے پوچھا کہ نور محمد کیا بات ہے؟ کیوں ڈرے سہمے سے لگ رہے ہو نور محمد نے کہا کہ آج میں شراب خانہ گیا تھا شراب پینے کے لیے بالکل مستعد تھا کہ یکا یک وہیں حضرت دکھلائی دیئے وہاں سے میں ابھی بھاگتا ہوا آیا ہوں اس لیے ندامت وپشیمانی میں بیٹھا ہوں پھر نور محمد نے پوچھا کہ کیا آج حضرت خانقاہ سے باہر نکلے تھے تو مرید نے کہا نہیں میں تو صبح سے یہیں ہوں سب لوگ حضرت کی اس کرامت کے معترف ہو گئے اس کے بعد سے نور محمد نے شراب ترک کر دی''۔

(محبوب ذوالمنن جلد اول ص ۱۶۸)

حضرت بابا شرف الدین عراقی سے اس طرح کی بے شمار کرامتیں صادر ہوئیں جس کے سبب اہل اصنام انھیں اپنا دیوتا ماننے لگے اور ان سے ڈنڈوت کر کے اپنے کام کاج کے لیے جانے لگے۔''بستان الاولیاء'' کے مولف نے لکھا ہے کہ

''حضرت بابا شرف الدین کے قرب وجوار میں ایک قدیم بت تھا تلنگانہ کے ہنود جسے اپنا معبود تسلیم کرتے تھے ایک دن ایسا ہوا کہ وہ بت حضرت کے ذکر بالجہر اور تکبیر وتہلیل کی آواز سن کر زمین پر گر گیا جب صبح کے وقت اہل اصنام اپنے اس دیوتا کی پرستش اور درشن کے لیے گئے تو بت کو بصورت ذلت زمین پر پڑا ہوا دیکھ کر افروختہ ہو گئے اور حضرت کے خدام کو برا بھلا کہنے لگے کہ یہ انھیں لوگوں کی حرکت ہے فقرا سے مار پیٹ پر آمادہ ہو گئے اور فقرا نے بھی اپنی دفاع میں کمر ہمت کس لی۔ایسی صورت میں حضرت نے اہل اصنام سے کہا کہ آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ یہ کام ہمارے فقرا نے کیا ہے۔ہنود حضرت کا کلام مبارک سن کر خاموش ہو گئے پھر حضرت نے فرمایا دیوتا سے پوچھنا چاہئے کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ ہنود کہنے لگے کہ یہ تو نہیں بول سکتا وہ تو پتھر کی مورت ہے کلام نہیں کر سکتی تو حضرت نے انھیں ایک ٹھیکرا منگوا کر اسی پر کچھ لکیریں کھینچیں اور ان کو دے دیا اور کہا کہ اسے لے جا کر اس بت کے سامنے رکھ دو وہ کلام کرے

گا اور کس نے یہ کام کیا ہے وہ سچ سچ بتا دے گا۔ جب ہندوؤں نے لے
جا کر وہی ٹھیکری اس بت کے سامنے رکھی تو وہ باذن اللہ متکلم ہوا اور کہنے
لگا کہ ''اے میرے پوجنے والو حضرت کے فقرا نے مجھے ذلیل نہیں کیا ہے
میں خود تکبیر کی آواز سن کے گر پڑا ہوں مجھ کو یہاں سے فاصلے پر لیجاؤ،
حضرت اور ان کے فقرا کو مت ستاؤ، حضرت اوتاروں میں بڑے اوتار
ہیں''۔ اہل اصنام نہایت شرمندہ ہو کر حضرت کے معتقد ہو گئے اور دیوتا کو
اٹھا کر دور فاصلے پر رکھ دیئے''۔ (محبوب ذوالمنن جلد اول ص ۱۶۹)

حضرت کی یہ کرامت تمام اہل اصنام میں بہت مشہور ہو گئی روزانہ ہنود آپ کے درشن اور ڈنڈوت کے لیے آنے لگے، حضرت کی قدم بوسی کر کے جانے لگے، نذر و نیاز پیش کرنے لگے، آپ چوں کہ اشاعت اسلام کے لیے آئے تھے اس لئے ہر ایک فقیر، امیر، راجہ مہاراجہ اور پرجا کی خاطر مدارات کرتے تھے اور دوا و دعا سے خوش کرتے تھے۔ آپ جیسے بزرگوں کی نرمی اور خوش خلقی سے دکن میں اسلام اور ایمان کے پودے اہل اصنام کے دلوں میں جمنے لگے، اہل اصنام کی عورتیں صبح و شام اپنے بچوں کو گود میں لے کر آپ کے پاس دعا و دم کرانے کے لیے آنے لگیں آپ اپنے حسن اخلاق سے ہر ایک بچے کو دعا کرتے اور دم کرتے اور فرماتے خوش رہو آپ کے اس عمل سے عورتیں بہت خوش ہوتی تھیں۔ اور آپ کے قدموں پر سر رکھ دیتی تھیں۔ آپ ہاتھ و زبان سے منع فرماتے مگر راسخ الاعتقاد عقیدت مند باز نہیں آتے قدموں پر گرتے ہی جاتے تھے ہر روز صبح و شام آپ کے جنگل میں منگل رہتا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ ہمارے سلف نے ہندوستان میں اکثر حسن اخلاق اور الطاف کریمانہ سے ہی اہل اصنام کو اہل اسلام و اہل ایمان بنایا ہے اور اشاعت کا فریضہ نہایت ہی عمدہ اور احسن طور پر انجام دیا۔ انھیں جبراً و ظلماً مسلمان نہیں بنایا۔

۱۹؍ شعبان المعظم ۶۸۷ھ کو آپ نے اس دار فانی سے رحلت کی اور حیدر آباد سے متصل جس پہاڑی پر آپ نے اپنا ٹھکانہ بنایا تھا وہیں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی رحلت کا تاریخی مادہ ''آہ شرف الدین'' ہے۔ سالانہ عرس بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ہر سال منعقد کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ جلال الدین سرخ بخاری

علیه الرحمة والرضوان

آپ کی ولادت بخارا شہر ملک روس میں ۵۵۷ھ میں ہوئی۔ آپ کا نام سید جلال الدین اور لقب جلال سرخ تھا، سرخ بخاری کہنے کی وجہ یہ ہے جس کا ذکر'' تاریخ سہروردیہ'' کے مصنف نے'' رسالہ رومی'' کے حوالے سے لکھا ہے۔

'' جلال سرخ کی وجہ تسمیہ کچھ اس طرح ہے کہ آپ دوران سیاحت مشہد سے ہوتے ہوئے اصفہان تشریف فرما ہوئے وہاں لوگوں میں بڑا اشتیاق تھا کہ وہ آپ کی زیارت کریں اور اس مقصد کے تحت جوق در جوق کثیر تعداد میں لوگ آپ کے پاس پہنچے پورے علاقے میں مشہور ہو گیا تھا کہ ایک بزرگ سید آئے ہیں اس علاقے کا بادشاہ اس وقت اسماعیل تھا جب اس کو یہ اطلاع سمنان میں پہنچی تو اس نے انہیں اپنے دربار میں طلب کیا جب آپ تشریف لائے تو سلطان نے حضرت جلال الدین بخاری سے سید ہونے کی شہادت طلب کی، سید جلال الدین بخاری نے فرمایا یہ'' بخارا'' یعنی تنور آگ سے سرخ کیا جائے، جب بخارا سرخ ہو گیا تو آگ نکالی گئی اور آپ تنور کے اندر تشریف لے جا کر اس میں بیٹھ گئے اور حکم خدا سے آگ کی حرارت ٹھنڈی ہو گئی اور آپ کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوا اس وقت سے مخلوق خدا آپ کو سرخ بخاری کہنے لگی اور سرخ آپ کے نام کا حصہ بن گیا''۔ (تاریخ سہروردیہ ص ۶۰)

ملتان میں شیخ بہاء الدین زکریا کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور خرقہ خلافت عطا ہوا

اور مرشد نے سید جلال بخاری کو اوچ جانے کی اجازت دی، آپ خطہ اوچ تشریف لے گئے اور مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ اوچ ایک قدیمی تاریخی شہر ہے جہاں سکندر اعظم کے قدم پہنچے ہیں اوچ کے دو بڑے حصے ہیں ایک ''گیلانیہ'' کہلاتا ہے جہاں قادریہ سلسلے کے بزرگ رہتے ہیں، اور دوسرا ''بخاریاں'' کہلاتا ہے جو سہروردی مشائخ کا مرکز ہے۔ اس سرزمین کو سب سے پہلے جس سہروردی شیخ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا وہ آپ ہی تھے۔ پاکستان میں یہ شہر بہاول پور ضلع سے جنوب مغرب کی طرف اڑتیس میل کے فاصلے پر واقع ہے یہاں کے باشندے زیادہ تر ہندو تھے آپ کی سعی سے وہ اسلام کی طرف راغب ہوئے، علاقہ اوچ کی اقوام چدہر، سیال، اور وارم نے آپ کی ہدایت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا (مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۶۸) اور اس بزرگ کے پوتے شیخ جہانیاں جہاں گشت کے ہاتھوں جو قبائل مسلمان ہوئے ان قبائل کی تعداد آٹھ ہے اور ان میں راجپوتوں کا مشہور قبیلہ ''کھرل'' بھی شامل ہے۔

(عالم فقری، اولیاء اللہ ص ۱۱۸ لاہور ۱۹۸۷ء)

ہندوستان کے بخاری سیدوں کا سلسلہ آپ پر ختم ہوتا ہے آپ کی وفات ۹۵ برس کی عمر میں ۱۲۹۱ء میں ہوئی مزار اوچ میں مرجع خلائق ہے۔

۞۞۞۞۞

حضرت پیر صدر الدین سبزواری

علیہ الرحمۃ والرضوان

پیر صدر الدین خراسان سے ہندوستان آئے سبزوار میں ۷۰۰ ھ میں پیدائش ہوئی اور ایک سو اٹھارہ سال کی عمر میں ۱۳۱۸ء میں وفات پائی۔ آپ اکثر غیر مسلموں کے درمیان رہتے تھے بیشتر غیر مسلموں نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ کفار ومشرکین انھیں ''مچھرناتھ'' کہتے ہیں۔ سندھ کے بہت سے خوجے ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور انھوں نے ہی ان کا روضہ تعمیر کرایا۔ ان کے پانچ بیٹے تھے حسن کبیر الدین، ظہیر الدین،

غیاث الدین، رکن الدین، تاج الدین، موخر الذکر کا مزار سندھ میں حیدر آباد کے قریب تنڈھو باگھو سے آٹھ کے میل کے فاصلے پر ہے اور سندھی خوجے ان کے بڑے معتقد ہیں لیکن پانچ بھائیوں میں سب سے زیادہ شہرت کبیر الدین حسن (وفات ۱۴۹۰ء) کو حاصل ہوئی۔ امام وقت نے ان کے والد کی طرح انھیں بھی پیر کا خطاب دے رکھا تھا اور ہندوستان میں اپنا داعی اور وکیل مقرر کیا تھا ان کی نسبت ریاست بھاولپور گزٹیر میں لکھا ہے کہ انھوں نے بے شمار کفار و مشرکین کو مسلمان کیا اور ان کی نسبت مشہور ہے کہ جس کافر پر ان کی نظر پڑ جاتی وہ مسلمان ہونے کے لئے بے قرار ہو جاتا۔ انھیں ''حسن دریا'' بھی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ

> ''ایک مرتبہ سندھ کے ہندوؤں کا ایک قافلہ گنگا کی یاترا کے لئے سندھ سے روانہ ہوا جب یہ لوگ اوچہ شریف پہنچے تو سید کبیر الدین نے ان سے کہا کہ تم اتنی دور کیوں جاتے ہو میں تمھیں گنگا اور جمنا کے درشن یہیں کرا دیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ وہ بولے کہ اچھا سید کبیر الدین نے کہا تم گنگا اور جمنا کی علامتیں نامزد کر لو اور پھر آزماؤ کہ یہ علامتیں یہاں نظر آ جاتی ہیں کہ نہیں چنانچہ یہ علامتیں نامزد ہوئیں اور پیر صاحب سے کہا گیا کہ اپنی کرامات دکھائیں دوسرے روز صبح کے وقت یاتریوں نے دیکھا کہ جمنا اور گنگا دونوں ان کے قریب بہ رہی تھیں اور ان میں سب طے شدہ علامتیں موجود تھیں چنانچہ یاتریوں نے اسلام قبول کیا اور پیر کبیر الدین حسن کا نام ''حسن دریا'' مشہور ہوا۔ (آب کوثر ص ۳۴۸)

۞۞۞۞۞

حضرت شیخ سید بندہ نواز گیسو دراز گلبرگہ
عليه الرحمة والرضوان

آپ نے اشاعت اسلام کے لئے دکن کا رخ کیا اور گلبرگہ میں قیام پذیر ہوئے

لوگوں کو مقامی زبان میں اسلام کی تلقین کیا کرتے تھے اسی مقصد کے پیش نظر انہوں نے ''معراج العاشقین'' کے نام سے اردو زبان میں ایک کتاب لکھی جسے اردو زبان کی اولین نثری تصنیف کہا جاسکتا ہے۔ ان کے بارے میں ملتا ہے کہ انہوں نے پونا اور بلگام کے علاقہ میں اسلام کی اشاعت کی اور وہاں کے بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، (دعوت اسلام ص ۲۶۹) ان کے علاوہ اور بھی کئی داعیان اسلام گذرے ہیں جن کے نام اولیاء کے تذکروں میں نہیں آئے لیکن انھوں نے اشاعت اسلام کے لئے ٹھوس کام کیا ان میں سے ممبئی کے مغربی ساحل پر علاقہ کوکن میں شیخ بابا عجب نے مدتوں اشاعت اسلام کا فریضہ انجام دیا آپ کا مزار ضلع تھانہ کے پُر فضا مقام قصبہ دھانو میں ہے ضلع دھارواڑ کے کئی جولا ہے ایسے ہیں جن کے بزرگوں نے سید ہاشم گجراتی کے زیر اثر اسلام قبول کیا۔ ضلع ناسک میں شاہ محمد صادق سرمست حسینی اور خواجہ خمنیر حسینی کامیاب داعیان اسلام تھے۔ بلگام میں دو داعیان اسلام سید محمد بن سید محمد علی اور سید عمر عیدروس کا نام اب تک ادب سے لیا جاتا ہے ضلع ستارا کے جنوبی حصہ میں اسلام پور مسلمانوں کا ایک بارونق قصبہ ہے، یہاں کے لوگوں کو ایک نومسلم پیر نے مسلمان کیا جن کا ہندوانہ نام ''شمبو اپا کوشی'' تھا اور جن کی درگاہ آج بڑی مقدس سمجھی جاتی ہے۔ (آب کوثر ص ۳۷۳)

❁❁❁❁❁

حضرت شیخ لال شہباز قلندر
علیه الرحمة والرضوان

آپ کا اصل نام عثمان مروندی تھا شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید وخلیفہ تھے، لال لباس پہننے کی وجہ سے آپ کے مرشد نے آپ لال شہباز قلندر کا خطاب دیا تھا، سیہون شہر میں آپ کی وفات ہوئی جب آپ شہر سیہون پہنچے تو اس وقت وہاں کا ہندو معاشرہ تھا۔ اس علاقے کے لوگ غلط کاموں میں محو تھے، آپ کی تبلیغ سے لوگ گناہوں سے تائب ہوئے ہندو آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے آپ نے اس علاقے کو تبلیغ سے منور کیا ان کے مرید

بلوچستان میں ''پیر لاکھا'' کے نام سے مشہور تھے علاقہ ''لارالائی جھل مگسی'' میں پیر لاکھا رہتے تھے انہیں شیخ لال شہباز قلندر نے مسلمان کیا تھا۔

(انعام الحق کوثر، تذکرہ صوفیائے بلوچستان ص ۲۲۵ لاہور ۱۹۸۶ء

''تحفۃ الکرام'' میں لکھا ہے کہ حضرت بوعلی شاہ قلندر کی خدمت میں پہنچے لیکن انھوں نے کہا کہ ہندوستان میں تین سو قلندر ہیں، بہتر ہے کہ آپ سندھ ہی میں تشریف لے جائیں چنانچہ شیخ سندھ میں آ کر سیوستان میں مقیم ہوئے اور یہاں آپ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی آپ کو مرشد نے شہباز کا خطاب دیا تھا چوں کہ آپ اکثر سرخ لباس پہنتے تھے اس لئے آپ کو لال شہباز کہتے ہیں آپ اہل علم اور شروع میں شرع کے پابند تھے لیکن قلندری مشرب اختیار کرنے کے بعد بالکل آزاد ہو گئے اور جذب و سکر کی حالت میں رہنے لگے آپ کے طریقہ کے قلندروں کو ''لال شہبازیہ'' کہتے ہیں۔آپ کی وفات ۱۳۲۴ء میں ہوئی۔

❁❁❁❁❁

حضرت عبدالرحمان بلبل شاہ کشمیر
علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ سلسلۂ سہروردیہ کے شیخ تھے جب وہ کشمیر تشریف لائے تو اس وقت وہاں بدھ مت کا پیروکار عالم راجہ رنچن دیو صاحب اقتدار تھا اور اپنے اعتقادات سے مطمئن نہ تھا۔لوگوں کے نظریات دریافت کرتا رہتا تھا اور دین اسلام پر غور و فکر کرتا رہتا تھا، یہ زمانہ ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء کا تھا۔راجہ نے غور و فکر کے باعث نیند نہ آنے کی وجہ سے فیصلہ کیا کہ صبح جو بزرگ نظر آئے اس کا دین قبول کر لیا جائے گا، مفتی غلام سرور لاہوری نے لکھا ہے کہ صبح کے وقت جس بزرگ پر پہلی بار اس کی نظر پڑی وہ حضرت بلبل شاہ تھے، ان کے ہاتھ پر راجہ نے اسلام قبول کیا اور اہل خانہ امرا و وزرا تقریباً دس ہزار کشمیری اس بزرگ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے، اس راجہ کا نام آپ نے صدر الدین رکھا یہ کشمیر کا پہلا مسلمان حکمراں تھا، اس سلطان نے ایک خانقاہ اور سری نگر میں مسجد تعمیر کرائی۔(ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر، سید میر علی ہمدانی ص ۱۲۵ کشمیر ۱۹۹۱ء)

حضرت بوعلی شاہ قلندر پانی پتی
علیہ الرحمۃ والرضوان

حضرت شیخ قطب جمال ہانسوی کے خالہ زاد بھائی اور شیخ نظام الدین اولیاء کے ہمعصر تھے۔ پانی پت میں پیدا ہوئے ،آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ جذب واستغراق کی حالت میں گذرا، آپ چالیس سال کی عمر میں دہلی پہنچے۔علمائے زمانہ سے مباحثہ ہوالیکن سب آپ کی بزرگی کے قائل ہوگئے اور کوشش کر کے آپ کو دہلی کے درس اور فتویٰ نگاری کا عہدہ سپرد کردیا۔بیس سال تک آپ نے یہ شغل جاری رکھا پھر جذبہ نے جوش کیا اور یہ سب کچھ ترک کر کے سیر وسیاحت کو نکل کھڑے ہوئے اور قلندرانہ وضع اختیار کرلی۔اثنائے سفر میں شمس الدین تبریزی اور مولانا روم سے ملاقاتیں رہیں ان سے بھی اکتساب فیض اور جبہ ودستار حاصل کیا۔ان کے ہاتھ پر اکثر راجپوت مسلمان ہوئے ،ایک شخص امیر سنگھ نامی نے بوعلی شاہ قلندر کی توجہ سے اسلام قبول کیا جس کی اولاد پانی پت کے محلّہ راجپوتان میں رہتی تھی آرنلڈ کے حوالے سے شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ

> ''پانی پت کے علاقے میں جو مسلمان راجپوت ہیں وہ حضرت بوعلی شاہ قلندر ہی کی بدولت مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں اور ان کا مورث اعلیٰ امیر سنگھ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا''۔(آب کوثر ص۲۵۱)

پانی پت کے علاقے میں اسلام کی اشاعت ان کی ذات ستودہ صفات سے ہوئی، اس علاقہ کے راجپوتوں کے جداعلیٰ امر سنگھ راجپوت نے بوعلی شاہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔(دعوت اسلام ص۲۸۰)

حضرت برہان الدین غریب ہانسوی

علیه الرحمة والرضوان

آپ حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ تھے۔انھوں نے ہی آپ کو اپنی دستار خاص ، پیرہن اور مصلےٰ اور شال دے کر اشاعت اسلام کی غرض سے دکن کی طرف رخصت کیا،اس سے قبل آپ کے بھائی شیخ منتخب الدین زرزری بخش چشتی قدس سرہ دکن تشریف لا چکے تھے اور ان کا وصال ہو چکا تھا ان دونوں بھائیوں کے مزارات خلد آباد کی مشہور زیارت گاہ میں ہیں جہاں سے عقیدت مند روحانی فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔

شیخ برہان الدین کو دکن میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی برہان پور کا مشہور شہر ایک عقیدت مند بادشاہ نے ان ہی کے نام کی مناسبت سے آباد کیا تھا آپ کی وفات ۱۳۳۷ء میں ہوئی۔ ’’سفینۃ الاولیاء‘‘ میں آپ کی تبلیغی کاوشوں کے تعلق سے لکھا ہے کہ

> ’’از مریدان سلطان المشائخ اند وحضرت شیخ ایشاں را بہ طرف برہان پور دولت آباد بجہت رواج اسلام وارشاد ساکنان آن حدود فرستاند وشیخ حسن دہلی را بابعضے از مریدان خود باایشاں ہمراہ کردند واز برکت قدوم ایشاں اکثر ازاں جماعہ بشرف اسلام مشرف گشتہ ومرید ومعتقد گشتند‘‘
>
> (سلطان المشائخ کے مریدوں میں سے ہیں حضرت سلطان المشائخ نے آپ کو برہان پور اور دولت آباد کی طرف اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے حکماً بھیجا تھا کہ اس حدود واطراف کے باشندوں کی اصلاح فرمائیں، شیخ حسن دہلوی چند مریدین کے ہمراہ آپ کے ساتھ کردیا آپ کی تبلیغی مساعی سے اس طرف کے سیکڑوں آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے اور آپ کے ہاتھ

پر بیعت کی)۔ (سفینۃ الاولیاء ص ۱۳۷)

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے کامل خلفا اور اولین مریدوں میں، اتنے مودب تھے کہ تمام عمر غیاث پور کی طرف پشت نہ کی، بڑے صاحب ذوق وسماع تھے ان کا لقب غریب ہونے کا سبب یہ ہے کہ جب ہانسی سے دہلی آئے تو اپنی زندگی غریبانہ (پردیسی کی طرح) بسر کرتے تھے، ایک دن اقبال خادم نے سلطان المشائخ سے فرمایا کہ مولانا برہان الدین غریب آئے ہیں تو شیخ نے فرمایا ساری مخلوق ان سے آشنا ہوگئی وہ ابھی تک غریب ہیں۔ (غلام علی آزاد بلگرامی، روضۃ الاولیاء ص ۱۸ رام پور ۱۹۹۶ء) دیوگری (دولت آباد) (دکن) میں مامور بہ تبلیغ ہوئے دور دور تک کرامت کا شہرہ تھا، بہت سے مسلمان کئے اور اولیاء بنائے۔

۞۞۞۞۞

حضرت شیخ جلال الدین سلہٹی
علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ شیخ سید جلال الدین بخاری کے نواسے اور سید احمد کبیر سہروردی کے بھانجے تھے، ابھی تین ماہ کے تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا اور ان کے والد ماجد ایک جنگ میں داد شجاعت حاصل کرتے ہوئے پہلے ہی جام شہادت نوش فرما چکے تھے۔ والدہ کی وفات کے بعد آپ کی تربیت آپ کے نانا سید جلال الدین سرخ بخاری نے کی اور ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے سید احمد کبیر سہروردی کی زیر نگرانی تعلیم وتربیت اور عبادت وریاضت میں مصروف رہے، انھی سے بیعت وخلافت حاصل کی اور انھی کی خانقاہ میں تین سال عبادت فرمائی۔ مرشد نے آپ کو ایک تلوار دی اور سات سو درویشوں کے ساتھ بنگال جانے کا حکم دیا اور ساتھ میں یہ بھی ہدایت فرمائی کہ تلوار بلاضرورت استعمال نہ کرنا، آپ نے سلہٹ بنگال میں بہترین نظم ونسق قائم کیا۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے لکھا ہے کہ سید جلال سلہٹی نے بنگال وسلہٹ میں دین اسلام کی شمع روشن کی اور ان کی کوششوں

سے دور دراز کفرستان میں شجر اسلام بار آور ہوا۔

(محمد ایوب قادری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص ۶۰)

آپ سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ تھے جنہوں نے آسامیوں اور بنگالیوں کی تربیت کی جس کے سبب لوگ صدق دل سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور آپ نے چند مقام پر سلہٹ، لاتوہاپنیہ، ٹیلہ اور ہمنگ پر اپنے ساتھیوں کو آباد کر کے اسلام کی اشاعت کے لئے اسلام کے متعدد روحانی مراکز قائم کئے۔ بنگلہ دیش میں ۱۹۷۱ء نئے ملک کے نام سے وجود میں آیا اس میں سب سے بلند گنبد کی عمارت میں آپ ہی کا مقبرہ ہے۔

(نور محمد خاں فریدی، تاریخ ملتان جلد اول ص ۱۵۲ ملتان ۱۹۷۲ء)

❁❁❁❁❁

حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی
علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ بہت امیر دولت مند تھے، آپ کے والد ماجد خواجہ محمود کی دولت کا بھی کوئی ٹھکانہ نہ تھا، علم و فضل میں ممتاز تھے غریبوں اور ضرورت مندوں کی بہت مدد کرتے تھے ابھی عہد شباب میں قدم بھی نہ رکھا تھا کہ استغراقی کیفیت پیدا ہونی شروع ہوگئی تھی، جنگلوں میں نکل جاتے اور وہاں عبادت میں مصروف ہو جاتے، ایک قلندر کی صحبت نے آپ کے دل کو مجلیٰ کر دیا، حضرت شمس الدین ترک کے دست اقدس پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور مرشد گرامی کی خدمت وتوجہ سے کچھ ہی عرصہ بعد خرقہ خلافت بھی عطا ہوا اور مرتبۂ کمال کو پہنچ گئے آپ پر ہمہ وقت استغراق و جذب طاری رہتا آخر میں یہ حالت ہوگئی تھی کہ نماز کے وقت خدام شانے پکڑ پکڑ کر لاتے اور حق حق کرتے جب کہیں جا کر آنکھیں کھلتیں، چالیس برس تک سیاحی کرتے رہے شہر میں دل گھبراتا تو جنگل چلے جاتے اور دس دس روز تک وہیں گھومتے رہتے غیب سے کھانا آتا آپ اسے کھاتے رہتے، آپ کے چالیس خلفا کامل تھے، آپ کے

خلیفہ اول واکمل حضرت شیخ عبدالحق ردولوی قدس سرہ ہیں۔صاحب ''محفل اولیاء'' لکھتے ہیں۔

''ہزارہا مخلوق کو آپ سے فیض پہنچا اسلام اور مقصد اسلام کو بہت تقویت ہوئی، بکثرت ہندوؤں نے آپ کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا، آپ سیاحت کرتے ہوئے ایک پہاڑ پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک سادھو وہیں آنکھیں بند کئے ہوئے پہاڑ پر بے حس وحرکت بیٹھا ہے، آپ نے قریب پہنچ کر اس کے قلب کو حرکت دی اس نے آنکھیں کھول دیں اور آپ کو پارس کا ایک ٹکڑا خوش ہو کر عطا کیا جسے آپ نے مسکرا کر پانی میں پھینک دیا اسے ناگوار گذرا بولا تو نے اس گراں بہا شئی کی قدر نہ کی میں نہیں جانتا میرا پتھر مجھے دے ورنہ میں تجھے یہاں سے ایک قدم بھی نہ اٹھانے دوں گا آخر آپ برابر کے چشمے میں اتر گئے اور کہا لے پتھر اٹھالے کیا دیکھتا ہے وہاں اس قسم کے صدہا پتھر پڑے ہیں فرمایا بے ادب! بندگان خدا جس پتھر پر نظر کرتے ہیں پارس بن جاتا ہے سادھو یہ کرامت دیکھ کر مسلمان ہوگیا اور پھر اس نواح میں اس کے جتنے چیلے تھے وہ بھی سب مسلمان ہوگئے یہ سادھو کامل ولی ہوگیا''۔(محفل اولیاء ص ۴۲۰)

صاحب ''سیر الاقطاب'' نے بھی اس واقعہ کچھ لفظوں کے تغیر وتبدل سے اپنی مستند کتاب ''سیر الاقطاب'' میں درج کیا ہے جس کے حوالہ سے مفتی غلام سرور لاہوری نے ''خزینۃ الاصفیا'' جلد دوم میں ص ۲۳۶ پر نقل کیا ہے۔

۞۞۞۞۞

حضرت شیخ مخدوم جہانیاں جہاں گشت

علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ باقاعدہ لوگوں کی تعلیم وتربیت فرماتے تھے آپ کی خدمت میں اکثر ہندو حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوتے تھے آپ فارسی، سندھی اور ہندی میں گفتگو فرماتے، یہ چیز

مقامی آبادی سے ربط وضبط قائم کرنے اور ان میں تبلیغ کرنے کے لئے بہت ضروری تھی۔ سندھ و گجرات میں حضرت مخدوم کے ذریعہ اسلام کی خوب تبلیغ ہوئی اور غیر مسلموں کی بڑی تعداد اسلام سے مشرف ہوئی۔ علاقہ سنبل ترانیر کی ایک عورت اور اس کا شوہر اور اس کے گھر کے دیگر افراد کو مسلمان فرمایا ان کی باقاعدہ تربیت کی اور ان کو ضروری تعلیم دی اور سہارن اور سادھو دونوں بھائیوں کو مسلمان کر کے حکومت دلائی مذکورہ افراد سے دین اسلام کی گجرات کاٹھیاوار اور مالابار کے علاقوں میں خدمات لیں۔

(محمد ایوب قادری، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص۱۶۳،۱۶۴ کراچی ۱۹۷۵ء)

''الدر المنظوم'' جو آپ کی ملفوظات ہے اس میں حضرت مخدوم کے ہاتھ پر متعدد غیر مسلموں کے مسلمان ہونے کا ذکر ہے ایک جگہ گجرات کے ایک راجپوت (مولی الاسلام) کا ذکر ہے جو حضرت کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اور جسے آپ نے تعلیم دے کر گجرات اس لئے بھیجا کہ ''اپنے گھر والوں اور قوم کو مسلمان کرے''۔

آرنلڈ بھی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے گجرات میں اشاعت اسلام کا کام کیا حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ عالم جن کے مزارات احمد آباد گجرات میں مرجع خاص وعام ہیں، آپ کے پوتے اور پڑپوتے تھے۔

(آب کوثر ص۲۸۳)

آپ کی روحانی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب قطب بنگال شیخ علاء الحق والدین پنڈوہ شریف کے وصال کا وقت قریب ہوا تو آپ نے فرمایا تھا کہ میری نماز جنازہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت پڑھائیں گے اور کوئی دوسرا نہیں پڑھائے گا، مخدوم ان دنوں اوچ پنجاب میں تھے اس بات سے آپ کے تمام مریدین حیران تھے۔ مگر جب آپ کا وصال ہوا تو مخدوم جہانیاں جہاں گشت کو لوگوں نے وہاں موجود پایا اور انھوں نے ہی جنازہ کی نماز پڑھائی۔ (مرزا احمد اختر، تذکرہ اولیائے ہند جلد۳ ص۱۵۰)

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت تبلیغ اسلام میں بڑے کوشاں رہتے تھے، حضرت مخدوم خدمت میں اکثر ہندو حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، آپ مقامی

زبانوں سندھی و ہندی میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔اور یہ چیز مقامی آبادی سے ربط وضبط قائم کرنے اور ان میں تبلیغ کے لیے بہت ضروری تھی ،اوچ ،سندگ اور گجرات میں حضرت مخدوم کے ذریعہ اسلام کی خوب تبلیغ واشاعت ہوئی اور غیر مسلموں کی بڑی تعداد اسلام سے مشرف ہوئی مشہور آرٹی ڈبلیو آرنلڈ لکھتا ہے۔

''چودہویں صدی عیسوی کے آخر میں ایک اور داعی اسلام جنھوں نے صوبہ گجرات میں تبلیغ کے لیے کوشش کی تھی جلال تھے ، جو ''مخدوم جہانیاں'' کے نام سے زیادہ تر مشہور ہیں ، یہ بزرگ گجرات میں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے،اور بہت ہندوؤں کو انھوں نے اور ان کی اولاد نے مسلمان کیا''۔

شیخ محمد اکرام نے اپنی کتاب'' آب کوثر'' میں مغربی پنجاب اور سندھ میں اشاعت اسلام اور صوفیائے کرام کی تبلیغی کوششوں کا جائزہ لیا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

''مغربی پنجاب کے جن قبیلوں نے آپ (حضرت مخدوم جہانیاں) کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا بہاول پور کے سرکاری گزٹیئر میں ان کی فہرست درج ہے ، ان قبیلوں کی تعداد آٹھ تک پہنچتی ہے اور ان میں کھرل راجپوتوں کا مشہور بڑا قبیلہ بھی شامل ہے ۔آپ کا فیض ہندوستان کے سب علاقوں میں پھیلا ہوا تھا''۔

شیخ محمد اکرام صاحب میکلیکن مرتب گزٹیئر ملتان کی رائے نقل فرماتے ہیں کہ راجپوتوں میں سیال ایک مشہور قبیلہ ہے اس قبیلے کے لوگ ملتان منٹگمری، جھنگ، (سیالاں) میں کثرت سے آباد تھے یہ قبیلہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔نون (راجپوت)مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے۔

یہی انگریز مورخ کھرل راجپوتوں کی نسبت لکھتا ہے کہ ان کا مورث اعلیٰ راجہ کرن ہستنا پور کا راجہ تھا اس کے ایک جانشین بھوپا نے ہستنا پور چھوڑ کر اوچ میں سکونت اختیار کی اور یہاں بھوپا اور اس کے بیٹے کھرل نے حضرت مخدوم جہانیاں کے ہاتھ پر اسلام قبول

کیا اوچہ سے یہ قبیلہ بڑھتے بڑھتے دریائے راوی کے دونوں طرف پھیل گیا۔

حضرت مخدوم کسی شخص کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کی ٹھیک طرح سے تربیت فرماتے تا کہ وہ اسلام کے اصولوں کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکے۔ عبداللہ گجراتی کے متعلق بیان ہے کہ وہ شخص زنار دار تھا حضرت مخدوم کے دست حق پرست پر مسلمان ہوا تھا۔ پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اجازت لے کر اپنے گھر والوں اور قوم کو مسلمان کرنے گیا اور اس میں اس کو کامیابی نصیب ہوئی۔ یہ شیخ عبداللہ اوچ میں ہی سکونت پذیر ہو گئے بعد میں اسی خاندان کے لوگ خانقاہ کے مجاور مقرر ہوئے۔

شیخ عبداللہ کی طرح حضرت مخدوم نے ایک اور شخص کو مسلمان کر کے عبدالسلام نام رکھا اور اس کے حق میں دعا فرمائی کہ مثل عبداللہ کے ہو، اس طرح ایک اور شخص کو حضرت مخدوم نے اسلام سے مشرف کیا غسل کرایا اور اس کا نیا لباس مرحمت فرما کر اپنے ایک دوست کے سپرد کر دیا کہ اس کو قرآنی آیات سکھائے۔ حضرت مخدوم نے سلطان فیروز شاہ تغلق سے سنبل ترا یر کی ایک عورت کے بارے میں ذکر کیا کہ وہ پہلے ہندو تھی حضرت کے دست حق پرست پر مسلمان اور مرید ہوئی اس کی برکت سے اس کا شوہر اور اس کے دوسرے متبعین بھی مسلمان ہو گئے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں۔

> ''حضرت مخدوم کے تبلیغ اسلام کے متعلق ہمیں دو روایتیں ملتی ہیں پہلی روایت یہ ہے کہ ہندوؤں کے مشہور تیرتھ ہری دوار اتر پردیش کے پاس ایک قصبہ جوالا پور ہے۔ وہاں راجپوتوں کا مقتدر قدیم خاندان آباد ہے جس کا خاندانی لقب ''راؤ'' ہے۔ اس خاندان کے ایک ذی علم بزرگ راؤ محمد صدیق کے بیان کے مطابق یہ خاندانی روایت ہے کہ یہ راجپوتوں کا خاندان حضرت مخدوم جہاں جہانیاں جہاں گشت کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا تھا اسی طرح ہمارے ایک دوست چودھری بشیر احمد خاں والد چودھری فیض محمد خاں ساکن سابق موضوع تلونڈی رائے ضلع لدھیانہ ساکن حال موضوع نور پور چک نمبر ۱۳۲/ر ج ب ضلع لائل پور کا بیان ہے

کہ ان کے آبا و اجداد منج راجپوت اور علاقہ جیسلمیر کے قدیم باشندے تھے اس خاندان کے ایک شخص رائے تلسی داس نے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور شیخ چاچو نام مقرر ہوا، شاہان اسلام کے زمانے میں یہ خاندان ریاستی شان وشوکت کے ساتھ مشرقی پنجاب کے ایک علاقہ پر قابض رہا، سکھوں کے زمانے میں روبزوال ہوا اور تقسیم ملک ۱۹۴۷ء کے بعد تو شیرازہ ہی منتشر ہو گیا اور اب اس خاندان کے بعض افراد چیچاوطنی (ضلع منٹگمری) اور نور پور (ضلع لائل پور) میں سکونت پذیر ہیں''۔ (مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص۱۶۳)

علاقہ گجرات میں بھی حضرت مخدوم جہاں جہانیاں جہاں گشت کی ذات اقدس سے اسلام کی خوب نشر واشاعت ہوئی، سلاطین گجرات کے مورثین اعلیٰ سہارن وسادھو دو بھائی تھے تھانیسر کے رہنے والے تھے اور قوم کے نائک تھے سلطان فیروز شاہ تغلق ان کی خدمات سے بہت خوش ہوا اور ان دونوں بھائیوں پر شاہی عنایات روز بروز ہونے لگیں یہاں تک کہ دولت دنیاوی کے ساتھ ساتھ دولت ایمانی سے بھی مالا مال ہو گئے۔ صاحب ''مرأۃ سکندری'' کا بیان ہے۔

''ہر دو برادر بشرف اسلام مشرف گشتند سلطان سہارن را بخطاب وجیہ الملک مخاطب ساخت وبعد ازاں باجازت سلطان در سلک مریدان قطب الاقطاب حضرت مخدوم جہانیاں منسلک شدند وسعادت مندیٔ دارین منسوب گشتند''۔ (مراۃ سکندری ص۷)

(دونوں بھائی شرف اسلام سے مشرف ہوئے سلطان نے سہارن کو وجیہ الملک کے خطاب سے مخاطب فرمایا اور اس کے بعد وہ سلطان کی اجازت سے قطب الاقطاب حضرت مخدوم جہانیاں کے مریدین میں شامل ہوئے)

حضرت میر سید علی ہمدانی کشمیر

علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ کی ولادت ۱۲ر رجب ۷۱۴ھ مطابق ۲۱ ر اکتوبر ۱۳۱۴ء کو ہمدان ایران میں ہوئی، مدتوں اسلامی ممالک کی سیاحت کی دوران سیاحت آپ نے چار سو اولیاء اللہ سے ملاقاتیں کیں۔ آپ کا تعلق سلسلۂ کبرویہ سے ہے جو سلسلہ سہروردیہ کی ایک شاخ ہے ۱۳۶۹ء میں آپ ایران چھوڑ کر سات سو سادات کے ہمراہ کشمیر تشریف لائے بادشاہ وقت آپ سے بڑی عقیدت سے پیش آیا۔ یہاں آنے کے بعد آپ اور آپ کے رفقاء نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اسلام کی اشاعت کا فریضہ انجام دیا آپ کی کوششوں سے ۳۷ ہزار کشمیری دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ شمالی ہندوستان میں امیر سید علی ہمدانی کا اثر ونفوذ مسلّم ہے آپ ہی کی تبلیغی کاوشوں سے اہل کشمیر نے اسلام قبول کیا۔

(سید میر علی ہمدانی ص۸۸)

کشمیر میں دین اسلام برصغیر و پاک کے تمام خطوں کی بہ نسبت دیر سے پہنچا، یہاں پر مسلمان شام کا ایک باشندہ صمیم بن شمس ۷۱۳ھ میں راجہ اوپر گاندھر کے زمانہ میں آیا تھا۔ کشمیر آنے والے تمام بزرگوں میں سید علی ہمدانی کامیاب ترین مبلغ ہیں جنہوں نے کشمیر میں حق وصداقت کا نعرہ بلند کیا اور معرفت الٰہی کی تجلیوں سے کشمیریوں کے دلوں کو جلا بخشی اور نور اسلام سے اہل کشمیر میں ایمان کا ایک ولولہ انگیز ذوق وشوق پیدا کیا جس کے سبب خطہ کشمیر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صداؤں سے گونج اٹھا۔ للّہ ددی جو بابا طاہر کی طرح عریاں رہا کرتی تھیں انہوں نے شاہ ہمدان کے ہاتھوں اسلام قبول کیا اور باشرع خاتون

بن گئیں۔شاہ ہمدان کی تعلیمات کے مراکز کشمیر کے علاوہ ہمدان، ختلان، اور ماوراء النھر میں بھی تھے۔جہاں انھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزارا ایک روایت کے مطابق آپ نے فرنگستان کے کسی ایک ملک کو اسلام سے آشنا کیا اور وہاں کے ساکنین کو مسلمان بنایا۔
(سیدہ ظفر، سید میر علی ہمدانی ص ۱۳۰ سری نگر ۱۹۹۱ء)

آپ نے مجمع الاحادیث، شرح اسمائے حسنیٰ، شرح فصوص الحکم، مراۃ التائبین، ذخیرۃ الملوك جیسی کئی اہم کتابیں لکھیں۔آپ کے پاس ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جس کے نگراں آپ کے خلیفہ محمد کاظم المشہور بہ سید قاضی تھے، انھوں نے علاقہ لتا پور میں اسلام کی اشاعت کی اور وہاں کے باشندوں کو مسلمان کیا۔آپ کی وفات ۱۳۸۴ء میں ہوئی۔

۞۞۞۞۞

حضرت سیدنا مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی
علیه الرحمة والرضوان

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی جون پور سے ہوتے ہوئے جب بھدونڈ تشریف لائے تو وہاں کے امیر الامراء محمود نے آپ کا پُر تپاک خیر مقدم کیا۔حضرت مخدوم نے ان پر بہت شفقت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میرے پیر و مرشد نے مجھے اس جگہ قیام کرنے کا حکم دیا ہے،تمہارے نزدیک یہاں کون سی جگہ ہمارے قیام کے لئے مناسب ہوگی؟ ملک محمود نے عرض کیا کہ حضور یہاں ایک جوگی بڑی اچھی جگہ اور پُر فضا مقام پر رہتا ہے لیکن بڑا جادوگر ہے اسے سفلی قوتوں پر بڑا ناز ہے، وہ کسی روحانی طاقت سے ہی زیر ہوسکتا ہے، اگر خادم بارگاہ اس کو نکال دیں تو نفیس جگہ ہاتھ لگ جائے گی، آپ نے آیت کریمہ قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً (بنی اسرائیل ۸۱) (بیشک حق آیا اور باطل چلا گیا بیشک باطل کو مٹنا ہی تھا) کی تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہی ہمارے لئے کافی ہے۔بہر حال اس جگہ کو دیکھ لینا بھی چاہئے کچھ ہمراہیوں اور ملک محمود کو لے کر اس مقام پر

تشریف لے گئے دیکھتے ہی فرمایا کہ بس یہی جگہ تھی جس کو حضرت شیخ نے دکھایا تھا یہاں سے ان چند بے دینوں کو نکال دینا میرے لئے بہت آسان ہے۔حضرت مخدوم نے ایک خادم سے فرمایا کہ جوگی سے کہہ دو کہ بس بوریا بستر سنبھالے اور کہیں نکل بھاگے،خادم نے جا کر یہی کہہ دیا تو جوگی نے مغرورانہ لہجے میں کہا کہ ہمارا نکلنا کوئی مذاق نہیں ہے،ہم ان کی روحانی طاقت آزمانے کے بعد ہی یہ جگہ چھوڑیں گے کوئی قوت ولایت سے نکالے تو نکالے ورنہ ہمارا نکالنا کوئی آسان کام نہیں۔

جمال الدین راوت اسی دن حضرت مخدوم کے ہاتھ پر مرید ہوئے آپ نے ان سے فرمایا کہ جاؤ جو بات جوگی دیکھنا چاہتا ہے اسے دکھادو جمال الدین جوگی سے بچپن سے ہی ڈرے ہوئے تھے،ہمت نہ پڑی،آپ نے قریب بلایا پان کی گلوری چبا کر جمال الدین کے منھ میں رکھ دیا پھر کیا تھا جمال الدین اشرفی کچھوچھہ مقدسہ کے شیر بن گئے اور بہادروں کی طرح جوگی کے پاس چلے گئے اور نکلنے کو کہا،باہم خوب باتیں ہوئیں،آخر سب جوگی کہنے لگے کہ پہلے کچھ کرامت دکھاؤ تو ایسی باتیں منھ سے نکالو جمال الدین نے کہا ہمارا کام کرامت دکھانا نہیں ہے لیکن اب تم کہتے ہو تو مجبوری ہے اچھا بولو کیا دیکھنا چاہتے ہو کہتے ہیں کہ جوگیوں کو طیش آ گیا جادو کے کچھ منتر پڑھے اور جمال الدین کی طرف پھونکا ہر سمت سے کالی چیونٹیاں نکل پڑیں زمین کالی ہوگئی اور ساری چیونٹیاں جمال الدین کی طرف بڑھیں جمال الدین نے حضرت مخدوم کی طرف توجہ کی اور چیونٹی کی فوج پر غضب کی نگاہ ڈالی تو کسی کا نام ونشان بھی میدان میں نہ رہ گیا۔اس کے بعد جادوگروں نے غضبناک شیروں کی فوج بنا کر بھیجی،جمال الدین نے فرمایا کہ بھلا مصنوعی شیر کیا شیران حق کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔آپ نے شیروں پر ایک پُر جلال نظر ڈالی سارے شیروں نے میدان چھوڑ دیا آخر جوگی خود مقابلے میں آیا اور اپنا سونٹا ہوا میں اڑا دیا،حضرت جمال الدین نے حضرت مخدوم کا عصا شریف کو اوپر ہوا میں چھوڑ دیا،عصائے مخدومی نے جوگی کے سونٹے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین پر گرا دیا جب جوگی کے طلسماتی حربے ناکام ثابت ہوئے تو اس نے حضرت مخدوم کی روحانیت کا اعتراف کرلیا اور کہا کہ مجھے حضرت مخدوم کی بارگاہ میں لے چلو

میں ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوں گا۔ جوگی نے آکر حضرت مخدوم کے قدموں پر سر رکھ دیا اور مشرف بہ اسلام ہوا، حضرت مخدوم نے اس کا نام عبداللہ رکھا اسی وقت اس کے تمام چیلے مسلمان ہو گئے سب لوگ اپنی مذہبی کتاب حضرت مخدوم کے سامنے لائے اور آگ میں جلا کر پھونک دیا حضرت مخدوم نے ان سے بڑی ریاضت کرائی اور تالاب کے کنارے ان کی نشست کے لئے ایک جگہ مقرر فرمادی۔ کہتے ہیں کہ جوگی کے اسلام لانے پر اس دن کوئی پانچ ہزار اشخاص مسلمان ہوئے۔ جوگی کے مسلمان ہونے کے بعد حضرت مخدوم نے اپنا سارا سامان اسی مقام پر منگوالیا جو پہلے جوگیوں کی جگہ تھی اور ہمراہیوں کے لئے علاحدہ علاحدہ قیام گاہ تجویز فرمایا سب نے اپنا اپنا حجرہ بنالیا اور خانقاہ اشرفی کی تعمیر تھوڑے دنوں میں ملک محمود نے کرادی۔ خاص حجرہ بنوایا اور ایک فرحت بخش باغ کی بنیاد رکھی جسے ''روح آباد'' کے نام سے موسوم کیا۔ (خزینۃ الاصفیاء (مترجم) جلد دوم ص ۲۵۷)

حضرت مخدوم کے سامنے اس طرح کے نہ جانے کتنے چیلنجز آئے جس کو آپ نے صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ سب کے منھ توڑ جواب بھی دیئے اسی طرح کا ایک واقعہ عبدالسلام نعمانی نے ''لطائف اشرفی'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ ان کی تحریر کا ماحصل یہ ہے۔

> '' ایک مرتبہ مخدوم اشرف سیر کرتے ہوئے ایک بت خانہ کی طرف گذرے وہاں دیکھا کہ ہندوانتہائی نیازمندانہ طور پر بتوں کی پرستش میں مشغول ہیں آپ وہاں کھڑے ہو گئے اور بہت دیر تک محو حیرت رہے پھر آپ نے یہ شعر پڑھا۔
>
> اگر نقش رخ زلفت نبودے در ہمہ اشیاء
> مغاں ہرگز نکردندے پرستش لات وعزیٰ را
>
> (خداوندا اگر تیرے رخ اور زلف کا نقش تمام چیزوں میں نہ ہوتا تو آتش پرست ہرگز لات وعزیٰ کی پرستش نہیں کرتے)

جب پجاریوں نے آپ کو قریب کھڑا ہوا دیکھا تو بھاگے دوڑے سب آپ کے پاس آئے اور بحث ومباحثہ شروع کردیا اور مذہب کی حقانیت کے ثبوت میں ترجیحی دلیلیں

پیش کرنے لگے، آپ نے اسلام کی حقانیت وصداقت پر دلائل کے انبار لگا دیئے مگر وہ ہٹ دھرم اپنی ضد سے باز نہ آئے تو آپ نے اتمام حجت کے طور پر فرمایا کہ اگر یہ بت جن کی تم پرستش ابھی کر کے آ رہے ہو اگر خود یہ تمہارے مذہب کی تکذیب کریں تو تم ایمان لے آؤ گے سب نے بیک زبان ہو کر کہا ''ہاں'' اس کے بعد آپ نے مندر کے ایک بت کو ہاتھ میں لے کر کہا کہ اے بت اگر محمد رسول اللہ کا دین برحق ہے تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ، بت نے بآواز بلند کلمہ پڑھا حاضرین نے سنا یہ منظر دیکھ کر برہمنوں کی ایک جماعت حلقہ بگوش اسلام ہو گئی''۔ (تاریخ آثار بنارس، عبد السلام نعمانی ص ۷۸ بنارس ۱۹۶۰ء)

جوگیوں سے مقابلہ کر کے ان کے دلوں میں اسلام کی عظمت ڈالنے کا ایک واقعہ مولانا بدر القادری ہالینڈ نے اپنی تصنیف میں بھی کیا ہے۔

> حضرت مخدوم اشرف سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار بنارس تشریف لے گئے تو انہیں بتایا گیا کہ یہاں فلاں مندر میں ایک بت ایسا ہے جو از خود آنکھیں کھولتا ہے اور اس کی آنکھوں سے روشنی نکلتی ہے، جب آپ اس مندر میں پہنچے تو اس طلسماتی کارخانہ میں آپ کے پہنچنے سے کھلبلی مچ گئی جادوگر جوگیوں سے آپ کا زبردست مقابلہ ہوا آپ کی کرامت سے نظر فریب بت پتھر کا ڈھیر بن گیا پھر آپ نے پجاری جوگی سے کہا تم بھی پتھر بنو اور یہ بت بھی پتھر ہے صرف آپ نے اتنا ہی کہا تھا کہ پجاری پتھر کی مورت کی مانند منجمد ہو گیا اور جس بڑے بت کی آنکھوں سے روشنی نکلتی تھی وہ صرف دو گڈھے رہ گئے یاتریوں کی آمد و رفت کا زمانہ تھا آپ تو وہاں سے اپنی قیام گاہ پر چلے آئے چشم زدن میں خبر ہر طرف پھیل گئی تمام باکمال ہنود نے بہت کوشش کی کہ پجاری جوگی کسی طرح اپنی اصلی حالت میں آ جائے مگر ناکام رہے بالآخر مخدوم کی خدمت میں التجا کرنے پہنچے کہ پجاری کی گستاخی معاف کر دیجئے آپ نے کہا جاؤ اپنے جنتر منتر اس پر آزماؤ وہ لوگ لوٹ کر پھر آگ جلانے اور منتر پڑھنے میں مشغول ہو گئے

اب یہ ہوا کہ پجاری کے جسم پر جگہ جگہ آبلے پڑ گئے یہ دیکھ کر وہ اور پریشان ہوئے اور روتے گڑگڑاتے حضرت مخدوم اشرف کے قدموں میں سے لپٹ گئے آپ کو رحم آ گیا اپنے مریدوں اور پجاری کے چیلوں کے ہمراہ آپ مندر پہنچے، بڑے پجاری کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے مس کیا، مس ہوتے ہی ہوش میں آ گیا حواس درست ہو گئے فوراً ہی اس نے آپ کے مقدس ہاتھوں کو بوسہ دیا اور مشرف بہ اسلام ہو گیا''۔

(مسلمان اور ہندوستان، بدر القادری ص ۲۳۳ دہلی ۱۹۹۳ء)

''لطائف اشرفی'' میں ہے کہ اس روز آپ کی زندہ کرامت دیکھ کر ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کیا اس طرح آپ جہاں جہاں گئے آپ کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے وہاں اسلام کا بول بالا ہوا۔ ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کر کے آپ سے بیعت وارادت کا شرف حاصل کیا۔ جب تک آپ بقید حیات رہے عقیدت مندوں کا ہمیشہ آپ کی خانقاہ میں ہجوم رہا لیکن اب جب کہ آپ ہماری ظاہری آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں پھر بھی ہجوم میں کوئی کمی نہیں ہے، فیض حاصل کرنے والے شب وروز آپ کی بارگاہ سے فیض حاصل کر رہے ہیں، خاص طور سے آسیب زدہ لوگوں کے لئے آپ کے در کی خاک تریاق ہے۔ اس سلسلہ میں اس خانقاہ کی بڑی شہرت ہے آپ کی اس خصوصیت کا ذکر تمام اہم مورخین نے کیا ہے آسیبی بلاؤں سے نجات آپ ہی کے نام سے ملتی ہے آسیب زدہ لوگوں کے سامنے آپ کا صرف نام لینا ہی کافی ہوتا ہے آپ کے دربار میں ایسے ہی لوگوں کی زیادہ بھیڑ ہوتی ہے جو آسیب زدہ ہوتے ہیں۔ ''آئینہ اودھ'' کے مصنف لکھتے ہیں۔

'' درگاہ ان کی در بارۂ دفعیہ آسیب جن وپری تریاق مجرب ہے اکثر مردمان آسیب زدہ دور دور سے درگاہ کچھوچھہ میں جاتے ہیں''۔

(آئینہ اودھ ص ۱۶۹)

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی

علیه الرحمة والرضوان

آپ ممتاز اولیاء میں سے ہیں، آپ کے جد بزرگوار شیخ صفی الدین حنفی حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کے قابل احترام مرید تھے، سلسلۂ نسب حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہ سے جا کر ملتا ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ بادشاہ نوشیرواں کسریٰ کی اولاد میں سے تھے۔آپ کے بارے میں شیخ اشرف جہانگیر سمنانی فرماتے ہیں۔

''ملک ہندوستان میں اگر میں نے کسی کو فنون غرائب اور فنون عجائب سے
مزین دیکھا ہے تو وہ برادرم شیخ صفی الدین حنفی ہیں (اقتباس الانوار ص ۶۰۴)

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے والد ماجد کی عمر جب چالیس دن کی تھی اس وقت ان کے والد شیخ صفی الدین نے انہیں اپنے مرشد کے قدموں میں ڈالدیا حضرت شیخ نے فرمایا میں نے اس کو بھی قبول کیا اور یہ ہمارا مرید ہے شیخ عبدالقدوس انھیں کی اولاد میں سے ہیں، آپ نے اپنی حیات میں بڑے سخت مجاہدات کئے اور وہ مجاہدات ایسے تھے جنہیں لکھنے کی نہ تو قلم میں طاقت ہے اور نہ ہی کان میں سننے کی قوت، تقویٰ کا عالم یہ تھا کہ بے نماز قصابوں کے ہاتھ کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے۔فرائض وسنن موکدہ کے علاوہ روزانہ آٹھ سو رکعت نفل نماز پڑھنے کا معمول تھا، نوافل میں آپ کی عادت یہ تھی کہ فاتحہ اور سورت پڑھنے کے بعد آپ شغل باطن میں مشغول ہوجاتے اور ایک سانس میں دس بارہ مرتبہ ذکر خفی کر لیتے تھے۔آپ کئی سال تک خواجگان چشت کی متابعت میں رات بھر نماز معکوس میں بھی مشغول رہے، نماز عشا کے بعد آپ کسی سے کہہ کر اپنے آپ کو الٹا لٹکوا لیتے تھے اور صبح کے وقت فارغ ہوکر نماز فجر ادا کرتے تھے۔سلطان الاذکار کا بھی معمول تھا۔قلم میں طاقت نہیں کہ آپ کے

مجاہدات کا ذکر کیا جائے۔

جس وقت تکمیل علوم باطنی کے بعد آپ گنگوہ تشریف لائے اس وقت یہاں ایک پُر فضا مقام پر جوگی مقیم تھا وہ جگہ آپ کو بہت پسند آئی اور وہیں قیام کی خواہش کا اظہار کیا مٹھ کے اندر جا کر چیلوں سے ان کے گرو کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جس زمین پر بیٹھے ہیں ایک سال سے ہمارا گرو اس کے نیچے تہہ خانہ میں باطنی شغل جبس دم میں مشغول ہے اور تہہ خانے کے دروازے اوپر سے چن دیئے گئے ہیں۔ وہاں پہنچنے کا کوئی راستہ بھی نہیں، ہوا کے لئے صرف ایک سوراخ رکھا گیا ہے۔ آپ نے سوراخ سے جھانک کر دیکھا جوگی اپنے فکر میں غرق ہے یہ دیکھ کر آپ نے اطلاق ذات کی طرف توجہ فرمائی جس کی وجہ سے آپ کا جسم ایسا لطیف ہوا کہ اس سوراخ سے تہہ خانے کے اندر چلے گئے آپ کے اندر جانے سے جوگی کی حالت میں افاقہ ہوا اور اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو ایک آدمی سامنے بیٹھا ہوا نظر آیا اس نے پوچھا تم کون ہو اور یہاں کس طرح آئے ہو آپ نے جواب دیا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور خدا کی قدرت سے یہاں پہنچا ہوں آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کس قدر ترقی کر چکا ہے تو اس نے کہا بہت ترقی کر لی ہے جو صورت چاہوں اختیار کر سکتا ہوں دیکھا ابھی پانی ہوتا ہوں چنانچہ وہ اسی وقت پانی ہو گیا آپ نے فوراً اس پانی میں ایک کپڑا ترکر کے رکھ لیا اس کے ہوش میں آتے ہی فرمایا کہ اب میں پانی ہوتا ہوں تو بھی اس میں ایک کپڑا ترکر کے رکھ لینا بعد میں دونوں کپڑے سونگھے گئے تو ایک کی بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا اور دوسرے کی خوشبو سے دماغ معطر ہو رہا تھا۔

جوگی بولا میں تو فن میں کامل تھا ہی تم بھی کامل نکلے، صرف خوشبو اور بدبو کا فرق رہا آپ نے فرمایا یہ کفر و اسلام کا فرق ہے چنانچہ وہ جوگی اسی وقت اپنے تمام چیلوں کے ساتھ جو تقریباً سات سو تھے مسلمان ہو گئے جوگی کو آپ نے صاحب ولایت کر کے کہیں اور بھیج دیا اور آپ وہیں مقیم ہو گئے وہ جگہ گنگوہ کے متصل ''سرائے شیخ عبدالقدوس'' کے نام سے مشہور ہے۔

(اقتباس الانوار ص۶۳۲، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ص۴۲ جنوری ۱۹۶۰ء)

حضرت شیخ سید سلطان بہرائچی

علیہ الرحمۃ والرضوان

اہل دل خاکسار اور صاحب ہمت درویش تھے شیخ علاء الدین کے مرید تھے مگر تلقین وارشاد کا تعلق مذہب شطاریہ سے رکھتے تھے لباس میں ستر عورت پر اکتفا کرتے تھے اور عام طور پر ننگے سر رہنے کی عادت تھی، دنیوی رسوم سے آزاد رہا کرتے تھے، ذکر بالجہر زیادہ کرتے، دہلی میں حوض شمسی کے قریب ایک پرانی قبر جو اندر سے خالی تھی آپ نے اس میں بارہ برس بسر کیے، ایک دن آپ اس قبر کے باہر تشریف فرما تھے کہ ایک مبروص شخص کا اُدھر سے گذر ہوا اسی وقت ایک سوار بھی وہاں سے ظاہر ہوا اس سوار نے مبروص کو چابک سے اس قدر مارا کہ وہ زمین پر گر گیا اور لوٹنے لگا لیکن پھر بالکل تندرست ہو کر وہاں سے چلا گیا، اس کے بعد سوار موصوف نے آپ کو تین بار ''قطب جہانگیر'' کہہ کر مخاطب کیا اس وقت تک عالم ظاہر میں کسی نے آپ کو اس لقب سے مخاطب نہیں کیا تھا اس لیے آپ نے تعجب سے سوار کا نام دریافت کیا سوار نے جواب دیا کہ میں وہ ہوں کہ نمک ولایت ہر کسی کی دیگ میں جس کے ہاتھ سے پہنچتا ہے اور لوگ مجھ کو سالا رمسعود کہتے ہیں نیز میرا مقام بہرائچ ہے''۔(سلطان الشہدا، انجینئر سمیع الدین ص ۶۲ علی گڑھ ۲۰۰۸ء)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> آپ کو ایک ہندو عورت سے محبت ہوگئی تھی جو آپ کی توجہ کی بدولت مسلمان ہوگئی تھی اس کے قبیلے کے لوگوں نے محمد زماں کے یہاں جو ظہیر الدین محمد بابر کے رشتہ دار تھے مقدمہ داخل کر دیا محمد زماں نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ اس عورت کو گھر سے نکال دو ورنہ تم پر حملہ کر دوں گا آپ نے تلوار

ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ یہ مسلمان ہوگئی ہے اب اس کو کافروں کے سپرد کرنا ناجائز ہے اگر آپ کولڑائی کا شوق ہے تو جلدی آجایئے دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا معاملہ فرماتا ہے آپ کے اس جواب سے محمد زماں مرعوب ہوگیا اور اپنی حرکت پر شرمندہ ہوا۔

(شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارالاخیار ص ۴۷۸)

۞۞۞۞۞

حضرت شیخ عبدالقادر ولی ناگوری

علیه الرحمة والرضوان

تنجور علاقۂ مدراس میں ناگور نام کی ایک بستی ہے جسے حضرت سید عبدالقادر ولی نے اپنے قدم مبارک سے سرفراز فرمایا۔ آپ کی ولادت شمالی ہند کے شہر مانک پور میں ہوئی اور حج کے بعد مالدیپ کے راستہ جنوبی ہند میں آئے ،ترچنا پلی میں حضرت سیدنا مظہر ولی کے مزار اقدس کی زیارت کی اور علاقہ تنجور میں ارشاد و ہدایت میں مشغول ہو گئے، ترام میں ایک مسجد تعمیر کی اور پھر ناگور جو ایک بڑی تجارتی منڈی ہے وہیں اقامت اختیار کر لی، آپ کی آمد سے اسلام کی بڑی رونق ہوئی اور قریب کے گاؤں دھنا سری میں آپ نے حاکم اور رعایا دونوں کو مسلمان کیا۔ تنجور کا راجا آپ کے معتقدین میں سے تھا، اس نے ہی آپ کے مزار کے مینار تعمیر کرائے ،آپ کے مزار پر ہندو مرد وخواتین کثرت سے حاضری دیتی ہیں اور منتیں مانگتی ہیں۔ (آب کوثر ص ۳۵۹)

۞۞۞۞۞

حضرت شیخ جلال الدین کاسی چشتی

علیه الرحمة والرضوان

آپ کا نام جلال الدین تھا پٹھانوں کے کاسی قبیلہ کے رئیس تھے۔ شیر شاہ سوری کے دربار میں اعلیٰ منصب پر فائز تھے، سلطنت افغانان کے زوال کے بعد مغلوں نے انتقامی

کاروائیاں شروع کیں تو جلال خاں کا دل دنیا کے جاہ وجلال سے اچاٹ ہوگیا اور وہ شاہ محمد چشتی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوکر مرید ہوئے۔ مگر انھیں کچھ زیادہ کامیابی نہ مل سکی تو شیخ نے کہا کہ آپ کا حصہ شیخ بدرالدین کے پاس ہے وہاں جائیں وہ ان کی بارگاہ میں پہنچے ایک عرصہ تک خانقاہ کی جاروب کشی کرتے رہے فارغ اوقات میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور رات مجاہدات اور ریاضات میں گزارتے، آخر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا تو مرشد کی ایک نگاہ نے انھیں منازل سلوک طے کرادیئے مزار اقدس سے آواز آئی'' جلال بدرالدین، بدرالدین جلال'' اس طرح آپ کمالات کو پہنچے۔ لوگوں میں بڑی شہرت ملی۔ ایک دن دل میں خیال آیا کہ کاش میرا کوئی فرزند معنوی ہوتا تو میں بھی اسے ان فیوضات سے مالا مال کرتا، یہ خبر وقت کے صاحب ولایت کو ملی تو آپ نے فرمایا کہ ہم تمھارے لیے فرزند رشید کا بند وبست کریں گے اتفاقاً اسی علاقہ میں ایک ہندو کائستھ قوم سے تھا وہ لکھنؤ کے دربار میں منصب دار تھا اس کا ایک چودہ سالہ بیٹا جو ظاہری حسن وجمال میں اپنی مثال آپ تھا وہ ان دنوں شیخ سعدی کی کتاب'' گلستاں'' پڑھ رہا تھا جب وہ گلستاں کے دیباچہ میں اس شعر پر پہنچا

بلغ العلیٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ صلوا علیہ وآلہٖ

لڑکے نے اپنے استاد سے پوچھا یہ کون شخص ہے جس کی اتنی زیادہ تعریف کی گئی ہے تو استاد نے بچے کو سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حالات سے واقف کرایا اور بڑی تعریف فرمائی۔ بچے کے دل پر اس گفتگو کا اتنا اثر ہوا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ بچے کے مسلمان ہونے کی خبر نے ہندوؤں میں ایک طوفان برپا کردیا ہندوؤں کے شور وہیجان سے وہ بچہ گھر سے نکلا۔ بدایوں شہر جا پہنچا وہاں اسے جلال الدین کی خانقاہ میں رسائی ہوئی ادھر صاحب ولایت نے روحانی طور پر حضرت جلال الدین کو آگاہ فرمایا جس معنوی بیٹے کی تم تلاش میں تھے وہ تمھارے پاس پہنچ چکا ہے اس کا نام مخدوم عبداللہ رکھو یہی تمھارا جانشین ہوگا''۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۳۹۰)

❁❁❁

حضرت شیخ میراں موج دریا بخاری

علیه الرحمة والرضوان

آپ بخاری سید ہیں ۹۴۰ھ/۱۵۳۳ء میں ولادت ہوئی۔ آپ کا سلسلۂ نسب نو واسطوں سے حضرت جلال الدین سرخ بخاری اوچی رحمۃ اللہ تعالیٰ تک جا پہنچتا ہے۔ آپ اپنے دور میں سلسلہ سہروردیہ کے شیخ الوقت تھے، ولایت میں اونچا مقام تھا، ابتدا میں اوچ میں رہتے تھے پھر جلال الدین محمد اکبر کے بلوانے پر اس کے پاس چتوڑ گڑھ چلے گئے اور قلعہ چتوڑ گڑھ کی فتح یابی کے لئے دعا فرمائی، قلعہ فتح ہوا تو آپ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی بادشاہ آپ کا معتقد ہو گیا پنجاب کے علاقہ پرگند بٹالہ میں بڑی جاگیر آپ کو عطا کی، لاہور میں آپ نے سکونت اختیار کی۔ کسی دن محفل میں یہ بات آئی کہ پہلے لوگ کہا کرتے تھے کہ سید آگ میں گر پڑے تو اس کے سر کا بال بھی نہیں جلتا اب ایسے اصیل ونجیب سید کا پیدا ہونا کہاں ممکن ہے۔

یہ سن کر شیخ میراں جلال میں آ گئے اور فرمایا کہ لکڑی کی دیگ بنا کر لائی جائے جب آ گئی تو آپ نے اپنے دونوں پاؤں کو دیگ دان بنایا، آگ جلائی گئی آپ دیگچے میں چاول پکا کر منکر سادات کے سامنے لے آئے اور فرمایا "دیکھو سید سنی ہے، دیگ بھی لکڑی کی ہے اور سید کے پاؤں پر آگ کا اثر بھی نہیں ہوا ہے"۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد ۴ ص ۱۵۰ لاہور ۱۹۹۴ء)

آپ بڑے علم وفضل والے بزرگ تھے غیر مسلموں کے سامنے آپ کے دین اسلام پیش کرنے کا انداز منفرد تھا، آپ کی شہرت کے سبب بے پناہ لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، ان پاکیزہ ہستیوں نے اپنے زہد وتقویٰ اور خلوص ومحبت سے غیر

مسلموں کے دلوں کو مسخر کیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور اور گردونواح میں بسنے والے لوگوں نے اپنی رضا و رغبت سے دین اسلام کی دعوت قبول کر لی، برصغیر پاک و ہند میں اسلام کو جو فروغ ملا ہے وہ ان بزرگ ہستیوں کی تبلیغی و تجدیدی مساعی کی بدولت ملا ہے۔ ۷۳ سال کی عمر میں ۱۰۱۳ھ/۱۶۰۴ء میں وصال ہوا۔ (تاریخ سہروردیہ ص ۲۷۲)

۞۞۞۞۞

حضرت شیخ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی

علیه الرحمة والرضوان

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی ولادت شہاب الدین علی فرخ شاہ کابلی کی اولاد میں حضرت شیخ عبد الاحد سرہندی کے گھر ۱۴/ شوال المکرّم ۹۷۲ھ مطابق ۵/ جون ۱۹۶۴ء کو سرہند میں ہوئی۔ قرآن کریم اور اس زمانہ کے ارباب فکر و فن سے مروجہ تعلیم میں کامل دستگاہ حاصل کرنے کے بعد سترہ سال کی عمر میں فراغت حاصل کی۔ حاکم تھانیسر کی دختر نیک اختر سے عقد ہوا۔ والد ماجد سے سلسلہ چشتیہ، قادریہ اور مولانا شیخ یعقوب صرفی سے کبرویہ سلسلہ کا طریق حاصل کیا والد ماجد کے وصال کے بعد ملا حسن کشمیری کے واسطہ سے قطب الاقطاب شیخ رضی الدین ابوالموئد عبد الباقی بن عبد السلام بدخشی مشہور بہ باقی باللہ کی بارگاہ تک رسائی حاصل ہوئی۔ حضرت شیخ نے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت کی اور مرید خاص کی تربیت میں مصروف ہو گئے اور چند ماہ میں شیخ نے سلوک و معرفت کے بلند مقام پر فائز کر دیا۔ آپ کی اس عظمت کا اعتراف خود شیخ نے ان لفظوں میں کیا ہے حضرت میر محمد نعمان سے فرماتے ہیں۔

''یہاں شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں ہم جیسے ہزاروں ستارے ان میں گم ہیں''

(زبدۃ المقامات ص ۱۴۱ استانبول ۱۹۷۷ء)

حضرت شیخ احمد سرہندی نے شیخ طریقت کے حکم کے مطابق مسند ارشاد بچھائی، آپ کا آستانہ فیض طالبان طریقت و معرفت کا مرکز بن گیا اور ہر وقت ارادت کیشوں کی

اصلاح و تربیت کا کام ہونے لگا۔ اکبر نے دین الٰہی کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس کے خلاف آپ نے زبردست مورچہ چھیڑ دیا اپنے خلفاء و مریدین کے ذریعہ پورے ملک میں اس کے انسداد کے لئے جدوجہد کی جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہے۔ ۱۶۰۵ء/۱۰۱۴ھ میں بادشاہ اکبر کی وفات کے بعد جب اس کا بیٹا نورالدین جہانگیر اس کی جگہ تخت مغلیہ کا تخت نشین ہوا وہ اکبر کی طرح ملحد و بے دین نہ تھا اور نہ ہی اسے دینی قائد بننے کا خبط تھا لیکن علمائے سو کی سرگوشیوں سے وہ پریشان تھا لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ شیخ احمد تو اپنے کو صدیق اکبر سے افضل سمجھتے ہیں اور سلطان وقت کی تعظیم و توقیر بھی نہیں کرتے ہیں، آگرہ کے علمائے سو کے بادشاہ وقت جہانگیر کے کان بھرنے کی وجہ سے جب دربار میں ان کی طلبی ہوئی اور بادشاہ کے خدام نے آپ سے سجدہ کرنے کے لئے کہا تو اسے آپ نے بڑی سختی سے منع کر دیا حکومت کے مضبوط اور قوی ہیکل لوگوں کے ذریعہ بادشاہ کے سامنے آپ کی گردن جھکانے کی کوشش بھی کی مگر جسمانی طور پر اس نحیف و کمزور شخص کی گردن بھی بادشاہ کے آگے نہ جھک سکی۔ اسی کی طرف علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں

جب بادشاہ کو معلوم ہو گیا کہ وہ کسی طرح مجھے سجدہ نہ کریں گے تو کہا کہ ان کا سجدہ صرف اتنا ہے کہ ذرا سر کو خم کر دیں باقی آداب میں نے معاف کر دیئے کیوں کہ مجھے ان سے شرم آتی ہے چوں کہ یہ میری زبان سے نکل گیا ہے اس واسطے آداب شاہی ضروری ہیں کیوں کہ ابھی تک میرا کوئی حکم نہیں ٹلا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا میں اس بات کے لئے کبھی سر نہیں جھکاؤں گا۔

ہندوستان کا ایک بڑا راجہ جو بت پرست تھا اس مجلس میں موجود تھا اور یہ سارا منظر اپنی نگاہوں سے ملاحظہ کر رہا تھا جب اس نے حضرت مجدد کی استقامت اور استقلال کا مشاہدہ کیا تو اس کے سینے میں کفر کی تاریکی نور اسلام سے بدل گئی، اس نے وزیر آصف جاہ کو کہا کہ شیخ کو میرے پاس قید کر دو وزیر نے جانا کہ چوں کہ وہ مخالف دین اسلام ہے

شیخ صاحب سے وہ قید میں برا سلوک کرے گا اس لئے آپ کو اس کے حوالے کر دیا جب حضرت مجدد اس کے قید خانے میں پہنچے تو وہ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا اور اپنے پاس رکھا اور خود مع متعلقین کے مرید ہو گیا۔ (روضۃ القیومیۃ جلد اول ص ۳۱۵)

❁❁❁❁❁

حضرت شیخ شاہ محمد رمضان ہادی ہریانہ
علیہ الرحمۃ والرضوان

ہریانہ میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت آپ کی ذات سے ہوئی آپ کو سلسلہ قادریہ کا فیضان، قطب الہند شیخ سیف الدین عبد الوہاب جیلانی ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے واسطہ سے ملا تھا۔ آپ بڑی وجیہ شخصیت کے مالک تھے، جب آپ حج کرنے تشریف لے گئے تو آپ کی وجاہت اور شباہت کو دیکھ کر عربوں نے آپس میں کہا کہ ہندوستان کا بادشاہ درویشوں کے بھیس میں آیا ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اس دور میں اگر کوئی عمل میں صحابہ کرام کے مشابہ ہے تو وہ حضرت شاہ محمد رمضان قادری ہیں۔ آپ کی ذات سے آپ کے معاشرہ میں بڑی خوش گوار تبدیلیاں آئیں ''تذکرہ صوفیائے میوات'' کے مصنف ''نقیب الاولیا'' ج ۲ ص ۵۷ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

''ہریانہ میوات اور سوتر کے ہزاروں کافر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور بلا مبالغہ لاکھوں نے کفر و شرک سے آپ کے ہاتھ پر توبۃ النصوح کی''۔
(تذکرہ صوفیائے میوات، حبیب الرحمان میواتی ص ۴۷۸ دہلی ۱۹۸۴ء)

آپ کے زمانہ میں ہریانہ کے اندر عربوں جیسی قبیح رسمیں پائی جاتی تھیں ہر قوم کا جداگانہ بت ہوتا، لڑکیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں، کیا مرد کیا عورتیں کھلے بند کفار کی رسوم کے پابند تھے، دھڑلّے سے مسلمان دیوی کو پوجتے تھے، پیپل، جنڈ کیئر کی پرستش کرتے تھے، آگ کو دیوی چراغ کا دیوتا مانتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ جس گھر میں آٹھوں پہر آگ

موجود رکھی جائے گی ''وہ گھر نہ صرف افلاس کی تاریکیوں سے محفوظ رہے گا بلکہ آگ کی جوت سے نعمتوں کی برکات کا نور اس گھر کے درو دیوار پر سورج بن کر چمکے گا''۔ایسے ماحول میں شیخ محمد رمضان شاہ قادری نے جس طرح اصلاحی اور فلاحی کام انجام دیئے اس سے ہریانہ کے لوگ دولت ایمان سے مالا مال ہونے کے علاوہ تمدنی معاشی اور اخلاقی اعتبار سے اپنے ہم نسل ہندو راجپوتوں سے بدرجہا بہتر ہوگئے۔آپ نے مسلم راجپوتوں ہی میں سے چن چن کر ان لوگوں کی تربیت کی جو فطرتاً نیک اور گھناؤنے ماحول سے بیزار تھے۔لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے تعلق سے موضع جھنڈا علاقہ پٹیالہ کا ایک واقعہ صاحب ''تذکرہ صوفیائے میوات'' نے لکھا ہے،رحمت خاں جس کے عینی شاہد تھے وہ فرماتے ہیں۔

> ''رواج سے مجبور ہو کر ایک بدنصیب باپ اپنی چھ لڑکیوں کو پہلے دفن کر چکا تھا اور اب ساتویں لڑکی کو دفن کر کے آرہا تھا حضرت ہادی ہریانہ ایک جگہ وعظ فرمارہے تھے اور لوگ آآ کر آپ کے ہاتھ پر رسم دختر کشی سے تائب ہورہے تھے یہ شخص بھی روتا ہوا آیا اور وہ تمام ماجرا بیان کیا آپ اسی وقت قبرستان تشریف لے گئے قبر کھدوائی تو لڑکی ایک مٹی کے برتن میں زندہ پائی گئی اسے باپ اپنے گھر لے گیا''۔(تذکرہ صوفیائے میوات ص ۴۸۵)

اس طرح کی ہزروں سماجی برائیاں تھیں جس کا شاہ رمضان قادری نے اس سماج سے قلع قمع کیا، بلاشبہ ہریانوی سماج کے لئے آپ کی ذات کسی ابر کرم سے کم نہ تھی۔ آپ ہی کی کوششوں سے ہریانہ کے مسلم راجپوت مردوں نے دھوتی چھوڑ کر تہہ بند اختیار کیا اور خواتین نے گھاگھرا ترک کر کے پاجامہ وشلوار کا استعمال شروع کیا،کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

غیب سے ظاہر ہوا ابر کرم جس کا سرِ مرکز تھا نیسانِ مہم
حضرت رمضاں نے باعزم درست وعظ پر باندھی کمر ہمت کی چُست
قوم کو تعلیم کی تلقین کی قوم کو باتیں سکھائیں دین کی
ان کو سمجھایا مفصل کھول کر ٹھیٹ موٹی ان کی بولی بول کر

ہوگئی اک آن میں کایا پلٹ　　شرک و بدعت کا گیا دفتر الٹ
گُل ہوا رسمِ جہالت کا چراغ　　ہو گیا سر سبز پیغمبر کا باغ
لڑکیاں لڑکوں سے پیاری ہوگئیں　　باغ میں پھولوں کی کیاری ہوگئیں
شرک میں ڈنکا بجا اسلام کا　　راجپوتوں کا فلک پر غُل ہوا
اوندھے چولے دیوتاؤں کے ہوئے　　ڈیڑھ پونے ماسواؤں کے ہوئے
زین خاں نے کی رہِ ملکِ فرار　　لب کو بھولا نعرۂ یا دمدار
کفر پر غالب ہوا حق کا چلن　　شیخ سِدّو کا ہوا بکرا ہرن
گُل ہوا دیبی کی منت کا چراغ　　ہے دلِ شیطاں میں حسرت کا یہ داغ
سرنگوں گوگا کا جھنڈا ہو گیا　　جوش نارِ جہل ٹھنڈا ہو گیا

(تذکرہ صوفیائے میوات ص ۴۸۰)

۞۞۞۞۞

حضرت حاجی وارث علی شاہ دیوہ شریف
علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ آخری دور کے ان اہم چشتی مشائخ میں سے ہیں جنہیں عالم گیر شہرت حاصل ہوئی، ان کے مریدین دنیا کے بیشتر ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم ہندو بھی شامل ہیں، آپ کے مورث اعلیٰ سید اشرف ابی طالب جو اپنے ہم عصر علماء میں ممتاز، ذی احترام اور مشائخین وقت کے سردار اور امام تھے مع اہل وعیال نیشاپور ایران سے ہجرت فرمائی اور ہندوستان آ کر موضع کنتور ضلع بارہ بنکی میں آباد ہوئے۔ ان کی آٹھویں پُشت میں سید عبدالاحد ۱۱۲۷ھ میں اقامت کی غرض سے کنتور سے دیویٰ منتقل ہو گئے انھیں کی اولاد میں سید سلامت علی ایک بزرگ تھے جن کی دو اولاد ہوئی ایک کا نام سید خرم علی تھا جن کی اولاد بریلی میں ہے اور دوسرے کا اسم گرامی سید قربان علی شاہ ہے یہی بزرگ حضرت سیدنا وارث علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد ماجد ہیں انھیں کے گھر

''تحفۃ الاصفیاء'' کے مطابق ۱۲۳۸ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، باطنی علوم میں آپ کو کامل مہارت تھی ظاہری علوم کے لیے آپ نے علمائے وقت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا حالت زندگی اور درپیش آنے والے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو علم تفسیر، علم حدیث اور علم ادب میں کامل عبور تھا۔ آپ کے حقیقی بہنوئی حضرت سید خادم علی (وفات ۱۲۵۲ھ) جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے انھوں نے آپ کو سنت مشائخ عظام کے مطابق سلسلہ قادریہ اور چشتیہ میں بیعت فرمایا۔ پیرومرشد کے فاتحہ سوم میں علماء ومشائخ کی موجودگی میں آپ کو رشد وہدایت کی مسند عطا کی گئی، فاتحہ سوئم کے دو ماہ بعد ماہ ربیع الثانی میں آپ نے پا پیادہ حرمین شریفین کا قصد کیا اسی سفر میں آپ نے اپنا لباس تبدیل کیا چنانچہ جب چار ساڑھے چار سال بعد وطن واپسی ہوئی تو احرام کے لباس میں آپ کو دیکھ کر لوگ آپ کو پہچان نہ سکے اور جب پہچان گئے تو مسرت کی انتہا نہ رہی۔ آپ کے لباس احرام کا رنگ زردی مائل یعنی بادامی تھا زرد رنگ چوں کہ رسول اللہ ﷺ کو پسند تھا اس لئے آپ نے اسی رنگ کا انتخاب فرمایا۔ وہ اپنی اسی مخصوص وضع قطع کی بنیاد پر معاصرین میں ممتاز تھے، پلنگ، کرسی، تخت اور مونڈھا پر بیٹھنا آپ نے خلاف وضع سمجھا اس لئے اس کا استعمال کبھی نہیں کیا، آپ نے مچھلی کبھی نہیں کھائی اس میں کیا حکمت تھی واضح نہیں، بہت وضعدار تھے، آپ کی زبان مبارک سے کئی بار یہ جملہ سنا گیا۔

''سید واڑے میں سب وضعدار تھے جو کہتے تھے وہ کرتے تھے''

بہت قلیل الغذا تھے غذا کی مقدار کل پانچ تولہ تھی اور اس میں بھی روز افزوں کمی ہوتی رہتی۔ ۱۳۱۸ھ سے روزانہ ایک تولہ غذا تناول فرمانے لگے۔ آپ کے کھانے کو ''خاصہ'' کہا جاتا تھا۔ لاکھوں افراد نے آپ سے فیض باطنی حاصل کیا آپ اپنے مریدین کو صرف دو ہدایتیں فرماتے۔

۱۔ انسانوں سے محبت کرو

۲۔ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ

اس کے علاوہ اسم ذات جلال کے ذکر اور درود شریف کی کثرت سے ورد کی تلقین

فرماتے تھے، انھوں نے مشرب کے لحاظ سے جانشینی کو غیر ضروری سمجھا کیوں کہ وہ فرمایا کرتے تھے جس کا مشرب عشق ومحبت، اور جس کا مسلک عشق ومحبت ہو اسے کسی جانشین کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ۳۰؍محرم الحرام ۱۳۲۳ھ کو یہ آفتاب ہدایت ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا وفضلناك علی العالمین سے تاریخ وصال ۱۳۲۳ھ برآمد ہوتا ہے۔ مزار شریف دیوہ ضلع بارہ بنکی میں مرجع انام ہے۔

(محمد ابراہیم شیدا وارثی، سعی الحارث ص ۵۶۹ مطبوعہ ۱۹۳۹ء)

خواجہ حسن نظامی نے لکھا ہے کہ ان کے ہاتھ پر ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا (خواجہ حسن نظامی، فاطمی دعوت اسلام ص ۱۲۵ دہلی) کچھ ناموں کی انھوں نے وضاحت بھی کی ہے اور لکھا ہے کہ کول کا ایک ہندو وکیل ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوا، اسی طرح اسپین کا ایک تاجر ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوا، روس کے رہنے والے بعض تاجروں نے بھی ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ (برصغیر میں اشاعت اسلام کی تاریخ ص ۵۹)

۞۞۞۞۞

حضرت مبلغ اسلام عبدالعلیم صدیقی میرٹھی

علیہ الرحمۃ والرضوان

مبلغ اسلام عبدالعلیم صدیقی امام احمد رضا فاضل بریلوی کے خلفا میں تھے۔ اور انھیں کے ایما وارشاد پر اپنی زندگی تبلیغ دین اور خدمت اسلام کے لئے وقف کردی۔ کسی آرگنائزیشن یا کسی تنظیم کے تحت نہیں بلکہ اپنے نجی خرچ پر ہند وبیرون ہند کے ان غیر مسلموں میں دعوت وتبلیغ کا اہم فریضہ انجام دیا۔ جو اسلام سے بالکل نابلد تھے۔ یہ تبلیغی سفر آپ نے اپنے دور طالب علمی سے ہی شروع کردیا تھا۔ اندرون ملک آپ نے اپنا پہلا سفر ۱۹۱۴ء اور ۱۹۱۵ء میں ریاست بھوپال، سورت، ممبئی، دمّن اور بیرون ملک برما اور رنگون کے کئے۔ حجاز کا سفر ۱۹۱۹ء میں کیا وہاں آپ نے بعض عرب نوجوانوں کو انگریزی پڑھائی اور وہاں مقیم عرب وغیر عرب کو مشکوٰۃ اور جلالین کا درس بھی دیا۔ مدینہ منورہ کے یتیموں

کی فلاح و بہبود کے لئے دار الایتام بھی آپ نے قائم کیا۔ اپنے تبلیغی اسفار میں جن لوگوں نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ ان میں عیسائیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ دنیا کے جن خطوں میں آپ نے اپنی داعیانہ سرگرمیوں سے غیر مسلموں کے قلوب کو منور و مجلّی فرمایا ان میں درج ذیل ممالک بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

برما (۱۹۱۴ء) کولمبو (۱۹۲۳ء) حجاز مقدس (۱۹۲۵ء، ۱۹۲۴ء) سیام ''چین'' (۱۹۲۷ء) مڈغاسکر (۱۹۲۹ء، ۱۹۲۸ء) سیلون (۱۹۲۹ء) سنگاپور (۱۹۳۲ء ۱۹۳۱ء)، ملیشیا، اندونیشیا، تھائی لینڈ، نائجیریا، انڈوچائنا،، جاپان، ماریشش، جنوبی و مشرقی افریقہ، عراق، اردن، فلسطین، شام، مصر، برطانیہ، فرانس، اٹلی، برٹش، گیانا، سرینام، ٹرینٹی ڈاڈ، امریکہ، کنیڈا، فلپائن، ٹوباگو، ری یونین وغیرہ

مبلغ اسلام نے عوام و خواص دونوں کو اسلام کی دعوت دی اور ان میں بیشتر نے آپ کی دعوت کو قبول کیا جن لوگوں کو آپ کی ذات گرامی سے اسلام جیسی انمول دولت ملی ان کی تعداد محتاط روایت کے مطابق ستر ہزار بتائی جاتی ہے۔ اشاعت اسلام کے تعلق سے آپ نے جو قربانیاں پیش کی ہیں اس کا ذکر لفظوں میں نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مغربی ممالک میں آج جو اسلام کی روشنی نظر آرہی ہے اس میں آپ کی داعیانہ کاشوں کا عمل دخل زیادہ ہے۔ آپ کی ان کاوشوں سے جن نامی گرامی شخصیات نے اسلام کی دعوت قبول کی ان میں بورینو کی شاہزادی، ماریشش جنوبی افریقہ کے فرانسیسی گورنر مراوت اور ٹرینٹی ڈاڈ کی ایک خاتون وزیر اور ڈاکٹر صادق جارج اینٹونوف جیسے ممتاز امریکن سائنسداں کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ (ذکر حبیب حصہ اول ص ۷)

اشاعت دین اسلام کے تعلق سے آپ نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اس کا اعتراف تقریباً تمام ارباب حق و انصاف کو ہے۔ فلپائن مندوب ڈاکٹر احمد نے ''جشن نزول قرآن'' کے موقع پر علمائے کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> '' آج ہمیں برصغیر پاک و ہند کے مشہور مبلغ مولانا عبد العلیم میرٹھی صدیقی کی طرح دین کی تبلیغ و اشاعت کرنی چاہئے، مولانا نے فلپائن کے

جزیروں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے مدرسے، لائبریریاں اور مساجد
بنوائیں اور ماہنامے اور ہفت روزہ جریدے جاری کئے ہیں، ہمیں اسلام
کی جو روشنی ملی ہے انہی سے ملی ہے، ان ہی کی مساعیٔ جمیلہ سے ہم
مسلمان ہوئے''۔ (روز نامہ جنگ راولپنڈی ۳؍ اکتوبر ۱۹۶۹ء)

انڈونیشیا

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنے لیکچروں کے ذریعہ انڈونیشیا کو الحاد کی طرف لانے کی مہم شروع کر رکھی تھی مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی نے اس کا توڑ کیا، انڈونیشی علماء کی تنظیم کے لئے کام کیا۔ انڈونیشیا کی سب سے بڑی تنظیم جمعیت المحمدیہ کے پلیٹ فارم سے عیسائی مشنریوں اور قادیانیت کے حملوں کے خلاف اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں میں اتفاق واتحاد کے لئے کام کیا۔ اس ملک میں آپ کی تبلیغی کاوشوں کا ذکر مولانا نور احمد قادری نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

'' جن علمائے اسلام کو انڈونیشیا میں نصرانی پادریوں کے مقابلے میں
اسلامی تبلیغ اور تحفظ دین کا کام کرنے کی ضرورت کا شدید احساس ہوا
انھیں علمائے ربانیین میں حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی قادری بھی تھے
۔حجاز سے واپسی کے بعد ۱۹۲۱ء میں انڈونیشیا پہنچ کر تبلیغ کا کام کرنے لگے
۔حضرت مولانا اس صدی کی تاریخ میں عالم اسلام کی بہت بڑی شخصیت
گذرے ہیں۔ حضرت مولانا اس زمانہ کی الہ آباد یونیورسٹی کے بی، اے
۔ایل، ایل۔ بی ہونے کے علاوہ نہایت بلند پایہ عالم اور صاحب کشف
وکرامت اہل اللہ اور غوث پاک کے سلسلہ قادریہ کے صاحب اجازت
بزرگ تھے۔ فقہ حنفیہ وشافعیہ میں کمال رکھتے تھے۔ انڈونیشیا میں وہ پھر
اس کے بعد اپنے ہر جنوبی ایشیائی دورے کے موقع پر برابر پہنچتے رہے اور
کام کرتے رہے۔ ان کا یہ کام اب انڈونیشیا اور پاکستان دونوں ملکوں کے
اسلامی روابط مذہبی تاریخ کا ایک ایسا زریں ورق بن گیا ہے جو برابر

انڈونیشیا کے ساتھ اہل پاکستان کی اسلامی محبت واخوت کی ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا۔حضرت مولانا کے حالات کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے انڈونیشیا کی تبلیغ اسلام کے سلسلے میں عظیم خدمات انجام دی ہیں۔ سرابیا (مشرقی جاوا) کا شہران کی تبلیغ کا مرکز تھا۔جہاں انھوں نے اپنے دوسرے دورے ۱۹۲۷ء میں ایک بڑا اسلامی مشن بھی قائم کیا تھا۔یہاں برصغیر ہند کے سوداگران کی ایک دینی انجمن بھی قائم کی ،جو برصغیر سے آنے والے مسلم مسافروں کا انتظام کرنے کے علاوہ سیرت پاک کا جلسہ اور تبلیغ اسلام کے کاموں میں مالی معاونت کرتی تھی۔ایک تاریخی روایت کے بموجب مولانا نے اس ملک میں کم وبیش پانچ ہزار نصرانیت یا دوسرا عقیدہ رکھنے والوں کو دوبارہ اسلام میں داخل کیا اور بہت سوں کو اپنا مرید بنالیا اس لئے کہ وہ ایک صاحب کرامت پیر طریقت بھی تھے۔حنفی فقہ کا ایک مدرسہ بھی سرابیا میں اپنے قائم کردہ مشن کے تحت کھلوایا۔ مجھے اپنی ریسرچ کے دوران ایک انڈونیشی اخبار'' پرڈمائیاں''میں ایک تصویر دستیاب ہوئی جو ۱۹۵۰ء کی ہے اس تصویر میں حضرت مولانا صدیقی انڈونیشیا کی وزارت امور مذہبی کے عمائدین ہمراہ پورٹ پر کھڑے ہیں ۔جہاں عمائدین نے اپنی وزارت کی طرف سے ان کا استقبال کیا تھا۔یہ حضرت مولانا کا انڈونیشیا کا آخری دورہ تھا''۔

(ماہنامہ منارٹ (انگریزی) کراچی اگست ۱۹۷۳ء ص ۲۵)

ملاوی

"ملاوی میں آپ نے اسلام پر قادیانی حملے کے اثر کو ضائع کیا عربی اردو اور انگریزی میں تقریریں کر کے مسلمانوں کی مذہبی زندگی کو حیات نو بخشی۔بہت سے یوروپی لوگوں نے اسلام قبول کیا۔بنکاک رائل لائبریری میں آپ نے بدھ مت کے متعلق ریسرچ بھی فرمائی۔

ماریشس

ماریشس میں قادیانی حملے کا خاتمہ کیا۔حزب اللہ کی بنیاد ڈالی۔اس تبلیغی دورے میں بہت سے ہندو اور عیسائی مسلمان ہوئے۔ان میں ماریشس کے فرانسیسی گورنر مراوت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں بھی آپ نے اشاعت دین حق کا اہم فریضہ انجام دیا۔سیلون میں مسلم مشنری کی بنیاد ڈالی۔یہاں سے اخبار ’’کوکب اسلام‘‘ جاری کیا۔جس کی ادارت مسٹر جے ماجد کرتے تھے۔اس کے علاوہ آپ نے یہاں گرین پمفلٹ کی تحریک بھی شروع کی۔الغرض آپ نے سیلون، جاوا، ملایا، ماریشس، اور ایسٹ افریقہ کے دوسرے جزائر میں تبلیغ اسلام کی ایسی خدمت انجام دی جس کے باعث پُرانے تثلیث پرست حلقہ بگوش توحید ہوگئے آپ کی تبلیغی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ہفت روزہ الفقیہ امرتسر کے مدیر لکھتے ہیں۔

> ’’مسلمانان ماریشس نے علامہ میرٹھی کی تبلیغی خدمات کو سراہتے ہوئے خبر دی کہ تقریباً دو سال ہوئے حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی اس جزیرہ میں تشریف لائے اور مسلمانوں کو دینی برکات سے مستفیض فرمایا جس کا اندازہ خارج از تحریر ہے‘‘۔

(ہفت روزہ الفقیہ امرتسر ص ۷/مارچ ۱۹۳۱ء)

رام غلام جو ماریشس کے وزیر اعظم تھے انھوں نے بھی آپ کی ان تبلیغی خدمات کا ذکر کیا ہے جو آپ نے ماریشس کی سرزمین پر انجام دی ہیں۔جلسۂ عید میلاد النبی ﷺ کے موقع سے انھوں نے آپ کی تبلیغی خدمات کا اعتراف ان لفظوں میں کیا ہے۔

> ’’یہ خطہ پُرسکون ہے اور اس کے سکون کا سہرا مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی کے سر ہے جنھوں نے اپنی تبلیغ اور اس کی تعلیم سے یہاں کے باشندوں کو امن وسکون سے رہنے کا درس دیا‘‘۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۷/فروری ۱۹۷۸ء)

مبلغ اسلام کی تقریروں نے ماریشس کی سرزمین پر انقلاب برپا کردیا۔ان کے

خطابات کی وہ اثر پذیری رہی کہ ہر شخص کے دل میں ان کے وعظ کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ محرم شریف کے موقع سے جزیرہ کے مرکزی شہر پورٹ لوئس کے ایک وسیع ہال میں مسلسل گیارہ جلسے ترتیب دیئے گئے۔ مولانا نے "ضرورت دین" کے موضوع پر وہاں فصیح و بلیغ خطاب فرمائے۔ تقابل ادیان کے موضوع پر نہایت نفیس تاریخی خطبہ دیا۔ جزیرہ ری یونین میں بھی جلسے ہوئے۔ ۶ر جون ۱۹۳۲ء رات کو پانچ ہزار مسلم و غیر مسلم کے شاندار جلوس نے آپ کو ہندوستان آنے کے لئے الوداع کہا۔ حضرت مولانا تمام شرکا کو دعائیں دیتے اور شکریہ ادا کرتے ہوئے ٹھیک تین بجے جہاز شیرالا پر سوار ہوئے۔ ۷ر جون کی شام جہاز شیرالا پر حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی سے ایک جاپانی تاجر (جو مبلغ اسلام کے کیبن کے قریب ہی ٹھہرا تھا) دینی مسائل پر گفتگو شروع کی۔ مولانا نے اس کے سامنے دلفریب انداز میں اسلام کی خوبیاں اس طرح بیان کیں کہ چند گھنٹے کی ہی مختصر صحبت میں وہ اسلام کا شیدائی بن گیا۔ رات ساڑھے دس بجے وہ خوشی خوشی مسلمان ہو گیا۔ آپ نے کلمہ تلقین کرنے کے بعد ایک عہد نامہ تیار کیا اور اس پر اس تاجر کے دستخط لئے اسلامی نام محمد عبد اللہ رکھا، اس کا جاپانی نام اساڈا تھا۔

۹ر جون کی صبح مسٹر اساڈا کے دوسرے رفیق نے بھی مسٹر اساڈا کی ترجمانی سے دینی گفتگو شروع کی تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنی بے دینی پر شرمندہ ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ آپ نے کلمہ تلقین کرنے کے بعد اس سے بھی عہد نامہ پر دستخط لئے اس کا اسلامی نام حامد عبد اللہ رکھا۔ (ہفت روزہ الفقیہ امرتسر ۲۸ر جون ۱۹۳۲ء ص ۱۰)

ماریشس کے تبلیغی دورہ کے بعد جب مولانا عبد العلیم صدیقی ہندوستان واپس آئے تو مسلمانان ممبئی نے آپ کی اس عظیم خدمت کے اعتراف میں ایک جشن کا اہتمام کیا جس میں درج ذیل الفاظ میں سپاس نامہ پیش کیا گیا۔

> ''آج کا دن ہمارے لئے بے حد مسرت کا دن ہے کہ ہم اس روز تنزل وانحطاط میں ایک ایسی سچی کامیابی و ترقی پر مبارک باد پیش کرنا چاہتے ہیں جو اسلام جیسے مقدس مذہب کی بہترین خدمت کہی جائے تو زیادہ موزوں

ہوگا" ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويا مرون بالمعروف وينهون عن المنكر " یہ وہ آیت کریمہ ہے جو علمائے حقانیہ کی ضرورت اور اس کے فرائض پر روشنی ڈال رہی ہے۔ایک زمانہ تھا کہ اسلام کا ہر فدائی امر بالمعروف ونهى عن المنكر کو اپنا فرض مذہبی سمجھتا اور پوری جد وجہد سے اس کو انجام دیتا تھا، جس کی بدولت تمام براعظم ایشیاء، برّاعظم یوروپ، براعظم افریقہ اور جزائر میں آفتاب اسلام نے اپنی روشنی پہنچائی اور دنیا کو ایک سچے مذہب سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ پھر سیکڑوں برس گزر گئے عوام کا تو ذکر کیا ایک عالم گیر غفلت نے علمائے کرام وصوفیائے عظام کو بھی دنیا کے ہر گوشے میں میٹھی نیند سلائے رکھا اور ان کو اپنے فرض منصبی کا احساس تک نہ ہوا، آخر بے دینوں کی سرگرمیوں نے، اعدائے اسلام کی جانکاہ مساعی نے ضلالت پسندان عالم کی جان توڑ کوششوں نے اور زمانہ کی ٹھوکروں نے سوتوں کو جگایا، ہوش دلایا۔ دنیا کی حالت کا صحیح اندازہ کر کے اپنے فرائض کو سمجھنے کا سبق پڑھایا، تو از سر نو علماء، صوفیاء کو تبلیغ اسلام کا خیال آیا اور کم از کم ہندوستان میں انھوں نے مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچایا الله الحمد! کہ آج ہمیں یہ کہنے کا موقع بھی ہاتھ آیا کہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں میں سے اہل سنت وجماعت کا یہ مسلمہ نوجوانان عالم ہزار تحسین وآفرین کے لائق ہے جس نے دنیا کے تمام مشاغل سے منہ موڑ کر تبلیغ واشاعت کا بیڑا اٹھایا۔

آپ کی زندگی کے حالات میں یہ سن کر کہ آپ کو زمانہ طالب علمی ہی میں تعلیمات مذاہب عالم سے واقفیت حاصل کرنے کا ذوق تھا اور ایسی کتابیں پڑھنے کا شوق جو اس مخصوص مضمون پر روشنی ڈالیں ۔ ہر اہل نظر آپ کی ہونہار طبیعت اور عالی حوصلہ فطرت سے یہی توقع ہوسکتی تھی کہ آپ ایک روز ترقی اسلام کے حقیقی بہی خواہ اور دین حق کے سرگرم خدمت گار ثابت ہوں

گے۔ ہندوستان میں ایسے افراد کی تعداد ضرور نظر آئے گی اگر چہ وہ انگلیوں پر ہی گننے کے قابل ہوں، جن حضرات نے علوم قدیمہ مذہبیہ کے ساتھ ہی ساتھ علوم جدیدہ بھی حاصل کئے، لیکن ایک پختہ عقیدے والا سچا مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم جہاں تک خیال کرتے ہیں آپ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے انگریزی دانی سے صحیح صحیح فائدہ اٹھایا۔

مختلف اخبارات میں یہ دیکھ کر فرحت ہوئی کہ آپ نے سیلون، جاوا، ملایا، ماریشس، اور ایسٹ افریقہ کے دوسرے جزائر میں تبلیغ اسلام کی وہ خدمات انجام دیں جنھوں نے پرانے تثلیث پرستوں کو حلقہ بگوش توحید بنا دیا۔

۱۔ سیلون میں پادری ریونڈ کنگ بری پروفیسر کولمبو یونیورسٹی کا ایک معرکۃ الآرا جلسہ میں آپ کی تقریر سے اثر پاکر دولت اسلام کا شرف حاصل کرنا ایک بے مثال کامیابی ہے۔ خصوصاً جب کہ ان بزرگ نے اپنی عمر کے بیس برس محض خدمت نصرانیت پر صرف کئے تھے ایسے پختہ کار شخص کی طبیعت پر اسلام کا سکہ بٹھانا آپ ہی جیسے مقرر کا کمال تھا اور خدا تعالیٰ کا فضل آپ کے شامل حال ہے کہ اس نے یہ مقدس خدمت اسلام آپ کے ہاتھ سے اتمام کو پہنچائی۔

۲۔ اسی طرح برطانیہ فرانس اور امریکہ کے تین نصرانیوں کا آپ کے دست مبارک پر سنگاپور میں داخل اسلام ہونا خاص کر ان میں سے ایک شخص کا بیعت ہو کر روحانی تعلیم کا بھی فیض پانا آپ ہی کے شایان شان ہے۔

۳۔ ماریشس ایسٹ افریقہ میں تقریباً پچاس تثلیث پرستوں کو تعلیم توحید کا فرقہ بنا کر اسلام کی خوبیاں ان کے دلوں میں بٹھا کر انگریزی زبان میں پیام الٰہی سنا سنا کر راہ مستقیم پر قائم کرنا آپ کے فیوضات میں سے زبردست فیض ہے جو حق پسند قلوب بھلا نہیں سکتے۔

۴۔ماریشس اور جاوا میں قادیانیت کی بیخ کنی کر کے درجنوں ’’گرویدگان ضلالت قادیان‘‘ سے توبہ وبیعت لینا اور حقانیت اسلام کی تعلیم دینا بھی آپ کا نمایاں کارنامہ ہے۔

۵۔سنگاپور اور ماریشس میں اسلامی اخبارات ورسائل کا اجرا بھی آپ کی دوراندیشی کا ایک زریں باب ہے۔حق یہ ہے کہ تبلیغ واشاعت اسلام کے لئے اخبارات ورسائل کی نہایت ضرورت ہے۔مولانا! آپ کی خدمات عالیہ کے سلسلے میں سب سے اہم بات جو ہماری نظروں کے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ:

’’آپ نے یہ سب خدمات محض اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر متوکلانہ شان سے انجام دیں۔اب تک نہ کوئی انجمن آپ کی پشت پر ہے جو اس راہ کے مصارف کا بارگراں برداشت کرتی نہ کوئی شخصیت آپ کی مدد ومعاون ہے۔ذاتی صرف زرکثیر کے ساتھ ان پاکیزہ خدمات کا انجام دینا فی الحقیقت آپ ہی کی بلند حوصلہ کی ایک بیش بہا مثال ہے۔جب ہم نے ’’سیاست‘‘ زمیندار‘‘ اور دوسرے اردو گجراتی رسائل واخبار میں پڑھا کہ اس عظیم الشان سفر میں نہ آپ کو نام ونمود سے غرض تھی،نہ چندہ کی طلب، نہ نذرانہ کی خواہش،تو حقیقت یہ ہے کہ ہماری حیرت بیش از بیش ہوگئی اور سچے دل سے آپ کے حق میں دعائیں نکلیں کہ مولیٰ تعالیٰ آپ کو مزید توفیق عطا فرمائے اور ہر طرح آپ کی مدد کرے۔

ہم یہ سن کر بہت خوش ہیں کہ آپ عنقریب لندن،پیرس،اور امریکہ کا سفر بھی فرمانے والے ہیں قادر مطلق آپ کو کامیابی عطا فرمائے۔

جناب مولانا!

تبلیغ واشاعت کی اشد ضرورت ہوتے ہوئے بھی بمبئی کے مسلمان آج کل اس سے سخت غافل ہیں باوجودیکہ یہاں تبلیغی انجمنوں کے عملی کام

تبلیغی اخبار اور تبلیغی رسائل کی سخت ضرورت ہے۔ آپ کے علوئے ہمت سے سبق سیکھتے ہوئے ہم عنقریب اس خدمت کو اپنے ہاتھوں سے مستعدی سے انجام دیں گے اور توقع ہے کہ آئندہ ورود بمبئی کے موقع پر آپ ہمیں تبلیغی خدمات انجام دیتے ہوئے پائیں گے۔

آخر میں ہم آپ کی خدمت میں جن کا بدلہ صرف خدائے جلیل دے سکتا ہے دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دست بدعا ہیں کہ ''رب العزت آپ کے بلند ارادوں میں کامیابی دے اور ایسی تمام کامیابیوں میں دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے''۔ (آمین)

آپ کے مخلصین

عہدہ داران وارا کین جمعیت علمائے صوبہ بمبئی، جمعیت عالیہ اسلامیہ صوبہ بمبئی، انجمن ترغیب و تعلیم اسلام بمبئی

(ہفت روزہ الفقیہ امرتسر ۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء ص ۴)

مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صدیقی نے ماریشس کے ۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۹ء کے درمیان کئی دورے کئے مبلغ اسلام کا ہر دورہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ آج ماریشس میں جو اسلام کی باغ و بہاری نظر آ رہی ہے سب آپ کی جد و جہد کا ثمرہ ہے۔ ماریشس کے سفر کی ایک روداد الفقیہ امرتسر نے اس زمانہ میں ان الفاظ میں شائع کی تھی جس کا عنوان کچھ اس طرح تھا۔

'' جزیرہ ماریشس میں آفتاب اسلام کی ضیاباریاں ایک انگریز جہاز راں افسر نے اسلام قبول کیا''۔

''حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی متوطن میرٹھ ''ہندوستان'' کے جزیرہ ماریشس میں تشریف لانے سے تمام جزیرہ میں عجیب وغریب برکات کا نزول ہو رہا ہے۔ تمام جزیرے کی تنظیم کی جا چکی ہے اور تمام مسلمانان جزیرہ کی ایک متحدہ جمعیۃ بنالی گئی ہے ہر مسجد نمازیوں سے معمور

ہوگئی ہے۔ ایسی بستیوں میں جہاں کوئی نمازی تھا نہ نماز کی جگہ، مسجدیں تعمیر ہورہی ہیں۔، غیر مسلمین بھی جوق در جوق حضرت مولانا کے پُر اثر مواعظ کے سننے کے لئے آتے ہیں اور جن کی قسمت میں ہدایت ہے وہ اسلام لاتے ہیں، یوں تو اس وقت تک بہت سے ہندو عیسائی، مرد، عورت مولانا کے فیض تقریر سے متاثر ہوکر حلقہ بگوش اسلام بن چکے ہیں لیکن حال ہی میں ۶ /جنوری ۱۹۳۳ء کی شام کو یونین لائن کے جہاز کا ایک انگریز افسر جہاز کے بندرگاہ پر لنگر انداز ہونے کے سبب مسجد جامع پورٹ لوئس کو دیکھنے کے لئے مسجد مذکور میں آیا اور اتفاقاً حضرت مولانا کی زیارت سے مشرف ہوا۔ مختصر گفتگو کے بعد حضرت مولانا نے باتوں ہی باتوں میں اس قدر دلکش انداز میں اسلام کی صداقت اور سادگی کو اس کے سامنے پیش کیا کہ اس کو اسلام قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہ رہا''۔

(الفقیہ امرتسر ۱۴/مارچ ۱۹۳۳ء)

سرینام

سرینام جنوبی امریکہ میں واقع ہے اس علاقہ کو امریکن حقارت سے'' بنانا ری پبلک'' کہتے ہیں۔ کیوں کہ امریکی تاجران جنوبی امریکی ملکوں سے کثیر تعداد میں کیلا اپنے ملک لے جاتے ہیں۔ سرینام کے جانب شمال میں بحر اوقیانوس مغربی جانب'' گیانا''، جنوب میں جمہوریہ برازیل اور مشرق میں'' فرنچ گیانا'' واقع ہے۔ مغربی مورخین کے بقول سرینام کو ہسپانوی جہاز راں الاسودی اوجیدا نے ۱۴۹۹ء میں دریافت کیا تھا۔ یہ ملک ۲۵/ نومبر ۱۹۷۵ء کو ولندیزی تسلط سے آزاد ہوا اور حکومت ہالینڈ نے سرینام میں جمہوری حکومت قائم کر کے ملک کی باگ ڈور اس کے سپرد کردی۔ یہاں کا سرکاری مذہب عیسائی کیتھولک ہے۔ عرصہ دراز سے اس خطہ نے اسلامی رہنماؤں اور علمائے اسلام کی صورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ نصف صدی سے زیادہ زمانہ تک وہاں سے کسی نے حرمین طیبین کا سفر نہیں کیا تھا۔ برصغیر ہند سے پاکستان نام کی مسلم ریاست عالم ظہور میں آئی تو سرینام کے

مسلمانوں نے اس پر اپنی بے پناہ مسرت وشادمانی کا اظہار کیا۔ یہاں اسلام کی روشنی کس طرح پھیلی اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے مولانا بدر القادری لکھتے ہیں۔

''سرینام میں دینی اور اسلامی انقلاب کی تاریخ اس دن سے شروع ہوئی جب مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد العلیم میرٹھی علیہ الرحمہ نے وہاں قدم رنجہ فرمایا۔ وہ ایمان وسرفروشی کی باد بہاری کا ایک جھونکا تھا جو خلیفہ امام احمد رضا قدس سرہ کی آمد سے ''پارا ماری بو'' کی سرزمین پر ظاہر ہوا۔ علامہ صدیقی علیہ الرحمہ علم وفراست کے ساتھ روحانیت کی دولت سے مالا مال تھے۔ مدتوں کی ترسی پیاسی مسلمان سرینام کی نگاہوں نے اس عالم ربانی کی زیارت سے خود کو نہال کیا۔ علامہ صدیقی علیہ الرحمہ نے ایک حاذق طبیب کی طرح مسلمانان سرینام کے ماحول کی بیماریوں کو نبض پر ہاتھ رکھتے ہی گرفت میں لے لیا، وہ عقیدہ فاسدہ کے جراثیم تھے جنہیں مرزا غلام احمد قادیانی کے اختلاف نے انگریز گورنمنٹ کی سرپرستی میں مسلمانان سرینام کے ایمانی واسلامی خون میں شامل کرنا شروع کر دیا تھا، علامہ صدیقی علیہ الرحمہ نے بلا تامل عمل جراحت شروع کر دیا اور ہندوستانی نسل کے مسلمان جو بھولی بھیڑوں کی مانند تھے، ان میں چھپے ہوئے بھیڑیوں کی نشاندھی کی۔ اسلام اور مرزائیت کے بُعد المشرقین کو واضح کیا۔ اس طرح ایک بھٹکتا ہوا قافلہ راہ منزل سے لگ گیا ضلالت وگمراہی کے اندھیروں میں گم ہو جانے والوں نے ''صراط مستقیم'' پالی۔ سیکڑوں لوگوں نے توبہ واستغفار کر کے اپنی عاقبت درست کی۔ علامہ صدیقی علیہ الرحمہ کے بعد ان کے خلیفہ ومجاز مولانا فضل الرحمان انصاری نے اپنے شیخ کے حلقوں کا دورہ کیا۔ وہ سرینام بھی تشریف لے گئے۔ ان کے ذریعہ سرینام میں پہلا اسلامی مرکز قائم ہوا حاجی سکھئی مرحوم نے جامع مسجد کے لئے اپنی زمین وقف کی اور ایک مقام صلوٰۃ سے ترقی کر کے ''جامع مسجد پارا ماری بو'' تعمیر ہوئی اور اس سے متصل ایک انصاری اسکول کی بنیاد رکھی گئی۔ یہی مسجد اور تنظیم

مسلمانان کی تاریخ کا مرکزی مینار ثابت ہوئی۔ ان دونوں بزرگوں کے کاموں کو مزید آگے بڑھانے اور مرزائیت کا زہر کافور کرنے میں حضرت مولانا شاہ احمد نورانی بن حضرت مولانا عبدالعلیم میرٹھی صدیقی علیہ الرحمہ نے نہایت دلچسپی لی اور آج تک سرینام سے لے کر ہالینڈ تک سرینامی مسلمانوں کی دینی قیادت و رہنمائی کا فریضہ نہایت جرأت و پامردی سے انجام دے رہے ہیں۔ علامہ شاہ احمد نورانی صاحب ہی کی کوشش سے مولانا سید سعادت علی قادری مدظلہ العالی کئی سال تک سرینام کے مسلمانوں کی دینی رہنمائی کرتے رہے۔ مولانا کے قیام سرینام سے وہاں کے مسلمانوں میں تعمیری تہذیبی اور تنظیمی بیداری کا خاصا کام ہوا۔ ان تمام علماء اور بزرگوں نے اپنے اپنے طور پر سرینام میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی رب قدیر انہیں ان کی محنتوں کا بہترین صلہ دے، آمین۔'' (جادہ و منزل ص ۴۱۳)

بر مارنگون

بر مارنگون کا سفر مبلغ اسلام نے ۱۹۲۷ء میں کیا۔ اس سفر کے محرک رابندر ناتھ ٹیگور تھے۔ رابندر ناتھ ٹیگور فلسفی اور عظیم شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بنگلہ ادب میں ایک خاص اسلوب کے مالک تھے مگر مسلمانوں کے تئیں کچھ زیادہ ہی متعصب تھے۔ برما کے لوگ انتہائی خوش حال تھے ایک مرتبہ رابندر ناتھ ٹیگور برما کے لوگوں کے مہمان بنے وہاں ان لوگوں نے ان کے لئے ایک لیکچر کا اہتمام کیا، اس میں انھوں نے جو کچھ فرمایا اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

'' انڈونیشیا کے مسلمانوں کو اسلام چھوڑ کر بت پرستی اور ہندومت قبول کرنے کی دعوت دی اور یہ کہا کہ تمہارے آباواجداد کا دھرم یہی تھا۔ یہ مسلمانوں کو ارتداد کی کھلی ہوئی دعوت تھی جس سے مسلمان انتہائی برافروختہ ہوئے مگر ٹیگور جیسے نام نہاد عظیم فلسفی کو چیلنج کرنے کی ہمت کس میں تھی۔ مولانا (عبدالعلیم صدیقی) نے اس کے خطبات میں اٹھائے گئے تمام باطل اعتراضات کا نہایت مدلل تاریخ و فلسفہ کے حوالوں سے بھر

پور جواب دے کر نہ صرف اس کی بولتی بند کر دی بلکہ انڈونیشیائی مسلمانوں کا اسلام قوی اور ایمان تازہ کر دیا۔ مولانا کی تحریک پر انڈونیشیا کے علماء کی جماعت نهضة العلماء نے ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی جو ملک کی پہلی تاریخی کامیاب ترین موتمر ثابت ہوئی۔ وہاں کی ایک قدیم اور مسلمانوں کی تنظیم جس کا نام الجمعية المحمدية تھا کو تازہ دم کر کے عیسائیت اور قادیانیت وغیرہ گمراہ مذاہب سے حفاظت کی مکمل منصوبہ بندی کر کے انڈونیشیا کو مستقبل کے خطرات سے محفوظ اسلام کا قلعہ بنا دیا۔ جہاں اب تک بحمدہٖ تعالیٰ مسلمان اس کے برگ و بار سے فائدہ اٹھا رہے ہیں''۔ (سلطنت مصطفےٰ کا سفیر ص ۳۹)

ساؤتھ افریقہ

مبلغ اسلام نے ۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۵ء میں ساؤتھ افریقہ کے شہروں ''زنجبار''، ''موزنبیق'' اور ''کینیا'' کا سفر کیا۔ ساؤتھ افریقہ جانے کا سبب یہ بنا کہ مبلغ اسلام کے ایک شاگرد مسٹر محمد مکی جو کچھ دنوں میرٹھ میں رہ کر آپ سے استفادہ کر چکے تھے انہوں نے تبلیغ دین کے لئے ایک ادارہ مکی پبلی کیشن کے نام سے قائم کیا تھا۔ انہوں نے اس کے افتتاح کے موقع پر آپ کو دعوت دی تھی۔ ''ڈربن'' کی جامع مسجد میں آپ نے خطاب کیا اور لوگوں کو دامن اسلام کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی دعوت دی۔ اسی سفر کے دوران آپ نے ''ویٹ واٹرس رینڈ یونیورسٹی میں اہم خطابات وتقاریر کے بعد ''زنجبار''، ''دار السلام'' اور ''ممباسہ'' تشریف لے گئے اور یہیں برنا ڈشا سے ملاقات ہوئی اور اسلام کے موضوع پر مباحثہ ہوا اس مباحثہ کی مکمل روداد ہند و پاک سے شائع ہو چکی ہے۔

موزنبیق

"موزنبیق" ساحل بحر عرب پر واقع قدرتی ذخائر سے مالا مال افریقی ملک ہے لونزو مارگ (موپٹو) اس ملک کا دار السلطنت ہے ساحل بحر عرب پر واقع ہونے کی وجہ سے آب و ہوا انتہائی عمدہ ہے۔ آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا احمد مختار صدیقی اسی

دار السلطنت کی عظیم الشان جامع مسجد میں خطیب و امام تھے۔ ایک مرتبہ اس شہر میں ہمارے مخلص و کرم فرما حضرت مولانا نسیم اشرف حبیبی کا جانا ہوا وہ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مپوٹو کے قریب گاؤں میں سڑک سے اتر کر کچے راستے پر ایک ضعیف العمر بزرگ نظر آئے اور سلام و دعا کے بعد مجھ سے وطن پوچھا ہندوستان کا نام سنتے ہی ان کا چہرہ کھل اٹھا فوراً عبد العلیم صدیقی کا نام لے کر پوچھا انہیں جانتے ہو؟ اثبات میں جواب پا کر میرا ہاتھ پکڑا اور ایک درخت کے قریب لا کر کھڑے ہو گئے پھر کچھ عربی اور کچھ انگریزی میں بتاتے رہے کہ وہ یہاں تنہا آئے اور اس درخت کے نیچے کھڑے ہو کر قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگے جس کی آواز گھروں میں سنی جا رہی تھی، لوگ مرد، بچے، عورتیں نکل نکل کر یہاں جمع ہونے لگے، پھر انہوں نے وعظ شروع کیا پھر آخرت پر ایمان کا مفہوم سمجھایا بہت سے مسلمان رونے لگے ان کے ہاتھ پر توبہ کی جو مسلمان نہیں تھے کلمہ پڑھا''۔

(سلطنت مصطفیٰ کا سفیر ص ۴۴)

روم

''روم'' کا تبلیغی سفر اس لئے مزید اہمیت کا حامل ہے کہ وہاں آپ نے پاپائے اعظم کو اسلام کے تعلق سے دعوت فکر دی۔ ترکی و بلاد اسلامیہ کے دورے کے بعد آپ نے روم کے مشہور شہر ''وٹی کان وٹی'' جو پاپائے اعظم کا صدر مقام ہے قیام کیا۔ یونیورسٹیوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں خطاب فرماتے رہے۔ پاپائے اعظم سے ملاقات کے ساتھ آپ نے ایک عرضداشت بھی پیش کی اور یہ دعوت فکر دی کہ وہ کمیونزم (جو خدا تعالیٰ پر ایمان کے قائل نہیں) کے خلاف مولانا کے مہم میں شامل ہوں اور خدائے تعالیٰ کی وحدانیت پر اتفاق کریں۔ پھر اس کے بعد آپ وہیں سے اسپین، پُرتگال، جرمنی اور ہالینڈ کے سفر پر چلے گئے۔

سنگاپور

سنگاپور: مبلغ اسلام کی تبلیغی سرگرمیوں کا بڑا اہم مرکز رہا ہے۔ یہاں کا سفر آپ نے ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۶ء میں کیا۔ وہاں کی تاریخ میں مسلمانوں کا پہلا جریدہ " دی جنوین اسلام " جاری کیا۔ یہ نام غالبًا قادیانی لٹریچر سے امتیاز کے لئے رکھا گیا تھا۔ یہ میگزین انگریزی میں تھا اور معیاری تھا اس لئے اس کے بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے، لوگ خواب غفلت سے بیدار ہوئے اور رفتہ رفتہ گمراہیوں سے تائب ہوئے۔ آپ نے وہاں تنظیم المذاهب کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی اور تمام دنیا کے عیسائی، یہودی، بدھ مت اور سکھ مذہب کے پیشواؤں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے لادینیت کا قلع قمع کرنے کی اپیل کی۔ اسی طرح کی ایک تنظیم آپ نے مصر میں بھی قائم کی۔ اسی سنگاپور کے سفر میں آپ کو هز هائی نس کا خطاب بھی دیا گیا تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ جنوبی ایشیائی اور جنوبی مشرقی ایشیائی مسلمانوں کی ایک کانفرنس سنگاپور میں منعقد ہوئی مسٹر سید ابراہیم اشگوف نے اس کانفرنس کی صدارت فرمائی۔ آپ نے اس عظیم الشان کانفرنس میں ایک تجویز پاس کی اور حاضرین کانفرس سے درخواست کی کہ انڈونیشیا کی ممنون مسلم اقوام کی جانب سے مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی صاحب کو ان کی گراں قدر خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں " هز هائی نس " کا خطاب پیش کیا جائے۔ چنانچہ لاکھوں عقیدت مندوں کے ہجوم میں آپ کو اس معزز خطاب سے نوازا گیا۔ آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ اسے قبول کیا تاکہ مسلمانوں کے جذبۂ محبت وعقیدت کی قدر ہو سکے۔

سنگاپور: کا ایک دوسرا دورہ مبلغ اسلام نے جاپان جاتے ہوئے بھی فرمایا تھا۔ جس کی روداد اخبار الامان دہلی کے شمارہ جون ۱۹۳۶ء میں شائع ہو چکی ہے مولانا فرماتے ہیں:

> ''۲۲/اپریل ۱۹۳۶ء کو فرانسیسی جہاز سے راہی جاپان ہوا ۲۴/اپریل کو سہ پہر جہاز بندرگاہ سیکون پر لنگر انداز ہوا۔ یہ علاقہ انڈوچائنا کا ایک بڑی بندرگاہ اور فرانسیسی مستعمر ہے۔ شہر نہایت صاف ستھرا اور بالکل پیرس کا

نمونہ بنا ہوا ہے، اس علاقہ میں اب تک کوئی خدا کا منادی اسلام کی آواز بلند کرنے کے لئے نہیں آیا، پہلا موقع ہے کہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ کل ایک جلسہ میں انگریزی میں تقریر کروں گا جس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں ہوگا۔ پرسوں پھر ایک تقریر ہوگی آج دوپہر صرف عربی زبان میں تقریر ہے۔ عرب حضرات کے لئے اور شب کو صرف اردو میں ہندی پنجابی اور پشاوری حضرات کی خاطر۔ مدراسی مسلمانوں کو تبلیغ کی طرف روزانہ ایک گھنٹہ شب میں تقریر کرتے ہیں جس کا ترجمہ تمل زبان میں ہوتا ہے''۔

(سلطنت مصطفیٰ کا سفیر ص ۴۶)

جاپان

جاپان : کا دورہ مبلغ اسلام نے ۱۹۳۶ء میں کیا۔ '' سائنسی ایجادات میں مسلمانوں کا حصہ'' کے موضوع پر بلیغ خطبہ دیا۔ آپ کی تبلیغ کے نتیجہ میں جن لوگوں کے قلوب اسلام کی طرف مائل ہوئے ان میں اکثریت تعلیم یافتہ لوگوں کی تھی۔ اسی سفر میں ''نگویا مسجد'' کی تعمیر کا سنگ بنیاد آپ نے رکھا۔ مسلم نوجوانوں کی ایک جماعت کو ''الازہر یونیورسٹی'' میں ''الداعی'' کی ٹریننگ کے لئے آمادہ کیا اور اس کے انتظامات فرمائے۔

امریکه

امریکه: میں بھی آپ کی دعوتی سرگرمیاں بڑے جوش وخروش کے ساتھ جاری رہیں۔ وہاں بھی آپ کی داعیانہ سرگرمیوں کے باعث سیکڑوں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ جب آپ انگلستان سے امریکہ پہنچے تو بے شمار امریکن مسلمان آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔ مشرقی یونائیٹڈ اسٹیٹ کے مفتی اعظم حضرت عبدالرحمان لسٹر نے اس موقع سے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ شکاگو میں قیام کے دوران دس انگریزوں نے اسلام قبول کیا۔ ایک دن آپ نے نیویارک کے سٹی ہال میں تقریر کی جلسہ اختتام تک پہنچتے پہنچتے ۹۲؍امریکن انگریز دولت اسلام سے مشرف ہوگئے۔ جن میں مشہور سائنس داں مسٹر جارج اینٹونوف اور ان کی بیگم شامل ہیں۔ امریکہ کے دارالسلطنت واشنگٹن کے متعدد اداروں میں

جب آپ خطاب فرمار ہے تھے تو ۳۶ رانگریز جو مختلف کالجوں میں پروفیسر تھے۔ سب کے سب مع اہل وعیال دامن اسلام سے وابستہ ہوگئے۔ میچی گن یونیورسٹی کے ایک ماہر تعلیم مسٹر عبدالباسط نعیم نے اس موقع سے آپ کی شاگردی اختیار کی اور مبلغ اسلام کی زیر سرپرستی ایک بلند پایہ میگزین ''اسلامی دنیا اور امریکہ'' جاری کیا۔ جو کافی سالوں تک اسلام کی معلومات سے لوگوں کے دل ودماغ کو معطر کرتا رہا۔

(امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں ص ۶۹)

اس سفر کی روداد خلیل احمد راناهفت روزہ افق کراچی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> '' شکاگو کے دوران قیام آٹھ امریکی مسلمان ہوئے ،ایک دن شہر نیویارک کے سٹی ہال میں عالمانہ تقریر کی، جلسہ برخاست ہوتے ہی ۹۲ امریکیوں نے اسلام قبول کیا جن میں مشہور سائنس داں مسٹر جارج اینٹو نوف اوران کی بیگم شامل ہیں۔ واشنگٹن میں مختلف علمی اداروں میں لیکچرز دینے کے بعد ۳۶ رامریکن پروفیسرز اپنے اہل وعیال کے ساتھ مسلمان ہوئے ،واشنگٹن ہی میں ''انسانی مسائل کا حل'' کے عنوان سے لاجوب تقریر کی ،میچی گن یونیورسٹی کا ہونہار ماہر تعلیم مسٹر عبدالباسط نعیم آپ کا شاگرد ہوا اور مولانا کی زیر سرپرستی امریکہ سے ایک بلند پایہ اسلامی میگزین "THE ISLAMIC WORLD AND THE U,S,A" (اسلامی دنیا اور امریکہ) جاری کیا۔کینیڈا میں گیارہ علمی اداروں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں لیکچرز دیئے۔ اومنٹن ،کوبیک ،اور مونٹریال میں عرصہ تک قیام کیا۔ ٹرینڈاڈ میں چھ ماہ تک قیام رہا اور اسلامی سرگرمیوں کے پھیلاؤ کے لئے ٹھوس بنیاد رکھی، جو کہ ان کے تشریف لے جانے کے بعد بڑی سرعت سے پروان چڑھی ۔اس کے بعد آپ نے برٹش گیانا،ڈچ گیانا،انگلستان ،فرانس، روم ،حجاز ،مصر، ماریشس ، ری یونین، مڈغاسکر، شرقی افریقہ، سیلون ، ملایا ، سیام ، اور

انڈونیشیا وغیرہ کا دورہ مکمل کیا۔ ۱۹۵۰ء میں ایک خط جو مبلغ اسلام نے
قاہرہ (مصر) سے عیسائیوں کے پوپ پال کو لکھا تھا، اس خط کے ایک
ایک جملے سے آپ کے ان احساسات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو
لادینیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے پیش نظر آپ کے ذہن میں
ابھرے تھے''۔ (ہفت روزہ کراچی ۱۹/تا ۲۵ نومبر ۱۹۷۹ء ص ۶)

انڈوچائنا

انڈوچائنا میں مبلغ اسلام نے جو تبلیغی خدمت انجام دیں اس سے متاثر ہوکر لوگوں نے ایک مسلم مشنری سوسائٹی وہاں قائم کی اور ۲۳/ مرد، عورت مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جس میں ایک تمل ہندو ۲۲/انم قوم کے افراد ہیں، جن کا دھرم بدھ مت تھا اور اس کے علاوہ جو اثرات مرتب ہوئے اس کا ذکر آپ نے مظہر الدین کے نام لکھے خط میں ان لفظوں میں کیا ہے۔

''شاندار جلوس کے ساتھ مسجد تک پہونچا یہ مسجد مسلمانوں نے پہلی بار ۱۸۶۷ء میں تعمیر کی تھی۔ اس کفرستان میں یہ پہلا خدا کا گھر ہے۔ عمارت بوسیدہ ہوچکی تھی اس لئے ۱۹۲۴ء میں اس کی جدید تعمیر کا آغاز ہوا۔ مجھے اس کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے ستمبر ۱۹۳۴ء میں بلایا گیا تھا۔ مگر میں جنوب افریقہ کے اشد ضروری کام پر چلا گیا تھا۔ پھر ۱۹۳۵ء کے وسط میں یاد کیا گیا۔ مگر اپنی اور اہلیہ کی علالت کے باعث نہ آسکا۔ اب جاپان جاتے ہوئے ان حضرات کا اصرار ہوا۔ پانچ دن کے لئے یہاں ٹھہرا کہ نئی بنائی گئی مسجد میں تقریر کروں''۔ (سلطنت مصطفیٰ کے سفیر ص ۴۸)

آج جو ہندوستانی علماء ان ممالک میں دینی خدمت انجام دیتے ہیں جہاں مبلغ اسلام نے دعوت دین کا اہم فریضہ انجام دیا انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ آج سے برسوں پہلے مبلغ اسلام نے انہیں اسلام کا کلمہ پڑھا کر ان کے دلوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام سے سچی محبت پیدا کی اور انھیں جو اسلام کی تعلیمات بتائیں آج بھی ان ممالک کے مسلمان اس

پر مکمل طور پر عمل پیرا ہیں۔ان مسلمانوں کی مبلغ اسلام سے والہانہ عقیدت کس قدر ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ اسی عقیدت کی بنیاد پر اپنے بچوں کا نام کثرت سے " عبد العلیم "مساجد کا نام" عبد العلیم مسجد" صدیقی مسجد،مکان کا نام" عبد العلیم هاؤس، صدیقی منزل، مدارس کا نام"دار العلوم علیمیه" رکھتے ہیں۔ڈربن میں ایک روڈ کا نام ''میرٹھ روڈ'' بھی ہے جو مبلغ اسلام کا وطن ہے۔

مبلغ اسلام عبد العلیم میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس شیخ کے تربیت یافتہ اور دست گرفتہ تھے،اس کا نام افریقہ کی سرزمین پر پہلے سے ہی متعارف تھا۔مبلغ اسلام نے وہاں پہنچ کر نہ صرف جو لوگ اسلام سے دور تھے ان کے دلوں کو ایمان کی روشنی سے منور کیا بلکہ جو کسی طرح امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت سے واقف تھے ان کو سنیت کا جام پلا کر اس طرح سرشار کیا کہ آج بھی وہ خمار ان کی نسل میں باقی ہے اور یہ اسی داعیانہ سرفروشی کا ثمرہ ہے کہ آج کے خطبا و مبلغین اسی بنی بنائی فصل سے اپنے آپ کو آسودہ کر رہے ہیں۔امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تصنیف" فتاوی افریقه" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء ہی میں وہاں سے استفتا آنے شروع ہو گئے تھے وہاں سے ایک سو گیارہ فتاوے بریلی کے دار الافتا میں آئے جس کا تفصیلی جواب امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری نے ارسال کیا،فتاوی کے اسی مجموعہ کو بعد میں السنية الانیقه فی فتاوی افریقه کے نام سے ۱۳۳۶ھ میں شائع کر دیا گیا۔(تذکرہ خانوادہ علیمیہ: غلام یحییٰ انجم ص ۹۲ دہلی ۲۰۱۵ء)

❁❁❁❁❁

حضرت مولانا شاہ احمد نورانی میرٹھی
علیه الرحمة والرضوان

مولانا شاہ احمد نورانی علیہ الرحمۃ مبلغ اسلام حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرزند گرامی تھے آپ نے اپنے والد ماجد کے دعوتی مشن کو بڑی وتوانائی کے ساتھ جاری وساری رکھا اور اس سلسلہ میں ۱۹۵۵ء میں مصر، ۱۹۵۷ء میں روس،

۱۹۵۹ء میں مشرق وسطیٰ، ۱۹۶۰ء میں شرقی افریقہ، مڈغاسکر، ماریشس، ۱۰۶۲ء میں صومالیہ، کینیا، اسکینڈ یونین، ۱۹۶۴ء میں امریکہ، کینیڈا، ۱۹۶۵ء میں کینیا، تنزانیہ، یوگانڈا، مالاگاسی، اور ماریشس، ۱۹۶۷ءم، ۱۹۶۸ء میں برطانیہ اور امریکہ مغربی جرمنی، اسپین، تیونس، الجزائر، ترکی، لیبیا کا تفصیلی تبلیغی دورہ کیا۔ قائد اہل سنت شاہ احمد نورانی نے ایک سفر روس کا مولانا عبد الحامد بدایونی، مسٹر راغب حسن، اور سید عبد المنعم عددی کے ہمراہ کیا۔ قائد اہل سنت جہاں جہاں بھی گئے اپنی شیریں بیانی اور زور استدلال سے کافی لوگوں کو متاثر کیا مولانا محمد اشرف آصف جلالی کے بقول:

''مولانا کا انداز بیان اتنا شستہ اور شیریں ہوتا ہے کہ عمومی گفتگو سے بھی سماعت کا جی نہیں بھرتا پیرس میں کانفرنسوں کو خطاب کرنے کا ان کا ایک منفرد انداز ہے۔ لاکھوں کے اجتماعات میں سامعین ان کی آواز ہمہ تن گوش ہو کر سنتے ہیں۔ آپ کی باریک اور دلکش آواز حاضرین پر پھولوں کی برکھا برساتی ہے۔ حق گوئی سینوں میں تمازت پیدا کرتی ہے۔ جب عشق رسالت مآب کی سوغات بانٹتے ہیں تو جذب و کیف کی دھنک میں رنگ بھر جاتا ہے۔ جب بے خودی کے عالم میں آیات قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو سامعین آنکھیں جھپکانا بھول جاتے ہیں ۔جب سنی نوجوانوں کو ماضی کے جھروکوں سے اسلاف کا نمونہ دکھاتے ہیں تو روشن مستقبل کی شاخ امید ہری ہو جاتی ہے۔ جب محراب گفتگو نظام مصطفیٰ کی طرف کرتے ہیں تو انقلاب کی بجلیاں چمکنے لگتی ہیں۔ آپ کے انداز سخن کے لئے حالات کی سازگاری یا نامساعدی کی ہوا موافقت یا مخالف یکساں ہوتی ہے۔ آپ اپنا موقف غیروں کے جھرمٹ میں بھی اطمینان اور بھاری بھرکم انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں''۔

(قائد تحریک نظام مصطفیٰ شاہ احمد نورانی ص ۳۳۲)

آپ کی شیرینی کے باعث ہی لوگ آپ کے دامن ہدایت وارادت سے وابستہ

ہوئے روز نامہ پاکستان لاہور میں ہے۔

''پیرس کی ایک محفل میں مولانا نورانی وعظ فرما رہے تھے اچانک ہپی اچھلتے کودتے اسٹیج پر مولانا کی طرف بڑھے، مریدوں نے روکنے کی کوشش کی، مولانا نے اشارہ سے منع کیا اور ان سے پوچھا کہ کیا چاہتے ہیں؟ ہپی کہنے لگا ابھی مولانا جو گانا گا رہے تھے اور پھر سنا تو مولانا سمجھ گئے اور تلاوت قرآن میں محو ہو گئے ہپی! فرط جذبات میں ناچنے لگے بالآخر جذبات دھرے کے دھرے رہ گئے۔ قرآن کی عنایت نے انھیں مسلمان بنادیا اور وہ مولانا کے خادم خاص بن گئے''۔ (یادوں کے نقوش ص۱۲۰)

قائد اہل سنت نے عالمی تبلیغی دورے میں نہ صرف مشن کے برانچ قائم کئے، بلکہ سیکڑوں خطاب بھی انہیں باشندوں کی زبان میں فرمائے۔ جس کے نتیجے میں ہزارہا افراد نے اسلام قبول کیا اور ان کے دلوں میں ایمان کا اجالا پھیل گیا۔ جہاں اسلام کے نام لیوا نہیں تھے وہاں نعرۂ تکبیر ورسالت کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ ان کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرنے والوں کی لمبی فہرست ہے ماہنامہ ''سوئے حجاز'' کے مدیر لکھتے ہیں۔

''تبلیغی حوالے سے آپ نے تقریباً ساری دنیا کے دورے کئے ۱۹۹۵ء میں آپ نے ایک انٹرویو میں ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ اس وقت تک اس فقیر کے ہاتھ پر پچاس ہزار افراد دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں''۔

(ماہنامہ سوئے حجاز جنوری ۲۰۰۴ء)

اس تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہوتا رہا۔ ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ اور بقول کسے دو لاکھ لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ یادوں کے نقوش کے مصنف نے ایک لاکھ کا اعتراف کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''مولانا نورانی کے ہاتھ پر ایک لاکھ سے زائد غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا''۔

(یادوں کے نقوش ص۳۲۴)

پیر سید محمد فاروق قادری سجادہ نشیں خانقاہ قادریہ گڑھی اختیار نے بھی اس بات کا

اعتراف کیا ہے کہ حضرت شاہ احمد نورانی نے دو لاکھ لوگوں کو مسلمان کیا۔ وہ اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں۔

''وہ ہفت زبان عالم تھے نام کے نہیں حقیقی مبلغ تھے ان کے ہاتھ پر دو لاکھ سے زائد غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا وہ عربی فارسی انگریزی سنسکرت اور متعدد زبانیں مادری زبان اردو کی طرح بولتے تھے وہ مجاہد تھے انہوں نے ہر آمر ہر غیر انسانی، غیر اسلامی فکر و شخصیت کے خلاف عمر بھر جہاد کیا وہ بولتے تھے تو منھ سے پھول جھڑتے تھے وہ متقی متورع اور شب زندہ دار تھے وہ اونچے درجہ کے باعمل سیاست داں تھے ان کو دیکھنے والے کے لئے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ ایک نظر دیکھنے کے بعد نگاہیں ان کے چہرے سے ہٹا لے غالباً سیف الدین سیف نے انھی کے لئے کہا تھا۔

پھر پلٹ کر نگہ نہیں آئی تجھ پہ قربان ہو گئی ہو گی

(حضرت علامہ شاہ احمد نورانی ص ۴)

جن حضرات نے دوسرے ممالک میں ان کی دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ لیا ہے۔ ان کی آنکھیں ان کے کارناموں کو دیکھ کر کھلی کی کھلی رہ گئیں اور شخص واحد کے ان کارناموں کو دیکھ کر حیرت واستعجاب میں پڑ گئے، مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی نے جب افریقی ممالک کا دورہ کیا تو جو کچھ انھوں نے ان کے دعوتی کارناموں کے تعلق سے دیکھا وہ فرماتے ہیں۔

''افریقی ممالک میں شاہ احمد نورانی کے کام کو دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا سیکڑوں تعلیمی ادارے اخبارات ٹرسٹ، شفا خانے، انتہائی میکانیکی، انداز میں خدمت خلق میں مصروف تھے۔ لاکھوں لوگوں کی خدمت کرنے والے اور لاکھوں روپئے ماہانہ رفاہی کاموں میں خرچ کرنے والے مرد درویش نے ساری زندگی کرائے کے معمولی فلیٹ میں گزار دی''۔

(جہان رضا لاہور ص ۲۰)

اس طرح قائد اہل سنت کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرنے والوں کی

ایک طویل فہرست ہے بقول عبدالقدوس منہاس:

''افریقی ممالک کے ایک لاکھ سے زائد غیر مسلم نورانی کے دست حق پرست پر مسلمان ہوئے جب کہ ہزاروں قادیانیوں نے تائب ہو کر اسلام قبول کیا۔ ورلڈ اسلامک مشن کی شاخیں یوروپ وامریکہ میں بھی ہیں جہاں اس پلیٹ فارم سے کفر ودہریت اور قادیانیت کے سیلاب کا مقابلہ کیا جارہا ہے''۔(یادوں کے نقوش ص۷۶)

ذیل میں افریقہ کے تبلیغی سفر کی روداد کا ذکر کیا جارہا ہے۔

''۱۹۸۷ء میں شاہ احمد نورانی کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ کے تبلیغی دورہ پر روانہ ہوئے مولانا نے وہاں کے میئر کی جانب سے شہریوں کے استقبالیہ میں'' اسلام بیسویں صدی کے چیلنج کو قبول کرتا ہے'' کے عنوان سے انگریزی میں خطاب کیا۔ جس میں کہا کہ اب دنیا بھر میں غیر مطمئن اور بے چین انسانوں کو اسلام کی اکملیت اور جامعیت کا احساس ہورہا ہے۔ کیپ ٹاؤن کے میئر نے جوابی خطاب میں مولانا کو سفیر اسلام کے خطاب سے مخاطب کیا۔ اس دورے میں ۱۰۵ /افریقی یوروپی اور مقامی افراد نے اسلام قبول کیا''۔(یادوں کے نقوش ص۳۰۷)

(تذکرہ خانوادہ علیمیہ ص۱۶۷)

باب دوم

آسمان تصوف کے تابندہ ستارے

حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل بیت سے ہیں۔ اہل بیت کی مدح وستائش کے تعلق سے سرکار اقدس ﷺ کی کئی ایک روایتیں کتب احادیث میں موجود ہیں مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

میں حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ اونٹنی پر سوار تھے اور خطبہ دے رہے تھے میں نے سنا آپ یہ فرما رہے تھے۔

’’ یا ایھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہٖ لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی ‘‘

(یعنی اے لوگو میں نے تمھارے درمیان وہ چیز چھوڑی ہے اگر تم اس کو پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے) اور وہ چیز ایک تو اللہ کی کتاب ہے اور دوسرے میری اولاد وذریت اہل بیت)

(مشکوٰۃ المصابیح، خطیب تبریزی، ص ۵۶۹ رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۲۶ھ)

اس مفہوم ومعانی کی اور بھی کئی ایک روایتیں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہیں۔عشرۂ مبشرہ، خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت کو چھوڑ کر صرف اہل بیت کے بارے میں نبی کا یہ فرمانا کہ میں انہیں چھوڑ کے جا رہا ہوں جو تمہیں نجات کا سیدھا راستہ دکھائیں گے اور گمراہی سے بچائیں گے۔ اس میں غالبًا حکمت یہی تھی قرآن مقدس تو کلام الٰہی ہے خدا حی وقیوم ہے اسی طرح اس کا کلام بھی قیامت تک کے لئے ہے، کلام الٰہی حادث وفانی نہیں وہ رہتی دنیا تک نسل انسانی کو ہدایت ورہنمائی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا۔ جہاں تک رہی بات اہل

بیت اطہار کی تو وہ بھی نسل انسانیت کو قرآن کریم کی روشنی میں راہ حق پر چلنے کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔عشرۂ مبشرہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی چند سالوں پر مشتمل تھی،کل نفس ذائقة الموت کے تحت ایک ایک کر کے سب ہی موت کا مزہ چکھ کر جوار رحمت باری میں چلے گئے اور ایک زمانہ وہ آیا کہ روئے زمین پر اس مقدس جماعت میں سے کوئی بھی باقی نہ بچا،سب ظاہری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اگر ہمارے نبی ان حضرات کا ذکر فرماتے کہ میں انھیں چھوڑ کے جارہا ہوں تو ہمارے نبی کا مقصد شاید حل نہ ہوتا اس لئے ہمارے نبی ﷺ نے اپنے اہل بیت کو اس کام کے لئے منتخب فرمایا جو فرمان رسول کے مطابق آج بھی قرآن کریم کی روشنی میں رشد وہدایت کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں اور ان شاء اللہ تا قیام قیامت رشد وہدایت کا یہ زریں سلسلہ ان نفوس قدسیہ کے ذریعہ چلتا رہے گا۔جتنے بھی سادات کرام آج روئے زمین پر موجود ہیں ان کا نسبی سلسلہ یا تو امام حسن مجتبیٰ پر منتہی ہوتا ہے یا امام عالی مقام حضرت امام حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر،ان دونوں حضرات کے علاوہ اور کوئی تیسرا سلسلہ نہیں جس کی انتہا کسی ایسی ذات پر ہو جس کا تعلق اہل بیت اطہار سے ہو۔

اہل بیت اطہار میں کون لوگ شامل ہیں ان کی قدر ومنزلت کیا ہے ان کے مناقب ومحامد اور تعریف وتوصیف میں کس نے کیا کہا ہے اس موضوع پر متعدد احادیث اور کئی ایک کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں یہاں تو نواسۂ رسول،علی کے لخت جگر،فاطمہ زہرا کے نور نظر،پوری ملت اسلامیہ کے راہنما ورہبر حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی اور کارناموں کے تعلق سے اظہار خیال کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔

ہجرت کے تیسرے سال رمضان المبارک کی ۱۵ ؍تاریخ بروز شنبہ اور بعض کے بقول ۳ ؍شعبان المعظم ۶۲۷ ء بروز جمعہ مبارکہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی،بعض مورخین کا خیال ہے کہ ہجرت کے ساتویں سال کے اواخر یا آٹھویں سال کے اوائل میں آپ پیدا ہوئے۔منشاء الٰہی کے مطابق ہمارے نبی ﷺ نے آپ کا نام حضرت ہارون علیہ السلام کے صاحبزادہ کے نام پر شبرّ رکھا جس کے معنیٰ حسن کے آتے ہیں اور حسن

سے ہی آپ کو شہرت ملی۔ بعد ولادت ہمارے نبی ﷺ نے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور عقیقہ کیا۔آپ کی شہرت حسن سے ہوئی ،کنیت ابومحمد اور لقب سید، سبط اکبر اور مجتبیٰ قرار پایا۔آپ کی ولادت کے تعلق سے ایک خواب حضرت ام الفضل نے دیکھا تھا وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضور ﷺ کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا میرے گھر میں آیا ہے،حضور نے فرمایا بہت اچھا خواب ہے میری بیٹی فاطمہ کے ایک لڑکا پیدا ہوگا اس کے بعد ہی امام حسن پیدا ہوئے اور اس خواب کے مصداق قرار پائے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سراپا مورخین اسلام نے ان الفاظ میں کھینچا ہے آنکھیں سیاہ اور بڑی بڑی خوش نما تھیں، رخسار پتلے کتابی خط وخال کے تھے، کلائیاں گول گاؤدم تھیں، داڑھی گنجان کانوں کی لوتک بل کھاتی ہوئی تھی ، گردن ایسی بلند اور روشن گویا چاندی کی صراحی تھی، شانے اور بازو گدگدے اور بھرے بھرے تھے، سینہ چوڑا اور چکلا تھا، قد نہ اس قدر دراز اور نہ ہی کوتاہ بلکہ درمیانہ تھا، آپ کی صورت زیبا نہایت ہی حسین اور نورانی تھی، وسمہ کا خضاب کرتے تھے، آپ کے بال گھونگھرالے تھے بدن خوبصورت اور سڈول تھا۔شکل وصورت میں آپ نبیُ اکرم ﷺ کے بالائی حصہ سے بہت مشابہت رکھتے تھے اور حضرت امام حسین کی مشابہت سرکار اقدس کے زیریں حصہ سے تھی ۔ اعلیٰ حضرت حضرت امام احمد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس مشابہت کا نقشہ ان الفاظ میں اس طرح کھینچا ہے۔

ایک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک
حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیا نور کا
صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں
خط تَو اَم میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

(احمد رضا قادری: حدائق بخشش حصہ دوم ص ۵ کانپور)

دوسرے مقام پر اعلیٰ حضرت اس طرح فرماتے ہیں۔

معدوم نہ تھا سایۂ شاہ ثقلین
اس نور کی جلوہ گاہ تھی ذات حسنین
تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کئے
آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسین
(احمد رضا قادری: حدائق بخشش حصہ دوم ص ۸۷)

خاندانی وجاہت

احادیث طیبہ میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت و اہمیت اور عزت وتوقیر میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت براء بن عازب، حضرت ابن عباس اور حضرت امیر معاویہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بکثرت احادیث مروی ہیں۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس قبیلہ قریش اور دیگر بڑے قبیلوں کے بڑے بڑے لوگ موجود تھے کسی نے حضرت امیر معاویہ سے دریافت کیا کہ اس وقت ماں، باپ، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں اور نانا، نانی کے اعتبار سے سب سے زیادہ معزز کون شخص ہے۔ اس محفل میں حضرت مالک بن عجلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب سے افضل ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے والد امیر المومنین علی بن ابی طالب ہیں، ان کی والدہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا بنت رسول ﷺ ہیں، ان کی نانی ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد اور نانا نبیٔ اکرم ﷺ ہیں، ان کے چچا حضرت جعفر ہیں جو جنت میں پرواز کرتے ہیں۔

نور چشم فاطمہ تسکین قلب مرتضیٰ
راحت جان امام المرسلیں حضرت حسن
مہر چرخ احمدی ماہ سمائے حیدری
فاطمی منزل کے نجم اولیں حضرت حسن

جود و بخشش کا یہ عالم تھا کہ دیتے ایک لاکھ
اپنے منگتا سے نہ کہتے تھے نہیں حضرت حسن

فضائل و مناقب

آپ کی سب سے بڑی عظمت تو یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی مبارک گود میں آپ کی پرورش ہوئی اور صبح و شام اپنی نگاہوں کے سامنے رکھ کر آپ کی تربیت فرمائی، محبت کا عالم یہ تھا کہ اکثر اوقات آنحضرت ﷺ آپ کے لئے خود سواری بن جاتے اور حسنین کو اپنا سوار بنا لیتے تھے۔ آنحضرت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین خلائق یہ ہیں۔ اوران کی دوستی باعث نجات اوران کے ساتھ دشمنی موجب ضلالت و گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی کا یہ بھی فرمان ہے۔

''اهل بيتي كمثل سفينة نوح''
(میرے اہل بیت کی مثال نوح کے سفینے جیسی ہے)

نجابت و شرافت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، عبادت حق اور ریاضت الٰہی کا شوق حد درجہ تھا، اظہار عبودیت کی راہ میں جتنی مشکلات درپیش آتیں سب کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے، آپ نے پچیس حج ادا فرمائے مگر خاص بات یہ ہے اعلیٰ قسم کے سواری کے اونٹ ہوتے ہوئے بھی آپ نے پیدل چل کر حج کے فرائض انجام دیئے، سواری کے اونٹ آپ کے ہمراہ ضرور رہتے مگر ان پر آپ نے سواری نہیں کی۔

سخاوت و فیاضی حضرت امام حسن کو ورثے میں ملی تھی، مستند روایتوں میں ملتا ہے جب دریائے سخاوت جوش میں آتا تو بسا اوقات آپ غرباء و مساکین میں ایک ایک شخص کو ایک ایک لاکھ درہم تک عطا فرما دیتے تھے۔ ابن سعد، علی بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین بار آدھا آدھا مال راہ خدا میں دے دیا اور دو مرتبہ اپنا پورا مال اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیا۔

(جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفا ص ۲۰۰ دہلی)

سخاوت کے تعلق سے ایک دوسرا واقعہ حضرت امام یافعی نے مراۃ الجنان میں ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام حسن سے کچھ مانگا تو آپ نے اس کو پچاس ہزار درہم اور پانچ سو اشرفیاں بخش دیں اور فرمایا مزدور لاکر سب اٹھالے جا جب وہ مزدور لایا تو اس مزدور کو بھی حضرت نے اپنا چوغا دے دیا اور فرمایا کہ مزدور کی مزدوری بھی میری ہی طرف سے ہونی چاہئے۔ (امام یافعی: مراۃ الجنان جلد اول ص ۱۲۳)

صاحب ''مراۃ الجنان'' لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسن کے زہد کی حالت یہ تھی کہ تین مرتبہ اپنا کل مال راہ خدا میں تقسیم کر دیا اور دو دفعہ آدھا مال بخش دیا یہاں تک کہ اپنے جوتے بھی آدھے اپنے پاس رکھ لئے اور آدھے دوسروں کو دے دئے۔

ایک شخص نے حضرت امام حسن سے کچھ مانگا اور اپنے حال زار کی شکایت کی تو آپ اپنے کارندے کو بلا کر اس سے اپنی آمد و خرچ کا حساب لینے لگے، جب حساب پورا ہو چکا تو اس کارندے سے فرمایا اب جو کچھ تمھارے پاس میرا مال بچا ہو لے آؤ وہ پچاس ہزار درہم لایا پھر آپ نے فرمایا تمہارے پاس میری پانچ سو اشرفیاں بھی تو تھیں؟ اس نے عرض کی ہاں وہ بھی موجود ہیں۔ حضرت نے وہ بھی منگا کر کل درہم اور اشرفیاں اس سائل کو دے دیں پھر اس سے عذر خواہی کرنے لگے۔ اسی طرح حضرت امام حسن نے کسی جگہ سنا کہ کوئی سائل خدا سے دس درہم مانگ رہا ہے یہ سنتے ہی آپ اپنے دولت کدہ پر تشریف لائے اور اس سائل کے پاس دس ہزار درہم بھجوا دئے۔ حضرت امام حسن کا حال یہ تھا خود تو فاقہ سے رہنا گوارہ کر لیتے مگر کسی سائل کو اپنے دروازہ سے خالی ہاتھ واپس نہیں کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے میں خدا کی بارگاہ کا سائل اور اس سے مانگنے والا ہوں مجھے شرم آتی ہے کہ خود خدا کا سائل ہو کر دوسرے سائل کو رد کروں، خدا نے میرے ساتھ اپنی یہ عادت جاری کر رکھی ہے کہ مجھے اپنی نعمتیں دیتا رہتا ہے رہتا۔ اور میں نے دوسروں کے ساتھ یہ عادت کر لی ہے کہ خدا کی نعمتوں کو اس کی خلقت تک پہنچاتا رہتا ہوں اب میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں اپنی عادت روک دوں تو خدا بھی اپنی عادت نہ موقوف کر دے۔

(سید حیدر علی: تاریخ ائمہ ص ۲۴۷ مطبوعہ ۱۳۵۲ھ)

آپ کے حلم و بردباری کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسن اپنے دروازہ پر بیٹھے تھے کہ جنگل سے ایک اعرابی (دیہاتی) آیا اور آپ کو گالیاں دینے لگا کہ تو ایسا ہے، تیرا باپ ایسا ہے، تیری ماں ایسی ہے،۔ آپ نے اٹھ کر دریافت کیا کہ اے اعرابی کیا تم بھوکے ہو؟ یا تمہیں کوئی اور تکلیف ہے؟ لیکن وہ اسی طرح گالیاں دیتا رہا، حضرت امام حسن نے اپنے نوکر سے فرمایا کہ سونے اور چاندی کا ایک تھیلا لاکر اسے دے دو جب نوکر نے تھیلا دے دیا تو آپ نے فرمایا اے اعرابی معاف کرنا کیوں کہ آج ہمارے گھر میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جب اعرابی نے یہ بات سنی تو فوراً بول پڑا اشھد انك ابن رسول اللّٰہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ہیں۔ میں اس وقت آپ کا حلم آزمانے آیا تھا کیوں کہ یہ حقیقت ہے کہ خلق خدا کی مدح و ذم آپ حضرات کے نزدیک یکساں ہے۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں اس وقت سے حضرت امام حسن کو دوست رکھتا ہوں جب سے میں نے دیکھا ہے کہ حضرت امام حسن سرکار دوعالم ﷺ کی گود میں بیٹھے ہیں اور سرکار کی داڑھی میں اپنی انگلیاں ڈال رہے ہیں اور رسول اکرم ﷺ اپنی زبان امام حسن کے منھ میں ڈال رہے ہیں اور یہ فرماتے جاتے ہیں اے اللہ میں اس سے پیار کرتا ہوں تو بھی اس سے پیار کر۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت امام حسن کو اپنے شانے پر سوار کئے ہوئے تھے، کسی صحابی نے کہا اے صاحبزادے تم کیسی اچھی سواری پر ہو یہ سنتے ہی سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ یہ سوار بھی تو کیسا اچھا ہے۔ اس روایت کو کئی مورخین اور سوانح نگاروں نے ذکر کیا ہے۔

آپ کے خلق حسن کا حال یہ تھا کہ آپ سب کے ساتھ انتہائی تواضع اور انکساری کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ کا گذر چند لڑکوں کے ساتھ ہوا ان لڑکوں کے پاس روٹیوں کے چند ٹکڑے تھے لڑکوں نے ان ٹکڑوں سے آپ کی دعوت کر ڈالی، آپ گھوڑے سے اتر پڑے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگے پھر ان لڑکوں کو اپنے گھر لے گئے اور نئے کپڑے پہنائے اور بدلہ دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان کے پاس

سوائے اس کے جوانھوں نے مجھے کھلایا اور کچھ نہیں تھا اور میرے پاس تو اس سے بہت زیادہ ہے اور آپ کے حلم وکرم کا یہ مرتبہ تھا کہ آپ جب روئے زمین کے خلیفہ تھے ایک روز نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شریر آپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آیا اور آپ کے جسم اطہر میں خنجر چبھو دیا مگر آپ نے اسے درگذر فرمایا اور کہا کہ اے عراق والو تم ہمارے حق میں اللہ سے ڈرو ہم اہل بیت نبوت تمھارے امیر ومہمان ہیں آپ کی حالت دیکھ کر اور آپ کے کلام کو سن کر مجمع میں کوئی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں سے آنسو نہ جاری ہوں۔

ان تمام محاسن کے ساتھ ساتھ آپ انتہائی حلیم اور بردبار بھی تھے ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ مروان جب مدینہ منورہ میں حاکم تھا تو وہ منبر پر علی الاعلان حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو برا بھلا کہتا تھا مگر کمال تحمل سے اس گستاخ اہل بیت کی گستاخیوں کو برداشت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دوران گفتگو مروان نے آپ کو بہت برا بھلا کہا مگر آپ نے خاموش ہو کر والکاظمین الغیض والعافین عن الناس کا مظاہرہ فرمایا گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ اس نے اسی دوران اپنی ناک اپنے داہنے ہاتھ سے صاف کیا تو امام حسن نے فرمایا افسوس صد افسوس کہ تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ داہنے ہاتھ سے ناک نہیں صاف کرنی چاہئے (تاریخ الخلفا ص۲۰۲)

حضرت امام حسن کو ان چودہ اشراف میں سے ایک ہونے کا فخر حاصل ہے، جو ہر نبی کو حسب الارشاد نبی کریم ﷺ دنیا میں ملتے رہے جس کا پورا بیان امام ترمذی نے اپنی کتاب میں کیا ہے، ہمارے نبی ﷺ نے حضرات حسنین کریمین کو سیدا شباب اھل الجنۃ کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے، اور ان حضرات کو گود میں لے کر یہ بھی فرمایا ہے ''الٰہی یہ دونوں میرے بیٹے اور نواسے ہیں میں انھیں محبوب رکھتا ہوں تو بھی انھیں محبوب رکھ، اور نیز ان سے جو محبت رکھے اس کو بھی محبوب رکھنا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶۹)

حضرت حسن سے سرکار دوعالم ﷺ بے حد محبت فرمایا کرتے تھے اس لئے صحابہ کرام بھی ان سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ اسی وجہ سے کوئی ایسا فعل جسے نبی نے پسند نہ کیا ہو اور حضرت حسن اسے کرتے تھے تو صحابہ کرام کو نا گوار لگتا تھا، ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت

حسن نماز پڑھ رہے تھے اتفاق سے اس وقت حضرت ابو رافع صحابی رسول بھی آ پہنچے دیکھتے ہیں کہ حضرت امام حسن کے بال گندھے ہوئے ہیں حضرت ابو رافع نے اپنے ہاتھ سے حضرت امام حسن کے بال کھول دیئے جناب حسن کو ابو رافع کا یہ فعل ناگوار لگا اور کچھ برہم سے ہوئے لیکن ابو رافع نے نہایت نرمی اور اخلاص سے فرمایا کہ صاحبزادے ناراض نہ ہویئے میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ چوٹی شیطان کا اڈہ ہے اس لئے مرد کو چوٹی نہ رکھنی چاہئے اسی لئے میں نے گندھے ہوئے بال کھول دیئے ہیں۔

(اسوۂ صحابہ ص ۱۸۹ دارالمصنفین اعظم گڑھ)

حضرت امام حسن کے فضائل ومناقب میں کئی ایک احادیث مروی ہیں حضرت ابو موسیٰ حسن سے روایت ہے۔

''سمعت النبی و علی المنبر والحسن علی جنبه ینظر الیٰ الناس مرة والیه مرة ویقول ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح بهٖ بین فئتین من المسلمین"

(ابو موسیٰ حسن حضرت ابو بکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں منبر پر دیکھا ہے کہ حضرت حسن آپ کے پہلو میں تھے کبھی آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور کبھی حضرت حسن کی جانب اور فرماتے جاتے تھے میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو فریقوں کے درمیان صلح کرادے)

مصطفےٰ نے برسرِ منبر یہ لوگوں سے کہا ہیں نوید صلح بین المسلمیں حضرت حسن

۲۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔

قال نافع بن جبیر عن ابی هریره عانق النبی ﷺ الحسن

(حضرت نافع بن جبیر حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن کو اپنے سینے اور گلے سے لگالیا)

۳۔ دوسری حدیث حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں۔

عن النبی ﷺ انه کان یاخذه والحسن ویقول اللهم انی احبهما فاحبهما اوکما قال

(رسول اللہ ﷺ ان کو (اسامہ کو) اور حسن کو اٹھاتے اور فرماتے تھے اے اللہ تعالیٰ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر اوکما قال)

۴۔ حضرت براء بن عاذب سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں۔

"رائیت النبی ﷺ والحسن بن علی علیٰ عاتقهٖ یقول اللهم انی احبه فاحبه"

(حضرت براء بن عاذب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ حضرت حسن بن علی آپ کے کاندھے پر تھے اور آپ یہ فرما رہے تھے اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر)

۵۔ حضرت عقبہ بن حارث سے مروی ہے

"رائیت ابا بکر وحمل الحسن وهو یقول بابی شیبهٔ بالنبی ﷺ لیس شبیه بعلی وعلی یضحك"

(میں نے حضرت ابوبکر کو اس حال میں دیکھا کہ آپ نے حضرت حسن کو گود میں اٹھا لیا تھا اور کہہ رہے تھے کہ میرے باپ تم پر قربان تم رسول اللہ کے مشابہ ہو علی کے مشابہ نہیں اور حضرت علی کھڑے ہو کر مسکرا رہے تھے۔)

۶۔ حضرت انس سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

''عن الزهری اخبر نی انس قال لم یکن اشبه بالنبی ﷺ من الحسن بن علی"

(حضرت زہری حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں

انہوں نے فرمایا کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنھما سے زیادہ مشابہ رسول اللہ ﷺ کے اور کوئی شخص نہیں تھا۔

۷۔حضرت محمد بن یعقوب سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں۔

عن محمد بن ابی یعقوب سمعت ابن ابی نعیم سمعت عبد الله بن عمر وسأ له رجل عن المحرم قال شعبة احسبه يقتل الذباب فقال اهل العراق يسألون عن قتل الذباب وقد قتلواابن بنت رسول الله و قال النبی ﷺ هما ريحتان من الدنيا "۔

(الجامع الصحیح للبخاری جلد اول ص ۵۳ ممبئی ۱۴۱۰ھ)

(حضرت محمد بن ابی یعقوب حضرت ابن ابی نعیم سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے سنا ان سے کسی نے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا اگر کوئی محرم (یعنی وہ شخص جو احرام کی حالت میں ہو) کسی مکھی کو مارڈالے (تو کیا؟) حضرت ابن عمر نے فرمایا یہ عراقی مکھی کے قتل کا مسئلہ دریافت کرتے ہیں انہوں نے رسول اللہ کی صاحبزادی کے بیٹے (حسین) کو قتل کر دیا ہے حالاں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ دونوں (حسن، حسین) میری دنیا کے دو پھول ہیں۔)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ امام حسن کے ہونٹ اور زبان چوسا کرتے تھے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ نبی کے چوسنے کے باعث اس زبان اور اس ہونٹ پر کبھی عذاب نہ ہوگا۔

ہمارے نبی ﷺ ایک دفعہ خطبہ دے رہے آپ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت امام حسن اور امام حسین گھر سے باہر سرخ کپڑے پہن کر آرہے ہیں مگر ان کے پاؤں لڑکھڑا رہے ہیں آپ ﷺ یہ منظر دیکھ کر منبر سے اتر پڑے اور ان کو گود میں اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیا اس کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے انما اولادکم واموالکم فتنة میں نے ان

دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلے آ رہے ہیں اور ان کے پاؤں لغزش کر رہے ہیں تو مجھ سے رہا نہ گیا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات قطع کر دی اور ان کو بٹھالیا۔

صاف گوئی، حق بیانی، صداقت شعاری اور راست بازی کے ایسے بے شمار واقعات ہیں جنہیں محدثین اور رواۃ نے اپنی مستند تصانیف میں بیان کئے ہیں۔

رشد وہدایت

حضرت امام حسن کا مقام عرفان بہت بلند ہے آپ کا قول ہے علیکم بحفظ السرائر فان الله مطلع علی الضمائر (یعنی تم پر اپنے قلب کی حفاظت بہت ضروری ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ دل کے بھیدوں کو جاننے والا ہے) اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ دل کے اندر خطرات و وساوس اور برے عقائد کو گھسنے نہیں دینا چاہئے کیوں کہ اللہ تعالیٰ سے تمہارے قلوب کی کیفیت مخفی نہیں ہوتی۔ حفظ اسرار کا مطلب ہے کہ غیر اللہ کے خیال سے دل کو محفوظ رکھا جائے اور حفظ اظہار کا مقصد یہ ہے کہ عقائد کے اظہار میں اللہ کی مخالفت نہ ہو یعنی صحیح اسلامی عقائد کے سوا منھ سے اور کچھ نہ نکلے لیکن اس کے باوجود بھی امتداد زمانہ کے ساتھ مختلف عقائد ونظریات کے حامل دنیا میں جنم لینے لگے۔ معتزلہ نامی ایک فرقہ ابھر کر سامنے آیا جس کے دینی نظریات دنیا میں پھیلنے لگے تو حضرت امام حسن بصری نے حضرت امام حسین کو ایک خط لکھا جس کا مفہوم کچھ اس طرح تھا۔

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اے ابن رسول ﷺ اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک

امابعد!

پس آپ بنو ہاشم کی مثال گہرے سمندر میں چلنے والی کشتی کی طرح ہے اور لوگوں کو ستارگان کی طرح راہ دکھانے والے ہیں اور انہیں ہدایت دینے والے اور خلق کے امام ہیں جو کوئی آپ کی اتباع کرتا ہے ہدایت پاتا ہے ۔ جس طرح کہ لوگوں نے کشتیٔ نوح میں بیٹھ کر نجات حاصل کی ۔ اے

رسول اللہ کے بیٹے قدر و جبر کے تعلق سے آپ کا کیا حکم ہے؟ تا کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ کی روش اس معاملہ میں کیا ہے؟ آپ پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد ہیں۔ آپ کا علم خدا کا علم ہے۔ اللہ آپ کا محافظ ہے اور آپ خلق خدا کے نگہبان ہیں جب یہ خط ان کے پاس پہنچا تو انہوں (حضرت امام حسن) نے اس خط کے جواب میں لکھا۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم

امابعد!

آپ نے اپنی حیرت کے متعلق لکھا ہے اور امت اور مسئلہ جبر وقدر کے متعلق میری رائے دریافت کی ہے، میری رائے یہ ہے کہ جو شخص خیر وشر کو اللہ کی طرف سے نہیں سمجھتا وہ کافر ہے اور جو شخص گناہ کو اللہ کے ساتھ منسوب کرتا ہے فاجر ہے۔ یعنی تقدیر کا انکار مذہب قدر ہے اور گناہ کو اللہ کے ساتھ منسوب کرنا مذہب جبر ہے۔ پس بندہ اپنے فعل میں اس قدر مختار ہے جس قدر اللہ عزوجل نے اسے استطاعت دی ہے اور ہمارا دین قدر و جبر کے درمیان ہے، یعنی تمام خیر وشر تقدیر حق تعالیٰ ہے لیکن تیرے اختیار کی وجہ سے موجود ہو جاتا ہے۔

(عبدالرحمٰن چشتی، مراۃ الاسرار ص ۱۹۸ دہلی ۱۹۹۷ء)

مظہر علم و ہدایت مصدر شرع وسلوک غیب واسرار حقائق کے امیں حضرت حسن
عالم و عابد، ذکی و متقی، صاحب ذکا باوجاہت ذی وقار وخوش نشیں حضرت حسن

پند وموعظت

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکمت ومعارف کے خزانے حاصل تھے، ان کے ہر جملے میں حکمتوں کے خزانے پوشیدہ ہوتے تھے۔ اور اگر انسان انھیں حکمتوں کی روشنی میں اپنی زندگی بسر کرے تو عام انسانوں سے اس کا رتبہ بلند وبالا ہو جاتا ہے۔ حضرت

امام حسن کا قول ہے:

" لاادب لمن لا عقل له ،ولا مودة لمن لا همة له ولاحياء لمن لا دين له ، وراس العقل معاشرة الناس بالجميل وبالعقل تدرك الدارين جميعاً ومن حرم العقل حرمها جميعاً۔

(جس کو عقل نہیں ملی اس کو ادب بھی نہیں ملا اور جس کو ہمت نہیں حاصل ہوئی وہ محبت نہیں پا سکا اور جس کو شرم نہیں ہے اس کو مذہب سے بھی تعلق نہیں ہے۔عقل کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ میل جول اور بھلائی کی زندگی بسر کی جائے۔اور عقل ہی سے دونوں گھر یعنی دنیا وآخرت حاصل ہوتے ہیں، جو شخص عقل سے محروم ہوگا وہ دونوں گھروں سے بھی محروم ہوگا)

حضرت امام حسن نے یہ بھی فرمایا:

"هلاك الناس فى ثلاث، الكبر والحرص والحسد فالكبر هلاك الدين وبه لعن ابليس .والحرص عدو النفس والحسد رائد سوء ومنه قتل هابيل وقابيل"

(تین برائیوں سے لوگ تباہ وبرباد ہوجاتے ہیں وہ یہ ہیں تکبر، حرص، اور حسد۔تکبر سے دین مٹ جاتا ہے، اسی وجہ سے ابلیس ملعون قرار پایا، اور حرص انسان کی جان کا دشمن ہے یعنی جس شخص میں حرص پیدا ہوئی وہ اپنا آپ دشمن ہوگیا۔اور حسد برائی کا پیغام لانے والا ہے، اسی سبب سے قابیل نے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو قتل کیا)

حضرت امام حسن یہ بھی فرماتے تھے کہ جب والد ماجد امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں بہت پریشان ہوا حضرت نے فرمایا حسن تم کیوں گھبرا رہے ہو میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو اس حال میں دیکھ کر گھبراہٹ کیوں نہ ہوگی اس موقع سے حضرت علی نے فرمایا بیٹے چار باتیں ہمیشہ یاد رکھنا اگر تم انہیں یاد رکھو گے تو ہمیشہ تمہیں ہر مصیبت سے نجات ملتی رہے گی اور کبھی گھبراہٹ نہ ہوگی وہ چار چیزیں یہ ہیں۔

۱۔لا غنی اکثر من العقل عقل سے بہتر کوئی تونگری نہیں
۲۔ و لا فقر مثل الجهل جہالت سے بڑھ کر کوئی محتاجی نہیں
۳۔ولا وحشة اشد من العجب خود پسندی سے زیادہ کوئی وحشت نہیں
۴۔ ولا عيش الذ من حسن الخلق
حسن خلق سے زیادہ مزے کی کوئی زندگی نہیں (تاریخ ائمہ ص ۲۵۱)

کشف و کرامات

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم و عمل کے پیکر ہونے کے ساتھ انتہائی متواضع اور خلیق تھے وقت ضرورت کئی کرامتیں بھی آپ سے صادر ہوئی ہیں۔ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ حضرت زبیر بن العوام کے ایک فرزند کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ راستہ میں کھجوروں کے ایک ایسے باغ سے گذر ہوا جس کے سب درخت خشک ہو چکے تھے آپ نے اسی باغ میں ڈیرا ڈال دیا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے باغ کی ایک درخت کے سائے میں اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دوسرے درخت کے سائے میں فرش بچھایا گیا حضرت ابن زبیر نے فرمایا اے کاش! اس نخلستان میں تازہ کھجوریں ہوتیں جنہیں ہم کھاتے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا تازہ کھجوریں چاہتے ہو حضرت ابن زبیر نے کہا ہاں آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور زیر لب کچھ کہا جو کسی کو معلوم نہ ہو سکا فوراً کھجور کا ایک درخت تر و تازہ اور بار آور ہو گیا اس میں تازہ کھجوریں لگ گئیں ان کا ساتھی شتر بان بولا واللہ یہ جادو ہے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ جادو نہیں ہے بلکہ فرزند رسول کی دعائے مستجاب کا اثر ہے پھر لوگوں نے کھجوروں کو درخت سے توڑا اور سب نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔(عبدالرحمٰن جامی،شواہد النبوۃ ص ۳۰۳ دہلی ۱۲۷۱ھ)

ایک دوسری کرامت یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب آپ سفر حج میں پیدل چل رہے تھے کہ آپ کے پیروں میں ورم آ گیا آپ کے کسی غلام نے عرض کیا کاش آپ کسی سواری پر سوار ہو جائیں تاکہ ورم کم ہو جائے آپ نے اس کی درخواست قبول نہ کی اور فرمایا

کہ جب تم منزل پر پہنچو گے تو تمہیں ایک حبشی ملے گا جس کے پاس کچھ تیل ہوگا تم اسے خرید لینا۔

جب منزل پر پہنچے تو حبشی دکھائی دیا حضرت امام حسن نے اپنے غلام سے فرمایا یہ وہی حبشی ہے جس کے متعلق میں نے بتایا تھا جاؤ اور قیمت ادا کر کے اس سے تیل خرید لاؤ جیسے ہی وہ غلام حبشی کے پاس گیا اور اس سے تیل طلب کیا تو اس نے پوچھا یہ تیل کس کے لئے خرید رہے ہو غلام نے کہا حضرت حسن کے لئے اس نے کہا مجھے ان کے پاس لے چلو ان کا غلام ہوں جب وہ حبشی آپ کی خدمت میں پہنچا تو کہا میں آپ کا غلام ہوں تیل کی قیمت نہیں لوں گا بس آپ میری بیوی کے لئے جو درد زہ میں مبتلا ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ایک صحیح الاعضا بچہ عطا فرمائے آپ نے فرمایا اپنے گھر جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا ہی بیٹا عطا فرمائے گا جیسا تم چاہتے ہو وہ ہمارا پیرو کار رہو گا حبشی گھر گیا تو آپ کے فرمانے کے مطابق بچہ پیدا ہوا۔ (شواہد النبوۃ ص ۳۰۲)

صلح پسندی

حضرت امام حسن بنیادی طور پر صلح پسند تھے ان کے سامنے ہمیشہ ملت اسلامیہ کا مفاد رہا، وہ بڑے ذی فہم اور صاحب فراست تھے انھوں نے ہمیشہ صلح جوئی اور صلح پسندی کے لئے جد وجہد کی یہی وجہ تھی کہ ان کا دور انتہائی پُر امن رہا۔ وہ خود امن پسند تھے اور دوسروں کو بھی اسی طرح کے مشورے دیا کرتے تھے چنانچہ جب بلوائیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو حضرت حسن نے حالات کا اندازہ کر کے حضرت علی کو مشورہ دیا کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں یہاں تک کہ عربوں کا دماغ صحیح طور پر کام کرنے لگے اور ان کو ہوش آ جائے ورنہ ان کی موجودگی میں حضرت عثمان کا قتل ان کے لئے بہتر نہ ہو گا حضرت حسن نے فرمایا:

> ''اس وقت اگر آپ کسی بل میں ہوں گے تو لوگ آپ کو ڈھونڈھ نکالیں گے بغیر اس کے کہ آپ خود کو ان کے سامنے پیش کریں وہ خود آ کر بیعت کر

نے کی درخواست کریں گے''۔

(محمود علی قیصر، ملت اسلامیہ کی تاریخ ص ۱۸۳ حیدر آباد ۱۹۹۳ء)

حضرت امام حسن نے اپنے والد ماجد کو یہ بھی مشورہ دیا کہ حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد اس وقت تک خلافت نہ قبول کریں جب تک کہ تمام علاقوں کے نمائندے ان کو متفقہ طور پر تسلیم نہ کرلیں۔

۳۔ام المومنین حضرت عائشہ اور طلحہ وزبیر نے جب قصاص کا مطالبہ اور مفسدوں کے خلاف اقدام کیا اور ادھر حضرت علی نے جنگ کا ارداہ کیا اور تیاریاں مکمل کر کے مدینہ سے نکل رہے تھے تو حضرت حسن نے اپنے والد ماجد کو مشورہ دیا کہ وہ گوشہ نشین ہو جائیں اور فریقین کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیں گے۔

۴۔حضرت طلحہ وزبیر کے اقدام کی خبر سن کر جب حضرت علی نے کوفہ کا ارادہ کیا تو چند صحابہ نے ان کو اس قدام سے روکا، روکنے والوں میں حضرت حسن پیش پیش تھے انہوں نے طے کرلیا تھا کہ وہ کسی حال میں مدینہ نہیں چھوڑیں گے۔شاید اس طرح حضرت علی رک جائیں لیکن سبائیوں کے سازشی دباؤ کے تحت حضرت علی مدینہ سے روانہ ہو گئے تو مجبوراً حضرت حسن ان کے پیچھے روانہ ہوکر ربذہ کے مقام پر حضرت علی سے جا ملے اور پوچھا ابا جان آپ نے مدینہ کیوں چھوڑا اور کیوں میری بات نہ مانی۔

۵۔حضرت علی نے حضرت معاویہ سے جنگ کی تیاریاں شروع کیں تو حضرت حسن نے مشورہ دیا کہ جنگ سے رک جائیں کیوں کہ اس سے خونریزی ہوگی اور ملت میں اختلاف وانتشار ہوگا۔(ملت اسلامیہ کی تاریخ ص۱۸۲)

خلافت وسیادت

کوفہ کی بنیاد ۱۶ر ہجری میں حضرت عمر فاروق کے عہد مبارک میں حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران نے ڈالی تھی۔تعمیر کی وجہ یہ ہوئی کہ سعد بن وقاص نے عراق کی فتح اور ایران کی تسخیر کے بعد پایہ تخت کے لئے مداین کو منتخب کیا مگر آب وہوا کی ناموافقت کے

باعث عربوں کے رنگ متغیر ہونے لگے اس لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے حضرت سلمان اور حضرت حذیفہ کو اس غرض سے روانہ کیا گیا کہ کوئی ایسی جگہ تلاش کریں جو دریا کے کنارے اور خشکی سے متصل ہو۔ حضرت عمر فاروق کے ارشاد کے مطابق ان حضرات نے ایک قطعہ آراضی پسند کیا اور اس کا نام کوفہ قرار دیا، ابتدا میں وہاں بانسوں کے مکانات بنائے گئے بعد میں اینٹ گاروں کی چنائی ہوئی، پہلے یہ چھاؤنی کی حیثیت رکھتا تھا حضرت حسن کے والد حضرت علی نے اس شہر کو خاص عزت بخشی اور مکہ و مدینہ کے بجائے کوفہ کو اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ اور پھر چند سالوں بعد عالم اسلام میں کوفہ کا ڈنکا بجنے لگا یہ صرف کوفہ والوں کا حضرت علی سے بے پناہ محبت کا ثمرہ تھا کہ دارالحکومت حضرت علی کو مدینہ و مکہ سے کوفہ منتقل کرنا پڑا۔

کوفہ کی مٹی میں نہ جانے کون سی ایسی بات تھی جو خاندان نبوت کے لئے کبھی سازگار نہ رہی اسی سرزمین پر ایک وہ وقت بھی آیا کہ اپنی عادت و مزاج کے مطابق اہالیان کوفہ حضرت علی سے بھی ناراض ہو گئے اور انہیں حضرت علی کا وہ فعل جو ابوموسیٰ اشعری کو پنچ مقرر کر کے حضرت امیر معاویہ سے صلح کرنے کا تھا پسند نہ آیا اس بات سے وہ اس قدر رنجیدہ وکبیدہ خاطر ہوئے کہ حضرت علی کے سخت ترین دشمن بن گئے اور اپنا نام بجائے ''شیعان علی'' کے ''شراۃ'' رکھ لیا اور اس کی تشریح یوں کی ان شرينا انفسنا فی طاعة الله یعنی ہم نے اپنی نفوس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بیچ دیا اور ومن الناس من يشرى نفسه ابتغاء مرضات الله یعنی لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے نفوس کو بیچ دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اس آیت کریمہ کا صحیح معنوں میں مصداق سمجھتے تھے۔ حضرت علی نے محض اس بنا پر کہ یہ لوگ ان کی جماعت سے خارج ہو گئے تھے ان کا نام خارجی رکھا یہ لوگ حضرت عثمان وحضرت معاویہ کے بالمقابل حضرت علی کو افضل اور بہتر جانتے تھے مگر ان لوگوں کا رویہ یہ تھا کہ حضرت معاویہ کے ساتھ حضرت علی کو بھی قابل گردن زدنی اور دونوں حضرات کو امام ضال سمجھتے تھے۔ ان کا یہ کہنا تھا ان علياً ومعاوية اشركا فی الله یعنی علی اور معاویہ دونوں مشرک ہو گئے (معاذ اللہ)

بہرکیف اہل کوفہ کا یہ گروہ جو اپنے آپ کو حضرت علی کا صادق دوست کہتے ہوئے نہیں تھکتا تھا ان سے الگ ہو گیا اور آئندہ کے لئے انہوں نے اپنا مقصد زندگی بنالیا کہ ضال اماموں کی زندگیوں کا خاتمہ کیا جائے چنانچہ جو ان لوگوں کا منصوبہ تھا اسے ان لوگوں نے عملی جامہ پہنانے میں کوئی کوتاہی نہ برتی۔ ۴۰ھ کی ایک رات کا ذکر ہے کہ ایک محلّہ میں جہاں خوارج کی کثرت تھی ایک مسجد میں تین لوگ موجود تھے جس میں ایک کا نام عبدالرحمان بن ملجم دوسرے کا مبارک بن عبداللہ اور تیسرے کا نام عمرو بن ابی بکر تیمی تھا۔ اول الذکر مصر کا باشندہ تھا لیکن ایک عرصہ سے کوفہ میں اقامت گزیں تھا یہ شخص مصر سے ایک گروہ کے ساتھ حضرت عثمان غنی کا کام تمام کرنے کی نیت سے مدینہ آیا تھا۔ اس قسم کا نظریہ رکھنے والے اور بھی لوگ تھے جن کی تعداد مورخین کے بقول ایک ہزار سے زاید تھی ان سب کی ایک ہی آواز تھی کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی مذہبی رہنما نہیں ہے اور حکم محض خدائے عز وجل کا ہے اور جو رہنما موجود ہیں وہ ضلالت وگمراہی میں مبتلا ہیں، نہروان میں اس عقیدہ کے لوگ زیادہ تھے حضرت علی کی لشکر سے جھڑپ کے وقت ان کے کافی لوگ مارے بھی گئے تھے اس لئے ان لوگوں نے کہا موقع اچھا ہے کشتگان نہروان کا بدلہ لیا جائے یہ بات چل ہی رہی تھی کہ عبدالرحمان بن ملجم نے کہا ہم میں ہر ایک تین آدمیوں میں ایک کو قتل کردے میں علی کو قتل کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں، بہرحال اس پر بات طے ہوگئی کہ عبدالرحمان بن ملجم علی کو قتل کرنے کی غرض سے کوفہ میں رہے، معاویہ کا کام تمام کرنے کی غرض سے مبارک بن عبداللہ دمشق چلا جائے اور عمرو مصر کی راہ لے، جہاں ان دنوں عمرو بن عاص موجود ہیں، سب اپنے اپنے کام پر لگ گئے۔ امیر معاویہ پر مبارک بن عبداللہ کا حملہ ناکام رہا بجائے گردن کے ایسے مقام پر ہاتھ پڑا جس سے جان کی خیر رہی اور عمر بن ابی بکر تیمی اپنے منصوبے میں اس لئے ناکام رہا کی وہ حضرت عمرو بن العاص کی شکل وصورت سے ناآشنا تھا اس لئے اس کا حملہ وہاں ناکام ہو گیا اور اس کے حملہ کا شکار کوئی دوسرا ہو گیا۔ البتہ عبدالرحمان بن ملجم مرادی کو اپنے مقصد میں کامیابی ملی۔ حضرت علی پر اس نے ایسا وار کیا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

حضرت علی کی شہادت کے بعد دوسرے دن ہی ۴۰ ھ میں امیر المومنین حضرت امام حسن اپنے والد بزرگ وار کی مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔عبید اللہ بن ابی رافع کو اپنا سکریٹری، شریح کو قاضی اور سالم جو آپ ہی کے آزاد کردہ غلام تھے اپنا دربان مقرر کیا ایک مجہول روایت میں قنبر کو بھی آپ کا حاجب بیان کیا گیا ہے۔

(المسعودی،التنبیه والاشراف ص ۱۵۹ حیدر آباد ۱۹۲۶ء)

چالیس ہزرا آدمیوں نے آپ سے بیعت کی بقول ابن خلدون سب سے پہلے قیس بن سعد نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا کر کہا ابسط یدك علىٰ کتاب الله وسنة رسولهٖ وقتال الملحدین ، حضرت امام حسن بن علی نے جواب دیا علی کتاب الله وسنة رسوله ویاتیان علىٰ کل شرط بعد اس کے اور لوگ بیعت کرنے لگے، آپ فرماتے جاتے تھے تم لوگ میرے کہنے سننے کو سنتے رہنا میری اطاعت کرنا جس سے میں صلح کروں اس سے تم بھی صلح کرو اور جس سے میں جنگ کروں تم بھی اس سے لڑنا"۔

(ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون جلد چہارم ص ۳۵۲ الہٰ آباد ۱۳۴۸ھ)

ان فقروں سے لوگوں کو شبہ ہوا اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ یہ تو ہمارا امیر نہیں ہے اور نہ ہی جنگ کا ارداہ رکھتا ہے، حضرت امام حسن کے ساتھ ان کوفیوں کا رویہ کچھ زیادہ بہتر نہیں تھا ہمیشہ حضرت امام حسن کے خلاف ریشہ دوانیوں میں لگے رہتے، اپنی عادت کے مطابق جو کچھ امام حسن کے ساتھ کرنا تھا اسے تو کیا ہی آپ کے برادر اصغر حضرت امام حسین کو بھی میدان کربلا پہنچا کے ہی دم لیا اور ابن زیاد جیسے گرگ باراں دیدہ کے ایک زبردست خطبہ سے ایسے مبہوت ہوئے کہ حضرت امام حسین کو بلانے کے باوجود عمر بن سعد کے لشکر میں پہنچ کر حضرت امام حسین کے خون کے پیاسے ہو گئے اور الکوفی لا یوفی ہونے کا مکمل ثبوت دیا۔

حضرت امام حسن ماحول کی ناسازگاری کے باعث خلافت سے دست بردار ہونا چاہتے تھے لیکن شیعہ مخالفت کے خوف سے انہوں نے یہ بات سب پر ظاہر نہیں کی، بیعت کے کچھ عرصہ بعد وفادار فوجی اکابر (شیعہ) کے اصرار پر انہوں نے امیر معاویہ کے خلاف

اعلان جنگ کر دیا انہوں نے بارہ ہزار فوج پر مشتمل مقدمۃ الجیش شام کی طرف روانہ کیا اور خود باقی لشکر کے ساتھ عراق کے بڑے شہروں سے محصول اور رسد فراہم کرنے کے ارادہ سے پیچھے رہ گئے، امیر معاویہ کو جب اس فوج کشی کا علم ہوا تو انہوں نے بھی ایک فوج کے ساتھ عراق کا رخ کیا اور ساتھ ہی جنگ روکنے کے لئے ایک وسیع الدائرہ مہم شروع کر دی، انہوں نے کچھ سفیر امام حسن کی فوج کے پاس بھیجے اور انہیں خبر دی کہ امام حسن نے امیر معاویہ سے صلح کر لی ہے، اس لئے انہیں لوٹ جانا چاہئے، انہوں نے ایک وفد امام حسن کے دوسرے لشکر کے اکابر کے پاس بھیجا کہ امام حسن نے امیر معاویہ سے صلح کر لی ہے، اس لئے انھیں جنگ وقتال کا خیال دل سے نکال دینا چاہئے امام حسن کی فوج کے شیعی اکابر جو امیر معاویہ سے جنگ پر تلے ہوئے تھے مصالحت کی خبر سے سخت برہم ہوئے، انہوں نے باور کر لیا کہ امام حسن لڑنا نہیں چاہتے ہیں انہوں نے امیر معاویہ سے خلافت کا سودا کر لیا ہے جب اس قسم کی خبر حضرت امام حسن کو ملی تو انہوں نے تمام لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور کہا کہ:

> ''تم لوگوں نے میرے ہاتھ پر اس شرط کے ساتھ بیعت کی ہے کہ صلح اور جنگ میں میری پیروی کروگے میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں مجھ کو کسی سے عداوت نہیں مشرق سے مغرب تک مجھ کو ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا کہ میرے دل میں اس کی طرف سے نفرت ہو اتفاق، اتحاد، اور محبت وسلامتی کو میں نا اتفاقی اور دشمنی سے بہر حال بہتر سمجھتا ہوں''

اس خطبہ کو سن کر سبائیوں نے تمام لشکر میں یہ بات مشہور کر دی کہ حضرت حسن حضرت امیر معاویہ سے صلح کرنا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی ان لوگوں نے حضرت حسن پر کفر کا فتویٰ بھی لگا دیا اس طرح کفر کا فتویٰ لگانے کا طریقہ سبائیوں کی ایجاد ہے۔ اس شرارت سے حضرت امام حسن کے لشکر میں اختلاف پیدا ہو گیا بالآخر کافر کہنے والوں کا زور بڑھ گیا اور حضرت حسن کے خیمہ میں گھس آئے اور ان کا لباس پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا یہاں تک کہ لباس پارہ پارہ ہو گیا۔ ان اکابر کے ایما پر فوج کے ایک گروہ نے امام حسن کے خیمہ جس میں

اعلیٰ قالین اور دوسرے قیمتی سامان تھے لوٹ لیا، ایک شخص نے بلم مار کر ان کا سر زخمی کر دیا اور ایک جماعت نے ان کا خزانہ لوٹ لیا ان کے کچھ وفادار انہیں اپنی حفاظت میں اٹھا کر عراقی پایہ تخت مدائن کے قصر ابیض میں لے گئے جہاں ان کا علاج ہوا امام حسن کو صلح کے لئے مناسب موقع کی تلاش تھی وہ اس واقعہ نے فراہم کر دیا، وہ پچھلی سفارت کے سیاق وسباق کی روشنی میں امیر معاویہ سے صلح کرنے کو تیار ہو گئے اور عبداللہ بن عامر کے پاس کچھ شرائط بھیجیں کہ اگر معاویہ انھیں مان لیں تو وہ خلافت ان کے سپرد کر دیں گے۔ ان میں کچھ شرائط یہ تھے۔

۱۔ معاویہ کسی عراقی سے کوئی انتقام نہ لیں گے۔

۲۔ اسود واحمر مامون ہوں گے اور ان کی لغزشوں سے درگذر کیا جائے گا۔

۳۔ ہر سال اہواز کا خراج ان (حسن) کے حوالے کر دیا کریں گے۔

۴۔ ہر سال ان کے بھائی حسین کے لئے بیس لاکھ درہم بھجوائیں گے اور بنو ہاشم کو وظائف وصلات کے معاملے میں بنو عبد شمس پر ترجیح دیں گے۔

عبداللہ بن عامر نے یہ معاملہ معاویہ کی خدمت میں تحریر کر کے بھیجا حضرت معاویہ نے یہ تمام مطالبے اپنے قلم سے لکھ کر اس پر اپنی مہر ثبت کر دی اور بڑی فراخدلی سے پکے وعدے اور مضبوط قسمیں درج کر کے تمام روسائے شام کو اس امر پر گواہ ٹھہرالیا اور پھر وہ عہد نامہ عبداللہ بن عامر کے پاس بھیج دیا اس عہد نامہ کو عبداللہ نے حضرت امام حسن تک پہنچا دیا، امام حسن رضا مند ہو گئے اور قیس بن سعد کو صلح کرنے کے لئے لکھ بھیجا نیز یہ حکم بھی تحریر کر کے بھیجا کہ وہ امارت معاویہ کے حوالے کر کے خود مدائن آجائیں۔ جب یہ خط قیس کو ملا تو انہوں نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا دو میں ایک بات کا انتخاب کر لو یا بلا امام جنگ کر و یا معاویہ کی اطاعت کا دم بھرو چنانچہ انھوں نے معاویہ کا اطاعت گزار ہونا قبول کر لیا۔

حضرت معاویہ وہاں سے رخصت ہو کر مدائن آئے اور حضرت امام حسن مدائن سے رخصت ہو کر اپنی پوری جمعیت کے ساتھ کوفہ آ گئے جب حضرت معاویہ کو اس کی خبر ملی تو وہ بھی کوفہ جا پہنچے حضرت امیر معاویہ اور حضرت امام حسن کی ملاقات کوفہ میں ہوئی، حضرت امام حسن نے ان کے سامنے وہ شرطیں رکھیں اور وہ قسمیں از راہ تاکید دوبارہ بیان کر دیں۔

(ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطّوال ص ۳۹۵ لاہور ۱۹۸۶ء)

وفادار اکابر جو امیر معاویہ کی خلافت کے حق میں تھے صلح کے معاہدے سے خوش ہو گئے لیکن فوج کے شیعہ اکابر کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے امام حسن کی کم ہمتی اور سودے بازی کو موضوع نقد بنالیا، انھوں نے چاہا کہ امام حسن کے چھوٹے بھائی امام حسین کو خلیفہ منتخب کر کے اور موجودہ معاہدہ منسوخ کر کے امیر معاویہ سے جنگ کے لئے روانہ ہو جائیں لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ امیر معاویہ کی سفارتی کوششوں سے مقدمۃ الجیش کے سالاروں نے بھی کچھ شرطوں کے بالمقابل امیر معاویہ سے جنگ نہ کرنے اور انہیں خلیفہ تسلیم کرنے کی دستاویز لکھ دی ہے اور دوسری طرف نمائشی وفادار اکابر نے سمجھوتہ کی تصدیق کر دی ہے تو وہ کف افسوس مل کر امیر معاویہ سے اپنی خواہش جنگ کی تسکین کے لئے مناسب موقع کا انتظار کرنے لگے امام حسن نے سمجھوتہ کی تائید میں فوجی اکابر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''تمہاری تین حرکتوں نے تمھاری طرف سے میری طبیعت منحرف کر دی ہے۔ تم نے میرے والد کو قتل کیا، مجھے بلم مار کر زخمی کیا اور میرا خیمہ نیز مال ومتاع لوٹ لیا''۔

(خورشید احمد فارق، تاریخ اسلام، ص ۲۶۳ بحوالہ طبری جلد ۶ ص ۹۲ دہلی ۱۹۵۸ء)

صلح کے وقت یہ تحریر لکھی گئی۔

''بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر حضرت امام حسن نے حضرت معاویہ سے مصالحت کی۔ پہلی بات تو یہ کہ ولایت معاویہ کو اس شرط پر سپرد کی جارہی ہے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان کتاب وسنت اور خلفائے راشدین کے اقوال کی روشنی میں فیصلہ کریں، معاویہ کو نہیں پہنچتا کہ کسی کو اپنا ولی عہد مقرر کریں، ان کے بعد حکومت مسلمانوں کے مشورہ سے قائم ہوگی یعنی جس کو چاہیں مسلمان باہم مشورہ کر کے اپنا امیر مقرر کر دیں اور اس شرط پر کہ بے خوف رہیں مسلمان شام میں حجاز میں، عراق میں یمن میں جہاں کہیں بھی ہوں بے خوف وخطر رہیں انھیں ان کے مال

ان کی عورتوں ان کی اولادوں اور ان کی جان و مال کو کسی طرح کا کوئی
نقصان نہ پہنچے۔معاویہ ابن سفیان پر اللہ کا اس بات پر عہد اور میثاق ہے
کہ حسن بن علی اور ان کے بھائی حسین بن علی کے ساتھ اور اہل بیت
رسالت میں سے کسی ایک کے ساتھ باطن میں اور ظاہر میں کچھ کدورت
نہ رکھیں اور جہاں کہیں بھی وہ ہوں انہیں نہ ستائیں فلاں فلاں اس پر شاہد
ہیں اور اللہ کی شہادت کافی ہے''۔

اس صلح سے اللہ کے محبوب دانائے غیوب کا وہ معجزہ ظاہر ہوا جو آپ نے فرمایا تھا کہ میرا یہ فرزند ارجمند مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔حضرت امام حسن نے اس صلح کے بعد عنان خلافت حضرت امیر معاویہ کے سپرد کر دی اور خود اس ذمہ داری سے ربیع الاول ۴۱ھ میں سبک دوش ہو گئے۔یہ فیصلہ کچھ آپ کے ہم نواؤں کو اچھا نہیں لگا انھوں نے طنزاً آپ کو عار المسلین کہنا شروع کر دیا تو اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت امام حسن نے فرمایا العار خیر من النار، عار نار سے بہتر ہے۔

اس صلح نامہ پر عبداللہ بن حارث بن نوفل، عمرو بن ابی سلمیٰ اور دوسرے اکابر کے دستخط بطور گواہ ہوئے، حضرت عمرو بن العاص کے مشورہ پر حضرت معاویہ نے حضرت حسن سے خواہش کی کہ وہ مجمع عام میں ایک خطبہ دیں حضرت حسن نے خطبہ دیا اس خطبہ میں بقول مولانا عبدالرحمان جامی:

''اے مردماں من ہمیشہ بودم کہ فتنہ را مکروہ می داشتم امروز مصالحہ کردم
وایں کار را بمعاویہ گذاشتم اگر حق وے بود بوے رسید واگر حق من بود
بوے بخشیدم''۔(شواہدالنبوۃ ص۲۹۲)

''مسلمانوں میں فتنہ کو بہت مکروہ سمجھتا ہوں ملت اسلامیہ میں فتنہ وفساد کو
دور کرنے اور مسلمانوں کی جان و مال محفوظ رکھنے کے لئے میں نے حضرت
معاویہ سے صلح کر لی ہے اور انھیں خلیفہ تسلیم کر لیا ہے۔اگر خلافت ان کا حق
تھا تو ان کو پہنچ گیا اگر یہ میرا حق تھا تو میں نے ان کو خوشی سے دے دیا''۔

اس مصالحت سے حضرت امام حسن کی سیاسی زندگی کا خاتمہ ضرور ہو گیا مگر امیر معاویہ سے مصالحت سے اتحاد ملت کی پھر وہی کیفیت پیدا ہو گئی جو ابتدائی تین خلفا کے زمانہ میں تھی اس خوشی میں صحابہ و تابعین نے اس سال کا نام عام الجماعت رکھ دیا یعنی جماعت مسلمین کے اتحاد و اتفاق کا سال۔ دکتور ابراہیم حسن لکھتے ہیں

''ولذالك سمى هذا العام " عام الجماعة " لاجتماع كلمة المسلمين علىٰ شخص واحد هو معاوية''۔

(ابراہیم حسن، التاریخ العالم الاسلامی ص ۲۶۴ قاہرہ ۱۹۶۳ء)

اس واقعہ کے بعد امام حسن اپنے اہل بیت اور جملہ متعلقین کے ساتھ مدینہ منورہ آ گئے اہل کوفہ نے تھوڑی دور تک اپنی نمناک آنکھوں سے آپ کو رخصت کیا پھر اس کے بعد تا حیات آپ مدینہ ہی میں رہے۔ ابوحنیفہ دینوری کے بقول یہاں بھی لوگوں نے آپ کو سکون سے بیٹھنے نہ دیا علی بن محمد بشر ہمدانی روایت کرتے ہیں کہ میں اور سفیان بن لیلیٰ روانہ ہوئے اور مدینہ میں حسن کے یہاں پہنچے اور ان سے ملاقات کی ان کے پاس مسیّب بن نجبہ، عبداللہ بن وداک تمیمی اور سراج بن مالک خشعی موجود تھے۔ میں نے کہا اے اہل ایمان کو ذلیل کر دینے والے السلام علیکم وہ بولے وعلیکم السلام بیٹھ جاؤ اور پھر کہنے لگے کہ میں مسلمانوں کو ذلیل کرنے والا نہیں الٹا میں تو انھیں عزت مند کرنے والا ہوں، میں نے اگر معاویہ سے صلح کر لی ہے تو اس سے مقصد محض یہ تھا کہ تم لوگوں سے کشت وخون کو ٹال دوں، میں دیکھ رہا تھا کہ میرے ساتھی لڑائی سے جی چرار رہے ہیں۔ اور کشت وخون سے بیزار ہیں خدا کی قسم اگر ہم پہاڑوں اور درختوں کو ساتھ لے کر بھی معاویہ کی طرف کوچ کرتے جب بھی خلافت ان کے پاس پہنچ کر رہتی۔ ازاں بعد میں حضرت حسن کے یہاں سے رخصت ہو کر حضرت حسین سے ملا اور انھیں بتایا کہ حسن نے مجھے یہ جواب دیا ہے اس پر حضرت حسین نے کہا ابو محمد تو نے سچ کہا ہے اب چاہے آپ میں سے ہر شخص خانہ نشین ہو جائے اور اس وقت تک خانہ نشین رہے جب تک یہ صاحب زندہ رہیں''۔ (الاخبار الطّوال ص ۳۹۸)

ان تمام شرطوں کو جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبول کیا تو آپس

میں صلح ہوگئی اور حسب معاہدہ اس اثنا میں امیر معاویہ انھیں پانچ لاکھ روپے سالانہ دیتے رہے۔بعض مورخین نے لکھا ہے کہ سالانہ ایک لاکھ وظیفہ ملا کرتا تھا وہ بھی ایک سال کسی وجہ سے وظیفہ نہ مل سکا تو ہاتھ بہت تنگ ہوگیا آپ نے امیر معاویہ کو خط لکھنا چاہا دوات وقلم منگائی مگر رات جب آپ بستر استراحت پر تشریف لے گئے تو سرکار دوعالم ﷺ کی زیارت خواب میں ہوئی آپ نے پورا ماجرا اپنے نانا جان سے کہہ سنایا حضرت امام حسن نے جس دوات اور قلم کو امیر معاویہ کو خط لکھنے کے لئے منگایا تھا اس دوات اور قلم سے اللہ کے نبی ﷺ نے درج ذیل دعا تحریر فرمائی اور یہ فرمایا کہ جو بھی اسے پڑھا کرے گا اور اس کی معاشی تنگی دور ہوگی۔

" اللهم اُقذف فی قلبی رجائك واقطع رجائی عمن سواك حتیٰ لاارجو احداً غیرك اللهم وماضعفت عنه قوتی وقصر عنه عملی ولم تنته الیه رغبتی ولم تبلغه مسأَلتی ولم یجر علیٰ لسانی مما اعطیت احدا ًمن الاولین والآخرین من الیقین فخصنی بهٖ یا رب العالمین"

(تاریخ الخلفا ص ۲۰۶)

(الٰہی میرے دل میں اپنی طرف کی امید ڈال اور دوسروں کی طرف سے امید میرے دل سے قطع کردے یہاں تک کہ سوا تیرے اور کسی سے امید نہ رکھوں الٰہی میری قوتوں کو ضعیف نہ کر اور مجھ سے میرے عملوں کو کم نہ کر اور میری رغبت کسی اور کی طرف نہ کر اور مجھ سے کسی دوسرے سے سوال نہ کرا اور میری زبان پر وہ چیزیں نہ لا جو تو نے دوسروں کو عطا کی ہیں اور میرے دل میں وہی یقین ڈال جو اولین اور آخرین کو عطا فرمایا اور یا الٰہی تو مجھے اپنا خاص بندہ کرلے)

ہشام کے والد کا بیان ہے کہ حضرت امام حسن نے اس دعا کو پڑھنا شروع کیا ابھی پورا ایک ہفتہ بھی نہیں گذرنے پایا تھا کہ حضرت امیر معاویہ نے آپ کے پاس پانچ

لاکھ روپئے بھیج دئے۔ اس پر آپ نے فرمایا اس خدا کا شکر ہے جو اپنے یاد کرنے والے کو کبھی نہیں بھولتا اور اپنے سے مانگنے والوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا آپ نے اپنے نانا جان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خواب میں پھر دیکھا نانا جان نے فرمایا اے حسن کیسے ہو؟ آپ نے عرض کیا اچھا ہوں امیر معاویہ نے پانچ لاکھ بھیج دئے ہیں نانا جان نے فرمایا بیٹا خالق سے مانگنے اور مخلوق سے التجا نہ کرنے کا یہی اثر ہوتا ہے۔

حضرت امام حسن چوں کہ علوم نبوی کے وارث اور رسول اللہ ﷺ کے نائب اور قائم مقام تھے اس لئے بعد صلح امام کی عظمت اور مرتبۂ جلالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔
(صفدر علی قادری، تاریخ کربلا ص ۶۹ مطبوعہ ۱۹۷۷ء)

آپ خلافت کے معاملات چھ ماہ تک انجام دیتے رہے جب کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا الخلافة من بعدی ثلاثون سنة ثم یصیر ملکاً عضوضاً (خلافت مرے بعد تیس سال رہے گی اس کے بعد ملوکیت ہو جائے گی) اس میں انتیس سال چھ ماہ کی مدت تک پہلے چار خلفائے کرام حکمراں رہے باقی چھ ماہ حضرت امام حسن نے پورے کئے جب آپ نے دیکھا کہ امیر معاویہ طلب حکومت میں بے اختیار ہیں اور اس معاملے میں مسلمانوں کا خون بہے گا آپ حضرت معاویہ سے صلح کر کے حکومت ان کے حوالے کر دی اور خود مدینہ منورہ میں گوشہ نشین ہو کر مشغول بحق ہو گئے۔ (مراۃ الاسرار ص ۱۹۹)

اولاد و ازواج

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کے سلسلے میں مورخین میں اختلاف ہے کسی نے کہا کہ آپ کے ۱۲ ربیٹے تھے کسی نے ۱۱ ربیٹوں کا اعتراف کیا ہے، کسی نے کہا ہے کہ آپ کے آٹھ بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ زید ۲۔ حسن مثنیٰ ۳۔ عمرو ۴۔ عبداللہ ۵۔ قاسم ۶۔ حسین ۷۔ عبدالرحمان ۸۔ عبد اللہ ثانی ۹۔ محمد ۱۰۔ ابوبکر ۱۱۔ طلحہ ۱۲۔ محمد ثانی

پانچ بیٹیاں

۱۔ ام الحسن ۲۔ ام عبداللہ ۳۔ ام سلمہ ۴۔ ام الحسین ۵۔ ام تماضر

بعض نے صرف تین بیٹیوں کا اعتراف کیا ہے بعض مورخین نے آپ کی اولاد کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے۔

۱۔ زوجہ ام بشیر بنت ابو سعود سے دو بیٹے (۱) زید بن حسن اور دو بیٹیاں (۱) ام الحسن (۲) ام الحسین تھیں۔

۲۔ زوجہ خولہ بنت منظور فزاریہ سے (۱) حسن بن مثنیٰ متولد ہوئے۔

۳۔ تیسری زوجہ سے (۱) عمرو بن حسن (۲) قاسم (۳) عبداللہ پیدا ہوئے۔

۴۔ چوتھی زوجہ سے (۱) عبدالرحمان بن حسن پیدا ہوئے۔

۵۔ پانچویں زوجہ ام اسحاق بنت طلحہ سے (۱) حسن اثر (۲) طلحہ (۳) فاطمہ کی ولادت ہوئی۔

۶۔ اور حضرت کی دوسری صاحبزادیاں ام عبداللہ، فاطمہ، ام سلمہ، ورقیہ اور دوسری بیویوں سے تھیں۔ (ولایت علی حنفی، سعد الاخبار ص ۱۴۸ اکبر آباد ۱۳۱۶ھ)

وفات حسرت آیات

مدینہ میں اقامت فرمانے کے بعد پورے یا کم وبیش دس سال تک بقید حیات رہ کر اپنی زندگی بڑے سکون کے ساتھ بسر کی اس امن وامان کی حالت میں آپ ۴۹ رہجری تک پہنچے تو آپ کے لئے وہ وقت آ گیا جو سب کے لئے مقرر ہے یعنی ۴۱ ہجری اور بقول ابوالفرج اصفہانی ۵۱ ہجری میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ وقت وصال حضرت امام حسن نے اپنے برادر خورد حضرت امام حسین سے فرمایا:

> ''بھائی تمہارے باپ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تک پہنچی پھر میان سے تلواریں نکل آئیں اور یہ معاملہ طے نہ ہوا واللہ میں یہ پوری طرح سمجھ رہا ہوں کہ اب ہمارے خاندان میں نبوت اور خلافت جمع نہیں ہوسکتی۔ اور یہ بھی جان رہا ہوں کہ سفہائے کوفہ تمہیں یہاں سے نکالدیں گے میں نے حضرت عائشہ سے درخواست

کی تھی کہ وہ مجھے جناب رسول اللہ کے پاس دفن ہونے کے لئے جگہ دے
دیں اس وقت انھوں نے وعدہ فرمایا تھا جس وقت میرا انتقال ہو جائے تم
انھیں وعدہ یاد دلا دینا مگر مجھے خیال ہے کہ جب تم دریافت کروگے تو لوگ
مانع ہوں گے اگر وہ مانع ہوں تو تم اصرار نہ کرنا چنانچہ حضرت امام حسین
نے آپ کے انتقال کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ سے دریافت کیا اور
آپ نے اجازت دے دی مگر اس وقت وہاں کا گورنر بیچ میں مانع آیا اس
بات پر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے
تلواریں کھینچ لیں مگر حضرت ابو ہریرہ نے منع کر دیا اور حضرت امام حسن کو
آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا''۔

(تاریخ الخلفا ص ۲۰۷)

حضرت ابن سعد معمران بن عبد اللہ ابن طلحہ سے روایت کی کہ کسی نے وقت وصال حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کی دو چشم کے درمیان قل ھو اللہ احد لکھی ہوئی ہے آپ کے اہل بیت میں اس خبر سے بہت خوشی ہوئی لیکن یہ خواب جب حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیان کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ واقعی اگر یہ خواب دیکھا ہے تو حضرت امام حسن کی عمر کے چند ہی روز رہ گئے ہیں۔ یہ تعبیر صحیح واقع ہوئی اور بہت قریب زمانے میں آپ کو زہر دے دیا گیا زہر کے اثر سے اسہال کبدی لاحق ہوئی اور بالآخر اس مرض موذی میں آپ کا وصال ہوا۔

آپ کی وفات کے تعلق سے کئی رواتیں مشہور ہیں پہلی روایت تو یہی بہت مشہور ہے کہ آپ کو آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث یا اسماء بنت اشعث نے زہر دیا اور زہر دینے کا اشارہ حضرت معاویہ یا یزید کی طرف سے بیان کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت امام حسن کی وفات کے بعد وہ یزید کے نکاح میں جا سکے گی مگر ایسا نہ ہو سکا کیوں کہ یزید نے یہ کہا کہ جب میں تجھ کو حسن کے نکاح میں دیکھنے کا روادار نہ تھا تو اپنے نکاح میں تجھ کو کیوں کر پسند کر سکتا ہوں۔

اس تعلق سے ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ معاویہ نے زہر آلود کپڑا زوجہ حسن کو بھیجا تھا جس کو جسم پر لگانے سے حسن کے جسم میں زہر پیوست ہو گیا اور دوسری روایت شربت زہر ارسال کرنے کی بھی ملتی ہے حضرت امام حسن کی وفات کے بعد جعدہ یا اسماء جب ایفائے وعدہ کے بعد معاویہ کے پاس گئی تو انہوں نے کہا کہ تو نے نبیرۂ رسول ﷺ کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا؟ اس لئے تو میرے فرزند کے لائق ہرگز نہیں اور پھر اس کا سر اتارنے کا حکم دیا گیا اور حکم کے مطابق سر اتار لیا گیا۔ مگر یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کیوں کہ جعدہ کے فعل کو ایک مجرمانہ فعل قرار دے کر قانونی کاروائی اس کے ساتھ کی گئی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر حکومت کی ایماء سے اس نے ایسا کیا ہوتا تو حکومت اس کو بچانے کے لئے وجوہات پیش کرنے میں کوتاہی نہ کرتی۔ ان واقعات سے تاریخ سازی کے سوا کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ اصل وہی ہے جو تاریخ دمشق کے مصنف نے لکھا ہے کہ چالیس دن آپ مسلسل اسہال کی بیماری کے شکار رہے جب علاج سے آپ کو آرام نہ ملا تو جناب حسن کو زہر کا شبہ ہوا مگر کسی کا نام معلوم نہ ہو سکا اور نہ یقین کے وجوہات ملے اور اسی لئے امام حسین کے دریافت کرنے پر آپ نے وہ الفاظ فرمائے جس کا ذکر سطور بالا میں ہوا اور یہ بھی بہت ممکن ہے کہ مرض اسہال نے خطرناک صورت اختیار کر لی ہو اور آپ کو دنیا میں زیادہ عرصہ نہ رہنے دیا ہو۔

بعض مورخین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن کو چار مرتبہ زہر دیا گیا تین مرتبہ وہ بچ گئے لیکن چوتھی بار وہ جانبر نہ ہو سکے، اخبار و آثار کے ناقلین نے زہر دینے کی صاف توجیہ نہیں کی ہے لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے ان کی بعض غیرت مند بیویاں زہر دیا کرتی تھیں چوتھی بار ان کی اپنی ہی ایک بیوی نے جس کا نام جعدہ تھا اور جو حضر موت کے کندی رئیس اشعث بن قیس کی لڑکی تھی زہر دے کر انہیں ابدی نیند سلا دیا اس وقت ان کی عمر لگ بھگ ۴۷ سال کی تھی۔ (سید محمد نعیم الدین: سوانح کربلا: ص ۷۱ ناگپور)

زہر خورانی کے تعلق سے یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ زہر خورانی کے حوالہ سے حضرت امام حسن کی بیوی کو غیر کے ساتھ ساز باز کرنے کی شنیع تہمت کے ساتھ متہم کیا جاتا

ہے یہ ایک بدترین تبرا ہے عجب نہیں کہ اس حکایت کی بنیاد خارجیوں کے افترأت ہوں جب کہ صحیح اور معتبر ذرائع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ حضرت امام حسن کثیر التزوج تھے اور آپ نے سو کے قریب نکاح کئے اور طلاقیں دیں بسا اوقات آپ نے ایک ہی دو شب بعد طلاق دے دی آپ کے والد ماجد امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بار بار اعلان فرماتے تھے کہ امام حسن کی عادت ہے کہ یہ طلاق دے دیا کرتے ہیں کوئی اپنی لڑکی ان کے ساتھ نہ بیاہے مگر مسلمان بیبیاں اور ان کے والدین یہ تمنا کرتے تھے کہ امام حسن کی کنیز ہونے کا شرف حاصل ہو جائے یہ اسی کا اثر تھا کہ حضرت امام حسن جن عورتوں کو طلاق دیتے تھے وہ اپنی باقی زندگی حضرت امام کی محبت میں شیدانہ گذار دیتی تھیں اور ان کی حیات کا لمحہ لمحہ حضرت امام حسن کی یاد اور محبت میں گزرتا تھا۔ایسی صورت میں یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ امام حسن کی کوئی بیوی حضرت امام کے فیض صحبت کی قدر نہ کرے اور یزید پلید کی طرف ایک طمع فاسد سے امام جلیل کے قتل جیسے سخت جرم کا ارتکاب کر ڈالے۔

(خورشید احمد فارق، تاریخ اسلام جلد اول ص ۲۵۸ بحوالہ ابن عبدالبر جلد اول ص ۱۴۱)

حضرت امام حسن کی شہادت کے تعلق سے ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب آپ کی طبیعت کی خرابی کے سالوں گذر گئے تو آپ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ دو برس سے میں یہاں علیل ہوں لہذا میں یہ چاہتا ہوں کہ تبدیلی آب وہوا کی خاطر موصل میں کچھ دنوں قیام کروں شاید وہاں طبیعت بحال ہو جائے اور ساتھ ہی اعدا کے مکر سے بھی نجات ملے آپ حضرت ابن عباس اور چند خدام کے ہمراہ موصل چلے گئے کسی صورت یہ خبر دمشق پہنچی وہاں ایک نابینا بدبخت موجود تھا جو اہل بیت نبوت کا بہت بڑا دشمن تھا اس نے موقع غنیمت سمجھا اپنی لکڑی کی سناں کو زہر میں بجھایا اور حضرت امام حسن کے قتل کے واسطے موصل آیا امام عالی مقام سے ملا اور بہت ہی خلوص ومحبت کا مظاہرہ کیا ساری نمازیں آپ کے پیچھے پڑھتا اور جب حدیث بیان کرتے تو مکر سے زار وقطار روتا اور ہر لمحہ اسی انتظار میں رہتا کہ کب موقع ملے اور میں اپنا کام تمام کروں ایک روز امام نماز پڑھ کر نکلے اور مسجد کے باہر بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے وہ نابینا لکڑی زمین پر ٹیکتا ہوا آیا اتفاقاً لکڑی کی سنان امام

کے پیر کی پشت پر پڑی اور سمجھ گیا کہ امام کے پیر کی پشت پر سنان ہے تو اس نے لکڑی پر زور دے کر دبایا وہ لکڑی پائے مبارک میں گھس گئی۔ زخم سے خون جاری ہونے لگا حضرت امام حسن کو اس سے سخت صدمہ پہنچا حضرت ابن عباس نے اس کو پکڑ کر مارنے کا قصد کیا تو امام حسن نے فرمایا اسے چھوڑ دو جس طرح یہ ظاہر میں اندھا ہے اسی طرح یہ باطن میں بھی اندھا ہے اور قیامت میں بھی اندھا ہی اٹھے گا حضرت امام حسن کے فرمانے پر حضرت ابن عباس نے اسے چھوڑ دیا بہر حال واقعہ کوئی بھی ہوا اتنا طے ہے کہ آپ کی موت کا سبب زہر ہی تھا خواہ وہ کھلایا گیا ہو یا کسی طرح آپ کے جسم میں پہنچایا گیا ہو۔

حضرت امام حسن کی شہادت کے بعد امیر معاویہ نے دس سال حکومت کی اور ۱۵ر رجب المرجب ۶۰ھ میں طاعون کی مرض میں مبتلا ہو کر دمشق میں رحلت فرمائی۔

مسعودی کے بقول بقیع میں اس مقام پر جہاں آپ کی قبر اطہر ہے ایک سنگ رخام (کا کتبہ) موجود ہے جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

" الحمد لله مبيد الامم ومحى الرمم هذا قبر فاطمة بنت رسول الله ﷺ سيدة نساء العالمين ، والحسن بن على بن ابى طالب وعلى بن الحسين بن على ، ومحمد بن على ، وجعفر ابن محمد رضوان الله تعالىٰ عليهم اجمعين "۔

(یعنی مستحق حمد وثنا خدا ہی ہے جو قوموں کو ہلاک اور خاک کے ڈھیر کو زندہ کرتا ہے یہ قبر (۱) فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی ہے جو سردار زنان بہشت ہیں اور (۲) حسن بن علی بن ابی طالب (۳) علی حسین بن علی (۴) محمد بن علی (۵) جعفر بن محمد کی اللہ ان سب سے راضی ہے۔

(التنبیہ والاشراف ص ۱۵۸)

بیشتر سوانح نگاروں نے حضرت اعمش کے حوالے سے لکھا ہے کہ کسی ناہنجار نے حضرت امام حسن کی قبر اطہر پر گندگی کر دی یعنی رفع حاجت کر لیا اس عمل سے اس پر ایسا عذاب الٰہی نازل ہوا کہ اس کو جنون ہو گیا اور وہ کتوں کی طرح بھونکنے لگا اور یہاں تک کہ وہ

بھونکتے بھونکتے مر گیا۔ جب وہ دفن کیا گیا تو اس کی قبر سے بھی کتے کے بھونکنے کی سی آواز سنائی دینے لگی اور مسلسل ایسا ہی ہوتا رہا۔ (تاریخ ائمہ ص ۲۶۰)

۲۰۰۶ ء میں جب راقم السطور کو زیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل ہوا تھا تو حضرت فاطمہ حضرت حسن اور خاندان کے دیگر افراد کی قبروں پر فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوا تھا مگر وہاں زمین مسطح ملی نجدیوں نے تمام صحابہ کرام کی قبروں کی طرح خاندان نبوت کی قبروں کو بھی مسمار کر دیا ہے۔ اللہ نہیں ہدایت دے (آمین)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صدق صادق کا تصدق صادق الاسلام کر
بے غضب راضی ہو کاظم اور رضا کے واسطے

تصوف و عرفان کا سرچشمہ حضرت علی ابن طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی ذات گرامی ہے، یہ رفعت و سربلندی اور عظمت و مرتبت مولیٰ علی کو اس وقت حاصل ہوئی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج شریف سے واپس تشریف لائے اللہ عزوجل نے معراج مبارک کے موقع پر رسول اکرم کو ایک خرقہ عطا فرمایا تھا اس خرقہ کو حکم الٰہی کے مطابق اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو عطا فرمایا ''سیر الاقطاب'' کے مصنف لکھتے ہیں۔

خرقه فقر واردات از حضرت سید المرسلین ومحبوب رب العالمین که در شب معراج بآں سرور عطا شده بود از جمیع صحابه رضوان ا لله تعالیٰ علیهم اجمعین بحکم الٰهی حضرت امیر المؤمنین امام المتقین حضرت علی رضی الله تعالیٰ عنه را رسید وآنجناب بدیں نعمت عظمیٰ ودولت کبریٰ سر فراز گردید ۔(سیر الاقطاب ص ۳)

عرفان و تصوف کا باضابطہ یہی وہ نقطۂ آغاز تھا جو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی ذات گرامی سے آگے بڑھا اور ان کے خاندان کے اجلہ افراد کے ذریعہ عالم اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیل گیا جن اہم شخصیات کے ذریعہ عرفان و تصوف کا زریں سلسلہ آگے بڑھا ان میں ائمہ اہل بیت کے چھٹے امام، تبع تابعین، سرحلقہ اہل کمال، دائم مشاہد ذوالجلال،

طبیب جمیع امراض ظاہر و باطن امام ابوعبداللہ جعفر بن محمد الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی اسم گرامی بہت نمایاں ہے۔آپ کا اسم مبارک امام جعفر، کنیت ابوعبداللہ، ابو اسماعیل، اور آپ کے القاب صادق، صابر اور فاضل تھے۔آپ کا شجرۂ نسب والد ماجد کی طرف سے حیدر کرار مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر منتہی ہوتا ہے جو اس طرح ہے۔

ابو عبد الله جعفر الصادق بن محمد البا قر بن علی زين العابدين بن الحسين بن علی ابن ابی طالب الهاشمی العلوی المدنی

اور والدہ ماجدہ کی طرف سے افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ختم ہوتا ہے جو اس طرح ہے۔

ام فروه فاطمه بنت القاسم بن محمد بن ابی بكر الصديق رضی الله تعالیٰ عنه

بلا شبہ ایمان وایقان اور عمل صالح کے بعد سب سے بڑا اشرف واعزاز خانوادہ نبوت سے خونی رشتہ اور انتساب ہے جو امام جعفر صادق کو حاصل تھا۔ بڑے حسین وجمیل اور نہایت شکیل تھے، قد مبارک موزوں اور رنگ گندم گوں تھا، اخلاق وکردار اور سیرت واطوار میں اپنے آبا واجداد کے نمونہ تھے۔جس وقت ان کی ولادت ہوئی مدینہ منورہ تجلی علم وعرفان سے بقعہ نور بنا ہوا تھا، بلاد اسلامیہ کے تمام علماء وفضلا اس آستانے پر کسب علم وفیض کے لئے آیا کرتے تھے۔امام جعفر صادق نے ایسے ماحول میں آنکھیں کھولیں تعلیم وتربیت حاصل کی اور سن رشد کو پہنچ کر بہت ہی جلد اس اعلیٰ مرتبہ کو پالیا جس کے سبب علماء وفضلا آپ کی بارگاہ کے خوشہ چین نظر آنے لگے۔ وہ تسلیم ورضا، صبر وشکر، زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کے عملی پیکر تھے، اللہ رب العزت نے آپ کو بے شمار محاسن اور متعدد خوبیوں سے آراستہ فرمایا تھا۔ دنیائے روحانیت کے تاجدار کے علاوہ آسمان علم وفضل کے نیر اعظم بھی تھے۔صدق وصفا کے پیکر کے علاوہ، صبر ورضا کے بھی انمول جوہر تھے۔ وقت کے امام، اہل ذوق کے پیشوا اور صاحبان عشق ومحبت کے رہنما، عابدوں کے مقدم اور زاہدوں کے مکرم تھے، ان کے دور میں ان کا کوئی ثانی اور ہم پلہ نہ تھا، بلا شبہ وہ نابغۂ روزگار اور یکتائے زمانہ تھے۔صادق

کہلانے کے بارے میں ابن خلکان اور بہت سے دوسرے مورخین نے لکھا ہے لُقّبَ بالصّادِقِ لِصِدقِہٖ فِی مَقَالَتِہٖ (راست بازی اور حق گوئی کی وجہ سے انہیں صادق کہا جاتا تھا) ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کی پیدائش کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا کہ وہ کلمۂ حق اور پیکر صداقت ہوگا بعض کے نزدیک خلیفہ منصور نے انھیں یہ لقب دیا تھا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۷ ص ۳۲۷ مطبوعہ ۱۹۷۱ء)

حضرت امام جعفر صادق نے ظاہری طور پر اگر چہ ان تین اساطین علم وفضل کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا جو اپنے زمانہ کے لئے مشعل نور اور مینارۂ ہدایت تھے۔

۱۔ حضرت سیدنا امام علی زین العابدین بن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۲۔ حضرت سیدنا امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ حضرت سیدنا قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

لیکن اس کے علاوہ بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے انھیں الہامی علم بھی حاصل تھا، درج ذیل علوم وفنون میں انھیں بڑی مہارت تھی۔

۱۔ علم غابر ۲۔ علم مذبور ۳۔ علم نکث فی القلوب ۴۔ علم نقر فی الاسماع ۵۔ علم خضر الاحمر ۶۔ علم جفر الابیض ۷۔ علم مصحف فاطمہ ۸۔ علم جامعہ

ان علوم کی وضاحت شیخ عبدالرحمان چشتی نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''مراۃ الاسرار'' میں ان الفاظ میں فرمائی ہے۔ انہوں نے ''حبیب السیر'' کے حوالہ سے لکھا ہے۔

غابر وہ علم ہے جس کے مطابق مستقبل کے واقعات معلوم ہوتے ہیں۔

مذبور وہ علم ہے جو گذشتہ واقعات کے متعلق معلومات بہم پہنچاتا ہے۔

نکث فی القلوب سے مراد الہام ہے۔

نقر فی الاسماع سے مراد کلام ملائکہ ہے کہ جن کی باتیں میں سنتا ہوں اور ان کی شکلوں کو نہیں دیکھتا۔

جفر احمر وہ مقام ہے جس میں رسول اکرم ﷺ کے ہتھیار ہیں اور اس وقت تک وہاں رہیں گے جب تک امام مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور نہ ہوگا۔

جفر ابیض ایک ظرف ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور اور دیگر تمام آسمانی کتابیں ہیں ۔

مصحف فاطمہ یہ ایک کتاب ہے جس میں ان تمام ملک اور اس کے حکمرانوں کے ناموں کا ذکر ہے جو قیامت تک ظہور پذیر ہونے والے ہیں ۔

جامعہ یہ ایک کتاب ہے جس کا طول ستر گز ہے یہ کتاب ہمارے رسول اکرم ﷺ نے لکھوائی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے ہاتھ سے لکھا ، خلقت کے وہ تمام واقعات جو قیامت تک پیش آنے والے ہیں سب کا اس کتاب میں اندراج ہے ۔

حضرت امام جعفر صادق کو علم الہامی حاصل رہا ہو یا علم کسبی ، بلا شبہ علم کے معاملے میں وہ اپنے عہد میں نابغۂ روزگار تھے انھوں نے اس چشمۂ صافی سے سیرابی حاصل کی تھی جس کا فیضان اس خانوادہ کے واسطہ سے اب بھی جاری ہے جس کے باعث آپ کو علم وفضل میں جو برتری حاصل تھی اس کا اندازہ سطور بالا سے لگایا جا سکتا ہے آپ علم وفضل کے وہ بحر ناپیدا کنار تھے ، تفسیر وحدیث وفقہ کے علاوہ فلسفہ ، کلام اور نجوم وبروج سے بھی واقفیت تھی ، جس سے وقت کے اجلہ علمائے کرام ومشائخ عظام نے اپنی علمی تشنگی بجھائی ہے ، آپ سے بکثرت احادیث بھی مروی ہیں النجاشی نے لکھا ہے کہ میں نے کوفہ کی مسجد میں نوسو شیوخ کو حضرت امام جعفر سے روایت کرتے سنا ہے ، ائمہ حدیث وسنن کی ایک جماعت جس میں امام مسلم ، امام مالک ، امام ابوداؤد السجستانی ، امام ترمذی ، امام نسائی ، امام ابن ماجہ اور امام دار قطنی شامل ہیں ان سے روایت کی ہے ۔ ان کا شمار مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے یہی وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جنہوں نے علم مدینہ کو اخلاف تک پہنچایا اور ان کے بابرکت آستانے سے خلق کثیر نے استفادہ کیا ، بیشتر فقہی مسالک کے ائمہ کرام جس میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ، حضرت سفیان ثوری ، حضرت امام مالک رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس بارگاہ کی خوشہ چینی کی ہے ۔ کتب سیر وسوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ علمی استفادہ کی غرض سے آپ کی خدمت میں دو سال رہے اور یہ دو سال ان کے لئے اس قدر قیمتی تھے کہ وہ فرمایا کرتے تھے ۔ لولا السنتان لهلك النعمان یعنی اگر یہ

دو سال مجھے نہ ملتے تو نعمان ہلاک ہو گیا ہوتا اور شاید یہ دو سال وہی ہیں جب حضرت امام اعظم ابو حنیفہ بغرض زیارت حرمین شریفین مکہ معظّمہ تشریف لے گئے اور یہ ساری مدت انھوں نے حضرت امام جعفر صادق کے دبستان علم میں صرف کر دی۔ حضرت سفیان ثوری کے بارے میں ملتا ہے کہ جب وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے اور یہ کہا کہ میں اس در سے اس وقت تک نہیں اٹھوں گا جب تک آپ مجھ سے کلام نہیں فرمائیں گے۔ حضرت امام نے حضرت سفیان ثوری سے اس وقت چند باتیں فرمائیں ان میں ایک بات یہ تھی۔

اے سفیان اگر تمہارا پالا سلطان یا حاکم وقت سے پڑ جائے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ بکثرت پڑھا کرو کیوں کہ یہ کشادگی کی کنجی اور جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دل میں نقش ہو جانے والے یہ الفاظ سنے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے۔

حضرت امام مالک جو اپنے وقت کے آفتاب و ماہتاب تھے اپنی موطا کا بڑا حصہ انھوں نے انھیں کی مرویات کی بنیاد پر مدون کیا ہے جسے آج کتب احادیث میں مصدر کی حیثیت حاصل ہے۔ ان کا بیان ہے کہ جب بھی میں حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھیں تین عبادتوں میں سے کسی ایک میں مصروف پایا، یا تو نماز پڑھتے ہوئے ملتے یا روزہ کی حالت میں ہوتے تھے یا قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہوتے میں نے ایسا کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان کی ہو اور باوضو نہ ہوں ان کے منھ سے وہی بات نکلتی تھی جو ان کی مراد ہوتی تھی اور متواضع تو اتنے تھے کہ جب میں کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو جس گدیلے پر تشریف فرما ہوتے تھے اسے اٹھا کر میرے لئے بچھا دیتے تھے۔

چوں کہ آپ کی علمی جلالت کا شہرہ دور دور تک پہنچ چکا تھا اس لئے کثرت سے تشنگان علوم آپ کی بارگاہ میں دور دور سے آیا کرتے تھے سوانح نگار لکھتے ہیں ایسے شاگردوں کی تعداد تقریباً چار ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ ان میں علوم شرعیہ کے ماہرین اور علوم

عصری کے مستفیدین بھی ہوا کرتے تھے، امام اپنے لکچر کو صرف سننے پر ہی نہیں لکھنے پر بھی زور دیا کرتے تھے وہ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے کہ

''لکھ لو کیوں کہ جب تک لکھ نہ لوگے، یاد نہ رکھ سکوگے''

کتابت حدیث کا بھی سلسلہ سیدنا امام جعفر صادق کے عہد میں شروع ہو چکا تھا۔ اپنے دور میں علمائے فقہ کے وہ سرخیل و سرتاج تھے فقہی امور میں جو فقہا کے اختلافات ہیں اس سے بھی انھیں اچھی واقفیت تھی۔ قرآن کریم کی وہ آیات جو فقہی احکام و دلائل سے متعلق ہیں لوگ ان کی جانکاری حاصل کرنے آپ کے پاس آیا کرتے تھے وہ اپنے عقیدت مندوں کو علم فقہ کی حاصل کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔

''دین کے مسائل سمجھو، کیوں کہ جو تم میں فقیہ نہیں وہ گنوار ہے''۔

اس معاملہ میں وہ اتنے سخت تھے کہ جو لوگ حلال وحرام کی معرفت سے جی چراتے تھے ان کے بارے میں ان کا کہنا تھا،'' کاش میرے پاس کوڑے ہوتے تو میں ان لوگوں کے سر پر اس وقت تک برساتا جب تک یہ دین کے مسائل سمجھ نہ لیتے''۔

علم قرآن پر بھی آپ کی نظر گہری تھی تفسیر اور اصول تفسیر دونوں سے آپ بھرپور واقف تھے، فلسفہ یونان سے متاثر ہو کر جب لوگوں نے اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کرنے شروع کئے حقائق کا انکار کیا خلق قرآن کا فتنہ برپا کیا اور حد تو یہ کہ ذات باری پر بھی معترض ہوئے تو آپ نے ان کا رد بلیغ فرمایا۔

ایسا عالم و فاضل اور تمام علوم وفنون سے آراستہ شخص جب کسی بندۂ خدا کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے گا، تو اسے رفعت و سربلندی کے کس مقام تک پہنچائے گا اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ صاحب تذکرہ نے کسی ایک کی نہیں بلکہ پوری خلقت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور بندگان الٰہی کی دلجوئی میں اپنی زندگی کا گرانمایہ لمحہ بسر کیا۔ اس تعلق سے بیشتر واقعات کتب تذکرہ وسوانح میں پائے جاتے ہیں۔ موقع کی مناسبت سے ایک دو واقعہ کا ذکر غیر مناسب نہ ہوگا۔

''حبیب السیر''، میں فضل بن عمر سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کہیں آپ تشریف

لے جا رہے تھے، راستے میں دیکھا کہ ایک عورت اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھی رو رہی ہے آپ نے اس سے رونے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ میرے پاس ایک گائے تھی جس کے دودھ پر میرا اور میرے بچوں کو گذارہ ہوتا تھا اب وہ گائے مرگئی ہے اب حیران ہوں کہ کیا کروں حضرت امام نے دعا کی اور اپنا پاؤں گائے پر مارا اور آواز دی گائے فوراً زندہ ہوکر کھڑی ہوگئی اور چلنے لگی۔

ایک دوسرا واقعہ حضرت علی بن حمزہ کی زبانی سنئے وہ فرماتے ہیں ایک دن میں حضرت امام جعفر صادق کے ساتھ ایک خشک کھجور کی درخت کے پاس کھڑا تھا حضرت امام نے اس کی طرف دیکھ کر اپنے دونوں لبوں کو حرکت دی فوراً وہ کھجور کا درخت ہرا ہوگیا اور پھل ظاہر ہوئے پس ہم نے ان کے ساتھ تازہ کھجور کھائے ان میں ایسی لذت تھی کہ ایسی کھجوریں کبھی نہ کھائی تھیں۔ وہاں ایک اعرابی بھی موجود تھا اس نے کہا کہ میں نے اس قسم کا جادو کبھی نہیں دیکھا یہ سن کر حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا ہم انبیاء کے وارث ہیں ہم جادو نہیں جانتے ہم تو بس اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں سے اللہ تعالیٰ قبول کر لیتا ہے اگر تو چاہتا ہے تو میں تیرے حق میں بھی دعا کروں کہ اللہ تجھے مسخ کردے اور تجھے کتا بنادے وہ جاہل آدمی تھا ہی اس نے امام کے مرتبہ کو نہ پہچانا اور کہہ دیا کہ ہاں۔ امام صاحب نے دعا کردی ادھر دعا زبان سے نکلی ادھر بابِ اجابت سے ٹکرائی اور وہ جاہل فوراً کتا بن گیا اور گھر کی طرف بھاگا گھر کے لوگوں نے اسے مار کر گھر سے بھگادیا اس کے بعد وہ امام جعفر صادق کے سامنے آیا وہ مٹی پر لیٹ گیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے یہ دیکھ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رحم آگیا آپ نے دعا کی اور اپنی اصلی صورت میں عود کر آیا۔ (مراۃ الاسرار ص ۲۱۲)

مردوں کو زندہ کرنے کا کام خدا کا ہے یا وہ شخص یہ کام انجام دے سکتا ہے جسے اللہ نے اس کام کی قوت عطا کی ہو جیسا کہ قرآن مقدس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ خذ اربعة من الطير فصر هن اليك (چار پرندے لے کر اپنے پاس بلاؤ) انھوں نے چار پرندوں کو ذبح کیا اور ان کے گوشت کو باہم ملا کر چار الگ الگ پہاڑوں پر رکھ دیا پھر انھیں آواز دی تو سب زندہ ہوکر آپ کی بارگاہ میں حاضر

ہو گئے، ایک شخص کو اس واقعہ کا علم تھا وہ ایک جماعت کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا ذکر کر کے دریافت کرنے لگا کہ کیا وہ پرندے ایک جنس کے تھے یا مختلف اجناس سے تعلق رکھتے تھے امام جعفر صادق نے فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو وہی چیز تم کو دکھاؤں اس نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا اے باز حاضر ہو جا فوراً باز آ پہنچا، آپ نے فرمایا اے مور حاضر ہو جا فوراً مور آ گیا، آپ نے فرمایا اے کوّا حاضر ہو جا فوراً کوّا آ گیا، آپ نے فرمایا اے کبوتر آ جا کبوتر حاضر ہو گیا، طاوس، غراب، باز اور کبوتر چاروں پرندے حاضر ہو گئے آپ نے حکم دیا کہ ان سب کو ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو انھوں نے حکم کی تکمیل کی اور ان پرندوں کے سروں کو آپ نے اپنے پاس محفوظ کر لیا تمام گوشت خلط ملط کر دیئے گئے اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے طاؤس! یہ کہنا تھا کہ مور کا گوشت پوشت اور ہڈی جدا ہو کر اس کے سر کے ساتھ لگ گئی اس کا جسم صحیح ہو گیا اور وہ پرندہ زندہ ہو کر بیٹھ گیا اس کے بعد آپ نے یکے بعد دیگرے تمام پرندوں کو طلب کیا اور وہ سب زندہ ہو کر آ گئے۔

(اقتباس الانوار ص ۱۴۰)

اس عظیم الشان رتبہ پر فائز ہونے کے باوجود آپ حد درجہ متواضع تھے شاہی طمطراق سے کوسوں دور تھے نہ تو دماغ میں کوئی طنطنہ اور نہ ہی کسی قسم کی نخوت بلکہ وہ ایک عام انسان کی طرح رزق حلال کے لئے محنت ومشقت کرتے، آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ مالداروں سے زیادہ غریبوں کی عزت کیا کرتے تھے مزدوروں کی بڑی قدر کیا کرتے تھے، تجارت بھی کرتے اور اکثر اوقات اپنے باغ میں بہ نفس نفیس محنت ومشقت کر کے رزق حلال کا سامان فراہم کرتے۔ ''امام جعفر صادق حیات وخدمات'' کے مصنف لکھتے ہیں۔

> ایک مرتبہ بیلچہ ہاتھ میں لئے باغ میں کام کر رہے تھے اور پسینہ سے تمام جسم تر ہو گیا تھا کسی نے کہا یہ بیلچہ مجھے عنایت فرمائیے کہ میں یہ خدمت انجام دوں حضرت امام نے فرمایا طلب معاش میں دھوپ اور گرمی کی تکلیف سہنا عیب کی بات نہیں غلاموں اور کنیزوں پر وہی مہربانی رہتی تھی جو اس گھرانے کی شان تھی۔ (امام جعفر صادق حیات وخدمات ص ۱۱۳)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ورع قابل تقلید تھا حلال وحرام کی تمیز ان میں حد درجہ تھی، ان کا ہر قدم شریعت مطہرہ کی روشنی ہی میں اٹھتا تھا، اسراف وتبذیر سے کوسوں دور تھے اور اپنے تقشّف اور زہد وعبادت کو پوشیدہ رکھتے تھے تا کہ نفس میں کسی طرح کا تکلف اور جذبۂ ریا ونمائش نہ پیدا ہو۔ان میں ایک نمایاں وصف یہ بھی تھا کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی کا خوف دل میں نہیں رکھتے تھے، نہ ہی راہ مولیٰ میں کسی کو خاطر میں لاتے تھے اسی خوف الٰہی نے انھیں دنیا میں سرداری عطا کی تھی، کہتے ہیں جو دنیا میں اللہ سے ڈرتا ہے تو پوری دنیا اس سے خوف کھاتی ہے۔اخلاص سے عمل میں جلا پیدا ہوتی ہے یہ وصف امام ہمام میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، دینی عمل میں اخلاص کی بڑی اہمیت ہے جس کی طرف قرآن کریم میں له مخلصاً فی الدین سے اشارہ کیا گیا ہے۔خاندان نبوت کا ہر فرد صبر ورضا کا عملی پیکر تھا حضرت امام جعفر صادق صبر وتحمل کے ایسے خوگر تھے کہ اضطرابی امور ومعاملات میں وہ مغموم اور پریشان نہیں ہوتے بلکہ سب کا مقابلہ خندہ پیشانی کے ساتھ کیا کرتے تھے، ترک شکایت، قبول قضا اور صدق رضا الغرض صبر کی تمام صورتیں ان کے اندر پائی جاتی تھیں ضجر اور صبر یہ دو متضاد چیزیں ہیں، ضجر اس بے قراری کا نام ہے جس میں گلے شکوے ہوں اور صبر اس کیفیت کا نام ہے جس میں فریاد وفغاں نہ ہو امام موصوف صبر کے عادی اور خوگر تھے۔ضجر سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔انھوں نے اپنے عقیدت مندوں کو حکم دے رکھا تھا کہ لوگوں سے جھگڑا نہ کریں تحمل کا ثبوت دیں خواہ اس میں نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے جواد وسخی تو اس درجہ تھے کہ جو بھی حاجت مند اور مستحق نظر آتا بے تامل اس کی مدد کرتے یہ تو اس خاندان کی خصوصیت تھی کہ کوئی ان کے در بار سے نامراد واپس نہیں لوٹا ان کے جود وسخا اور بذل وعطا کا حال یہ تھا کہ وہ انتہائی خفیہ طور پر داد ودہش کا عمل انجام دیتے۔جب شام کا اندھیرا چھا جاتا تو ایک ٹوکری لیتے جس میں روٹی گوشت اور دراہم ہوتے یہ ٹوکری اپنے مبارک کاندھے پر رکھ لیتے پھر مدینہ کے اہل حاجات کے یہاں تشریف لے جاتے اور ان میں تقسیم کر دیتے آپ کی وفات کے بعد یہ راز کھلا کہ اندھیرے میں ٹوکری کندھے پر رکھ کر کھانا تقسیم کرنے والا کوئی اور نہیں بلکہ خود امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔بعض

سوانح نگاروں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ وہ غربا و مساکین کو اتنا کچھ دے ڈالتے تھے کہ خود ان کے عیال کے لئے کچھ نہ بچتا تھا۔ خوش خلقی اور، عفو و درگذر اور نرم مزاجی تو اس درجہ تھی کہ کسی کو آواز سے ڈانٹتے اور ان پر غصہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، خدام کے ساتھ بھی ان کا رویہ نرم اور مشفقانہ ہوتا تھا ایک مرتبہ آپ نے اپنے کسی غلام کو کسی کام کے لئے کہیں بھیجا غلام نے واپس آنے میں دیر کر دی تو آپ خود اس کی تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ وہ کہیں خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہے، آپ اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور بیٹھ کر پنکھا جھلنے لگے۔ آپ کی سماحت اور رفق کا یہ عالم یہ تھا جو آپ کے ساتھ برائی سے پیش آتا آپ اس کے لئے بھی دعائے خیر فرماتے، خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاھلین پر آپ کا مضبوطی کے ساتھ عمل تھا، کیوں کہ سخت کلامی اور درشت گوئی سے بدمزگی اور تلخی پیدا ہوتی ہے اور انتقام سے اشتعال اور حسد کی کیفیت جنم لیتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق کو خدائے عز وجل نے فراست قویہ کی نعمت سے بھی سرفراز فرمایا تھا یہی وہ فراست تھی جس نے انھیں سیاست کی خارزار وادیوں میں قدم رکھنے سے روک رکھا تھا۔ آپ کے عہد میں حکومتی سطح پر کئی سماجی اور ملکی تبدیلیاں آئیں قدم قدم پر آپ کی فراست نے آپ کی رہنمائی کی۔ فراست کے ایک واقعہ کا ثبوت اس سے فراہم ہوتا ہے کہ جب امویوں کے خلاف تحریک چلانے کی قیادت وسیادت آپ کو پیش کی گئی تو آپ نے دانشمندانہ انداز میں اس سے معذرت طلب کر لی جس کے سبب عباسیوں کو آگے بڑھنے اور بڑھ کر خلافت پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا، اس موقع سے آپ نے فرمایا تھا کہ یہ حکومت ہمارے لئے نہیں تھی۔

حضرت امام جعفر صادق کا ہر عمل رضائے الٰہی کے لئے تھا قیام وطعام، خورد و نوش ،نشست و برخاست، سفر و حضر، لباس و پوشاک سب میں رضائے الٰہی کا بھرپور خیال رکھتے تھے ان کا ظاہر مخلوق کے لئے ضرور ہوتا تھا لیکن ان کا باطن صرف اور صرف اللہ کے لئے ہوتا تھا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے بدن پر بیش قیمت لباس دیکھ کر اعتراض کر دیا کہ ایسا قیمتی لباس اہل بیت کے لئے مناسب نہیں تو

آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جب اپنی آستین پر پھیرا تو اس کو آپ کا لباس ٹاٹ سے بھی زیادہ کھردرا محسوس ہوا اس وقت آپ نے فرمایا ھذا للخلق وھذا للحق یہ مخلوق کے لئے ہے اور یہ حق تعالیٰ کے لئے ہے یعنی مخلوق کی نگاہوں میں تو یہ عمدہ لباس ہے مگر حق کے لئے یہی کھردرا ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۱ دہلی)

حضرت امام جعفر صادق بڑے مستجاب الدعوات بھی تھے اور کثیر الکرامات بھی، جب آپ کو کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوتی تو آپ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے اور دعا ختم ہونے سے پہلے ہی وہ چیز آپ کے پہلو میں نمودار ہو جاتی کتب سوانح میں جس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی امام جعفر صادق کے فیض یافتہ تھے وہ بارہ سال آپ کی خدمت میں رہ کر سقائی یعنی لوگوں کو پانی پلانے کا فریضہ انجام دیتے رہے ایک دن امام جعفر صادق نے فرمایا کہ طاق سے فلاں کتاب اٹھا کر لاؤ انھوں نے جواب دیا کہ کون سی؟ آپ نے فرمایا کہ اتنی مدت سے یہاں رہ رہے ہو طاق کی خبر نہیں انھوں نے جواب دیا کہ میری کیا مجال کہ آپ کے سامنے سر اٹھا کر طاق کی طرف دیکھوں میں یہاں نظارہ کے لئے نہیں آیا ہوں آپ نے فرمایا کہ اگر یہی حال ہے تو بسطام جاؤ تمہارا کام مکمل ہو گیا، چنانچہ خرقۂ خلافت حاصل کر کے چلے گئے اور مسند خلافت پر بیٹھ کر ایک جہاں کو فیض یاب کیا۔ سچ کہا ہے کسی نے

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

(اقتباس الانوار ص ۱۴۲)

امام جعفر صادق نے اپنی زندگی کو شریعت و روحانیت کے دائرہ تک ہی محدود نہیں کر رکھا تھا بلکہ ملکی امور و معاملات اور عوام الناس کے سماجی مسائل سے بھی انھیں گہری دلچسپی تھی مگر سیاست میں حصہ لینے سے ہمیشہ مجتنب رہے انھوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں علم کی نشر و اشاعت اور نیکی و تقویٰ کے پھیلانے میں صرف کیں، جاہ و منصب کے حصول کی لالچ کبھی ان کے دل میں نہیں پیدا ہوئی سچ تو یہ ہے جو بحر معرفت میں غرق ہو چکا ہو پھر اس میں کسی چیز کی طمع نہیں رہ جاتی، عزلت اور گوشہ نشینی کے باوجود بھی حضرت امام جعفر صادق حکام

وقت کی بدگمانی اور ان کے شکوک وشبہات سے نہ بچ سکے اور خانوادۂ نبوت کو جن مصائب اور آلام کا سامنا کرنا پڑا اس کا خاصا اثر امام کی ذات اقدس پر پڑا۔ زندگی کے آخری لمحات آپ نے مدینہ منورہ میں گزارے، وہاں کی مٹی کی خوشبو سے آپ کو ایسی انسیت تھی پھر کبھی اس سرزمین سے باہر قدم نکالنے کا خیال ہی دل میں نہ پیدا ہوا۔ جوار رسول سے جدائی انھیں ایک لمحہ کے لئے بھی گوارہ نہ تھی۔ انھیں عباسیوں کی طلب واصرار پر بعض دفعہ سرکاری بدگمانیوں کے ہجوم میں عراق بھی جانا پڑا تھا مگر عراق میں ذہنی آسودگی حاصل نہ ہوسکی تھی سیاسی شورش نے آپ کے آرام وسکون کو غارت کر رکھا تھا، شاید یہی وجہ تھی مدینہ سے باہر جانے کے لئے تازیست وہ تیار نہ ہوئے۔ مگر چہرہ پر رعب وجلال اس قدر تھا کہ جو دیکھتا اس پر ایک قسم کی ہیبت ضرور طاری ہوجاتی شیخ فریدالدین عطار لکھتے ہیں کہ:

''خلیفہ منصور نے ایک شب اپنے وزیر کو حکم دیا کہ جعفر صادق کو میرے روبرو پیش کروتا کہ میں ان کو قتل کردوں وزیر نے عرض کیا کہ دنیا کو خیر باد کہہ کر جو شخص عزلت نشین ہوگیا ہو اس کو قتل کرنا قرین مصلحت نہیں، لیکن خلیفہ نے غضب ناک ہوکر کہا میرے حکم کی تعمیل تم پر ضروری ہے چنانچہ جب وزیر مجبوراً امام جعفر صادق کو لینے گیا تو منصور نے غلاموں کو ہدایت کردی کہ جس وقت میں اپنے سر سے تاج اتاروں تو تم فی الفور صادق کو قتل کردینا لیکن جب وزیر کے ہمراہ آپ تشریف لائے تو آپ کے عظمت وجلال نے خلیفہ کو اس درجہ متاثر کیا کہ وہ اضطراری طور پر آپ کے استقبال کے لئے کھڑا ہوگیا اور نہ صرف آپ کو صدر مقام پر بٹھایا بلکہ خود مودبانہ آپ کے سامنے بیٹھ کر آپ کی حاجات اور ضروریات کے متعلق دریافت کرنے لگا آپ نے فرمایا کہ میری سب سے اہم حاجت وضرورت یہ ہے کہ آیندہ پھر کبھی مجھے دربار میں طلب نہ کیا جائے تاکہ میری عبادت وریاضت میں خلل نہ پڑے چنانچہ منصور نے وعدہ کرکے عزت واحترام کے ساتھ آپ کو رخصت کیا لیکن آپ کے دبدبہ کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ لرزہ براندام ہوکر مسلسل تین شب وروز بے ہوش رہا بعض

روایات میں ہے کہ تین نمازوں کے قضا ہونے کی حد تک غشی طاری رہی
بہر حال خلیفہ کی یہ حالت دیکھ کر وزیر وغلام حیرت زدہ رہ گئے اور جب
خلیفہ سے اس کا حال دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ جس وقت جعفر صادق
میرے پاس تشریف لائے تو ان کے ساتھ ایک اتنا بڑا اژدہا تھا، جو اپنے
جبڑے کے درمیان پورے چبوترے کو گھیرے میں لے سکتا تھا اور وہ اپنی
زبان میں مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اگر تو نے ذرا سی بھی گستاخی کی تو تجھ کو
چبوترے سمیت نگل جاؤں گا چنانچہ اس کی دہشت مجھ پر طاری ہوگئی اور
میں نے آپ سے معافی طلب کر لی۔(تذکرۃ الاولیاء ص ۱۰)

امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محاسن اور خصوصیات بے شمار ہیں لیکن ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے امامت کے روحانی فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ علم کی نشر واشاعت میں غیر معمولی حصہ لیا وہ امام زمانہ صرف روحانی اعتبار سے نہیں بلکہ علمی اعتبار سے بھی تھے۔

سوموار کے دن پندرہ ماہ رجب ۱۴۸ھ کو ۶۵؍سال کی عمر میں وصال ہوا بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کا وصال سلطنت عباسیہ کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور بن ابوالعباس السفاح کے زہر دلوانے کے سبب ہوا مگر ابوزہرہ کی تحریر کے بموجب اس میں کوئی صداقت نہیں معلوم ہوتی ایک روایت کے مطابق آپ کی عمر اڑسٹھ سال اور دوسری روایت کے مطابق پینسٹھ سال تھی سال ولادت ۸۰ یا بروایت دیگر ۸۳ھ مان لیا جائے تو آپ کی امامت کی مدت چونتیس سال تھی۔آپ کے چھ لڑکے اور ایک لڑکی تھی لڑکوں کے نام اسماعیل۔محمد،علی،عبداللہ،اسحٰق،موسیٰ کاظم تھا،لیکن صحیح روایت یہ ہے آپ کے سات لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں سب سے بڑے لڑکے کا نام اسماعیل تھا جو امام جعفر صادق کو بہت عزیز تھا لوگوں کا خیال تھا کہ امامت اسے ہی ملے لیکن آپ کی زندگی ہی میں ان کا وصال ہوگیا لہٰذا امامت حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی۔(مراۃ الاسرار ص ۲۱۳)

آپ کا مزار مبارک مدینہ منورہ کی قبرستان جنۃ البقیع میں والد ماجد حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں ہے۔(تاریخ مشائخ قادریہ رضویہ ص ۱۵۳)

حضرت امام علی رضا (مشہد) رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بنگان حق کی رشد وہدایت کے لئے اللہ رب العزت نے انبیاء ومرسلین کومبعوث فرمایا جنھوں نے تمام مصائب وآلام برداشت کر کے پیغام حق بندگان حق تک پہنچا کر کے ہی دم لیا،اس زریں سلسلہ کے اختتام کے بعد کار نبوت کو بڑھانے کے لئے اولیائے کرام بزرگان دین،شہدا، وصالحین اور ائمہ دین کا انتخاب فرمایا،ہر ایک نے اپنے اپنے زمانے میں اس نبوی مشن کی نشر واشاعت اور اس کی تکمیل میں اپنی عمر کا گراں مایہ حصہ بسر کیا۔ اس طرح جن بندگان حق نے تبلیغ دین اور اسلام کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا ان کی طویل فہرست ہے،مگر ان میں ایک نمایاں نام حضرت سیدنا امام ابوالحسن علی رضا بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے۔پیغمبر اسلام کی اولاد پاک میں حضرت امام علی اور امام زین العابدین کے بعد آپ تیسری شخصیت ہیں جن کا نام نامی اسم گرامی علی ہے۔(مطالب اصول فی مناقب آل رسول ص ۲۹۵)

مگر دنیائے اسلام میں آپ کو شہرت حضرت امام رضا سے ملی یہ لقب آپ کو حاکم وقت مامون نے ۲۰۱ھ میں زبردستی اپنا ولی عہد بنانے کے بعد دیا تھا(تتمۃ المختصر فی اخبار البشر ص جلد ا ص ۳۱۸) لیکن امام محمد تقی جو آپ کے فرزند ارجمند ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے علاوہ سب مخالفین وموافقین چوں کہ آپ سے راضی تھے اس لئے آپ کو ''رضا'' کا لقب عطا کیا گیا تھا۔مولانا عبدالرحمان کے اس شعر سے اس بات کی تائید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

ا مام علی نا م عا لی نسب پنا ہ عجم مقتد ا ئے عر ب
از و بود راضی جہاں آ فریں ازاں روز رضا گشت اور القب
(تاریخ حبیب السیر فی اخبار افراد البشر جلد۲ص۸۲)

آپ کی ولادت میں مورخین مختلف الخیال ہیں، کسی نے ۱۴۳ھ کسی نے ۱۴۸ھ کسی نے ۱۵۱ھ اور کسی نے ۱۵۳ھ کا اقرار کیا ہے، مدینہ منورہ میں امام جعفر صادق کے بیت الشرف میں آپ کی ولادت ہوئی جو تقویٰ تدین اور پرہیز گاری کا مرکز تھا اسی بیت الشرف میں آپ کی پرورش ہوئی اور پدر بزرگوار اور خاندان کے آداب و رسوم سے آراستہ ہوئے آپ کا ہر عمل قابل تقلید تھا آپ کی عادت تھی کہ جب آپ دستر خوان پر کھانے کے لئے بیٹھتے تو اپنے غلاموں یہاں تک کہ اصطبل کے رکھوالوں اور دربانوں کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لیتے۔

بلا شبہ آپ پیدائشی ولی تھے جس کا اظہار آپ کی والدہ ماجدہ جن کا نام نجمہ خاتون تھا ولادت کے بعد انھیں طاہرہ کے لقب سے یاد کیا گیا اس کا اظہار ان کے ان الفاظ سے ہوتا ہے۔ آپ فرماتی ہیں۔

> ''دوران حمل میں نے قطعاً کوئی بوجھ نہیں محسوس کی اور سوتے وقت میں اپنے بیٹے کی تسبیح وتہلیل کی آوازیں سنتی تھی اور جب آپ دنیا میں تشریف لائے تو پہلے انھوں نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر رکھا سر مبارک کو آسمان کی طرف بلند فرمایا اور آپ کے لبوں پر حرکت تھی گویا خدا وند عالم سے مناجات کر رہے ہوں اتنے میں آپ کے والد ماجد حضرت موسیٰ کاظم تشریف لائے اور فرمایا۔ هنيا ً لك كرامة ربك عز وجل آپ کو پروردگار کی جانب سے یہ کرامت مبارک ہو اس وقت میں نے اپنے بیٹے کو حضرت کے سپرد کیا آپ نے ان کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھی پھر آپ کا دہن مبارک آب فرات سے دھویا''۔
> (تاریخ روضۃ الصفا جلد۳ص۴۲)

شعور بالغ ہوتے ہیں ظاہری طور پر آپ نے اپنے والد بزرگوار چچا اور خاندان کے دیگر بزرگوں سے احادیث کی سماعت کی اور اکتساب علم کیا، علوم وفنون میں مہارت پیدا کی حدیث وتفسیر اور دیگر علوم سے اہل بصرہ کو ایک زمانہ تک سیراب کیا۔ ۲۴ سال کی عمر میں مسجد نبوی میں بیٹھ کر لوگوں کے استفتا کے جوابات دیئے اور تقریباً ۱۵ر ہزار استفتا کے آپ نے جوابات دیئے اور ایک عالم کو اپنی فقہی مہارت سے مستفید کیا۔ آپ ادب وحلم اور فہم کے اعتبار سے بہت زیادہ باریک بیں، نکتہ سنج اور دقیقہ رس تھے۔ بہت زیادہ حدیث نقل فرماتے اور بہت انہماک کے ساتھ افہام وتفہیم فرماتے علم وحلم میں امین اور زہد وپرہیز گاری میں کامل ترین تھے۔

مامون کے حکم سے آپ نے مدینہ منورہ سے ''مرو'' کے لئے ہجرت کی پہلے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے پھر وہاں سے اس سفر میں آپ کے فرزند حضرت محمد تقی آپ کے ہمراہ تھے۔ دوران سفر ''نیشاپور'' تشریف لے گئے جہاں آپ کا پُر تپاک خیر مقدم کیا گیا اکابر علماء نے آپ کا استقبال کیا علماء وفقہا آپ کے چاروں طرف جمع ہو گئے جن میں پیش پیش یحییٰ بن یحییٰ، اسحاق بن راہویہ، محمد بن رافع اور احمد بن حرب تھے، جب اس عظیم مجمع نے آپ کو دیکھا تو تکبیر وتہلیل کی آوازیں بلند کرنے لگے، لوگ آپ کے چہرہ کی زیارت اور آپ کی زبان مبارک سے حدیث کی سماعت کے لئے بے قرار تھے۔ کوئی آپ کی سواری کے قدموں اور کوئی آپ کے کجاوہ کو بوسہ دے رہا ہے، لوگ دہاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، آپ کجاوہ کے اندر تھے جب لوگوں کے اصرار پر چہرہ مبارک باہر نکالا تو فرط محبت سے لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے علماء وحفاظ کہہ رہے تھے کہ خاموش ہو جاؤ اور فرزند رسول کو تکلیف نہ پہنچاؤ جب لوگ خاموش ہو گئے تو لوگوں نے امام سے عرض کیا کہ اے فرزند رسول خدا آپ کو آپ کے آبا واجداد کا واسطہ ہمارے لئے ایسی حدیث نقل فرمایئے جو آپ نے اپنے والد گرامی اور انھوں نے اپنے آباء واجداد سے سنی ہو بس آپ نے اپنا سر مبارک ہی کجاوہ سے باہر نکالا اور یہ حدیث بیان فرمائی۔

قال علی بن موسیٰ الرضا حدثنی ابی موسیٰ کاظم عن

ابیه جعفر الصادق عن ابیه محمد بن باقر عن ابیه علی زین العابدین عن ابیه الحسین الشهید کربلا عن ابیه علی بن ابی طالب قال حدثنی حبیبی وقرة عینی رسول الله قال حدثنی جبرئیل قال سمعت رب العزه سبحانه تعالیٰ یقول " کلمة لا اله الا الله حصنی فمن قالها دخل حصنی ومن دخل حصنی امن من عذابی

(الفصول المهمة فی معرفة احوال الائمة ص۲۴۲)

(امام علی رضا نے فرمایا میں موسیٰ بن جعفر سے، انھوں نے اپنے والد بزرگوار جعفر بن محمد سے انھوں نے اپنے والد بزرگوار محمد بن علی سے انھوں نے اپنے والد بزرگوار علی بن الحسین سے انھوں نے اپنے والد بزرگوار حسین بن علی سے انھوں نے اپنے والد بزرگوار علی بن ابی طالب سے اور انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ خداوند عالم حدیث قدسی میں فرماتا ہے۔لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ میرے قلعہ میں داخل ہو گیا اور جو'' میرے قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا''۔)

روایت ہے کہ جس وقت امام رضا نیشاپور سے گذر رہے تھے تو آپ کے ساتھ اس وقت احمد بن حرب، یحییٰ بن یحییٰ اور اسحاق بن راہویہ اور دیگر حضرات کافی تعداد میں تھے،آپ نے حدیث مبارک میں جن اسناد کا ذکر کیا اس کے بارے میں اکثر علماء کا بیان ہے لوقرأت هذا الاسناد علیٰ مجنون لبری من جنته (الصواعق المحرقة ج۲ص۵۹۵)اگر ان اسناد کو کسی دیوانہ پر پڑھ کر پھونک دیا جائے تو وہ دیوانگی سے افاقہ پا کر عقلمند ہو جائے گا۔

اس حدیث کی عظمت کا عالم یہ ہے کہ جب یہ حدیث کسی سامانی بادشاہ تک پہنچی تو اس نے عمائدین سلطنت سے کو حکم دیا کہ اس حدیث کو سونے سے تحریر کیا جائے اور وصیت

کی کہ مرنے کے بعد اسے میری قبر میں دفن کر دیا جائے اس کے مرنے کے بعد کسی نے اسے خواب میں دیکھا اور سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کیا گذری تو اس نے جواب دیا کہ خداوند عالم نے مجھ کوکلمہ لا اله الا الله کہنےاور محمد رسول الله کی تصدق کرنے کی وجہ سے بخش دیا۔ (الفصول المهمه فی معرفة احوال الائمة ص۲۴۳)

نیشاپور میں آپ کی تاریخی آمد سے درج ذیل باتوں کا علم ہوتا ہے۔

۱۔حضرت امام رضا سے اہل نیشاپور کا والہانہ لگاؤ

۲۔حضرت امام رضا کا علماء کا پُر جوش والہانہ استقبال

۳۔آپ کی زیارت کے لئے بےقراری اور نالہ وفریاد

۴۔محبت امام میں مرکب (سواری) کی پابوسی

۵۔حضرت امام رضا سے علما وفقہا کا استفادہ کرنا

۶۔حضرت امام رضا سے سماعت حدیث کی التجا

۷۔حضرت امام رضا کی سواری پکڑنے میں علماء کا ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں جدوجہد کرنا۔

یہ حدیث جن علماء نے سنیں اور اسے نقل کیا ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد بیس ہزار تھی۔جن میں درج ذیل حضرات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ان میں آدم بن ابی ایاس عسقلانی (وفات ۲۲۰ھ) ابو زکریا یحییٰ بن یحییٰ تمیمی نیشاپوری (وفات ۲۲۶ھ) ابوعبداللہ احمد بن حرب بن فیروز نیشاپوری (وفات ۲۳۴ھ) ابو یعقوب بن اسحاق راہویہ مروزی (وفات ۲۳۸ھ) ابوالحسن محمد بن اسلام کندی طوسی (وفات ۲۴۲ھ) ابوعبداللہ محمد بن رافع قشیری حنبلی (وفات ۲۴۵ھ) نصر بن علی الجھنی (وفات ۲۵۰ھ) محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی (وفات ۳۱۱ھ) اس طرح ہزاروں علماء ومحدثین نے آپ سے روایات کی اور اسے تحریر کیا۔احادیث بیان کرنے کے علاوہ اور بھی بہت سی دانائی اور حکمت سے لبریز آپ کی گفتگو اور نصیحتیں ہیں جنھیں اگر اپنی زندگی میں داخل کر لی جائیں تو اس سے انتہائی عافیت اور سکون کی زندگی بسر ہوسکتی ہے۔ان کی وسعت علم کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے۔وہ اپنے

زمانہ کے اعلم روزگا علماء میں سے تھے، جب بھی علماء کو کوئی مشکل درپیش آتی تو وہ آپ کی طرف رجوع فرماتے، وہ دور مناظروں اور مباحثوں کا تھا آپ جس مناظرہ اور مباحثہ کی محفل میں جاتے آپ ہی کو سربلندی حاصل رہتی آپ کی حاضر جوابی سے علماء حیران ودنگ رہ جاتے افضل روزگار علماء نے بھی آپ کی علمی عبقریت اور تبحر علمی کا اعتراف کیا ہے، آپ سے فرماتے ہوئے سنا گیا کہ:

''میں ایک مجلس میں موجود تھا اور مدینہ کے متعدد علماء بھی موجود تھے جب کوئی ان سے کسی مسئلہ کے بارے میں دریافت کرتا تو وہ علماء اس مسئلہ کو میری طرف مبذول کردیتے اور میں اس کے سوال کا شافی جواب دیتا'' دنیا میں کوئی ایسا اہل علم نہیں جس نے آپ سے ملاقات کی ہو اور آپ کی عظمت کا اعتراف نہ کیا ہو اور ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ جو جس زبان میں سوال کرتا آپ اسی کی زبان میں اس کے سوالوں کا جواب مرحمت فرماتے، بلاشبہ سرزمین عرب میں وہ اللہ تعالیٰ کی حجت تھے، متعدد زبانوں پر عبور کی وجہ سے ہی کسی شاعر نے آپ کے بارے میں کہا تھا۔

وَ عِلمُه بِجُملَةِ اللُّغَاتِ مِن اَوضَحِ الاِعجَازِ وَالآیَاتِ

(تمام زبانوں سے آپ کی آشنائی آپ کا واضح معجزہ اور نشانی ہے)

نہ صرف امام رضا بلکہ آپ کا پورا گھرانہ علم وفضل کا پیکر تھا مولا علی خود شہر علم کے باب العلم تھے شہر علم میں جانے کے لئے دوبار باب العلم سے گذرنا پڑتا ہے، ایک مرتبہ شہر علم میں جانے کے لئے اور دوسری مرتبہ شہر علم سے واپس آنے کے لئے۔ یعنی جب تک کوئی باب العلم سے گہری وابستگی نہیں رکھے گا دولت علم سے وہ کبھی مالا مال نہیں ہوسکتا ہے جو علم وفضل کا خزانہ مولا علی کے پاس تھا ایسا لگتا ہے امام جعفر صادق سے ہوتے ہوئے سب کچھ وراثت کے طور پر آپ میں منتقل ہوگیا تھا۔ علی نام میں وہ خوبی ہے جو تعلیم کا جز لاینفک ہے بغیر علی کے تعلیم کا تصور ممکن ہی نہیں، علی کے آغاز میں ت اور آخر میں م کے اضافہ سے تعلیم بن جاتا ہے اور ت اور م کے درمیان سے علی کو نکال دیا جائے تو پھر صرف تم بچو گے اور ظاہر ہے کہ بغیر علم کے تمھارا کوئی وجود نہیں بن سکتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ خواہ مولا علی کی

ذات گرامی ہو یا امام علی رضا کی ذات گرامی ہو زیور علم سے آراستہ ہونے کے لئے ان سے گہری عقیدت لازم وضروری ہے تا کہ ان کے جوزریں اقوال، فرمودات گرامی اور حکیمانہ گفتگو ہیں انھیں پیش نظر رکھا جائے تا کہ زندگی میں وہ خضر راہ کا کام کرسکیں۔ ذیل میں کچھ ایسی ہی ارشادات کی نشاندھی کی جارہی ہے۔

۱۔ آج بہت سے لوگ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر قسمت کے فیصلہ کا انتظار کرتے ہیں محنت ومشقت کی طرف توجہ نہیں فرماتے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

قسمت میں کیا لکھا ہے اس پر نظر ہے سب کی
ہاتھوں کی یہ لکیریں پڑھتا کوئی نہیں ہے

۲۔ جب بندہ کاروبار کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے رحمت الٰہی کا حق دار نہیں ہوسکتا ہے اس لئے کاروبار کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے امام رضا فرماتے ہیں۔

''اپنے اہل وعیال کے لئے کوئی کام کرنا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے مانند ہے اور یہ وہ شرف ہے جسے انسان کسب کرتا ہے اور یہ ایسی کوشش ہے جس پر انسان فخر کرتا ہے''

۳۔ اچھے برے انسان ہر دور میں رہے ہیں، یہ الگ سی بات ہے اچھائی اور برائی کا پیمانہ ہر دور میں بدلتا رہا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ امام رضا کی نظر میں اچھے اور برے انسانوں کا پیمانہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

''یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اچھے کام انجام دیتے ہیں تو ان کو بشارت دی جاتی ہے اور جب ان سے برے کام ہو جاتے ہیں تو وہ استغفار کرتے ہیں جب ان کو عطا کیا جاتا ہے تو شکر ادا کرتے ہیں اور جب کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو صبر کرتے ہیں اور جب غضب ناک ہوتے ہیں تو معاف کردیتے ہیں''۔ (تحف العقول ص ۴۴۵)

اس میں دورائے نہیں کہ انسان جب اچھے صفات سے متصف ہو جاتا ہے تو اس کا شمار نہ صرف نیک لوگوں میں ہوتا ہے بلکہ وہ کمال کی چوٹی پر بھی پہنچ جاتا ہے۔

امام رضا کی طویل گفتگو ہو یا چھوٹے چھوٹے جملے، آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر ایک لفظ حکمت و دانائی سے پُر ہوتا تھا ان جملوں کی گہرائی میں جو جتنا فکر کرتا اسے اتنا ہی حکمت و دانائی کے موتی ملتے تھے۔ درج ذیل کچھ چھوٹے جملوں کی نشاندھی کی جا رہی ہے۔

۱۔ اگر کوئی شخص ظالم وجابر بادشاہ کے پاس جائے اور وہ بادشاہ ان کو اذیت وتکلیف دے تو اس کو کوئی اجر نہیں ملے گا اور نہ ہی صبر کرنے سے اس کو رزق دیا جائے گا۔

(تاریخ یعقوبی جلد۳ ص۱۸۱)

۲۔ امام رضا ایک دوسرے مقام پر محبت کی عظمت کا اظہار ان لفظوں میں فرماتے ہیں۔

''لوگوں سے محبت کرنا نصف عقل ہے''۔ (بحارالانوار جلد۷۸ ص۳۳۵)

۳۔ آج کل سماج جن حالات سے دو چار ہے انٹرنٹ، واٹس ایپ، ٹی وی، اسمارٹ فون، موبائیل نے انسانوں کو اپنی گرفت میں اس طرح لے لیا ہے کہ انسانوں کو ایک منٹ کی فرصت نہیں مگر انسانوں کو عافیت وسکون حاصل نہیں مگر بقول امام رضا:

''ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں عافیت کے دس جز ہوں گے جس میں نو حصے لوگوں سے الگ رہنے میں ہوں گے اور ایک حصہ خاموشی میں ہوگا''

(تحف العقول ص۴۴۶)

صوفیائے کرام نے اسی وجہ سے شاید الصمت سید الاخلاق کہا ہے یعنی خاموشی اخلاق کا اعلیٰ درجہ ہے۔

۴۔ امام رضا فرماتے ہیں جس نے مومن کو خوش کیا خداوند عالم قیامت کے دن اس کو خوش حال کرے گا۔

۵۔ آج جو صورت حال ہے وہ کسی سے مخفی نہیں اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ایک دوسرے کو دھوکہ دینا عام سی بات ہے اس میں مسلم وغیر مسلم اپنے اور پرائے کی کوئی تمیز نہیں جب کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے المومن للمومن کالمرأۃ (مومن کو مومن کے سامنے آئینہ کی طرح ہونا چاہئے) مگر اس زمانہ میں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، ایک

مومن بھائی کی دوسرے مومن بھائی کے دل میں کس طرح عزت وعظمت ہونی چاہئے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام رضا فرماتے ہیں۔

''مومن مومن کا حقیقی بھائی ہے، ملعون ہے ملعون ہے وہ شخص جس نے اپنے بھائی پر الزام لگایا، ملعون ہے ملعون ہے وہ شخص جس نے اپنے بھائی کو دھوکہ دیا، ملعون ہے ملعون ہے وہ شخص جس نے اپنے بھائی کو نصیحت نہیں کی، ملعون ہے ملعون ہے وہ شخص جس نے اپنے بھائی کے اسرار سے پردہ ہٹایا، ملعون ہے ملعون ہے وہ شخص جس نے اپنے بھائی کی غیبت کی''۔ (وسائل الشیعه ص۵۶۳)

۶۔امام رضا نے اپنے اصحاب کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا

''جس نے اپنے مومن بھائی کو خوش کیا اللہ تعالیٰ اس کے لئے نیکیاں لکھتا ہے اور جس کے لئے اللہ نیکیاں لکھ دے اس پر عذاب نہیں کرے گا''۔

۷۔امام رضا کا فرمان ہے کہ

''سب سے افضل عقل انسان کا اپنے نفس کی معرفت کرنا ہے''

حدیث شریف میں ہے کہ من عرف نفسه فقد عرف ربه (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی معرفت حاصل کرلی)

معرفت رب ہی انسان کو برائیوں سے دور اور نیکیوں کی طرف راغب کرتی ہے۔

۸۔محاسبۂ نفس کے تعلق سے امام رضا فرماتے ہیں۔

''جس نے اپنے نفس کا حساب کیا اس نے فائدہ اٹھایا اور جو اپنے نفس سے غافل رہا اس نے گھاٹا اٹھایا''۔

آپ کے دیگر اقوال میں خاص طور سے طب وحکمت اور حفظان صحت کے اصول کی بہت مفید اور واضح نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ ذیل میں کچھ ایسے اقوال کی نشاندھی کی جارہی ہے۔

۱۔بچوں کے لئے ماں کے دودھ سے بہتر کوئی دودھ نہیں۔
۲۔سرکہ بہترین سالن ہے۔جس گھر میں سرکہ ہوگا وہ کبھی محتاج نہ ہوگا۔
۳۔ ہرانار میں ایک دانا جنت کا ہوتا ہے۔
۴۔منقیٰ صفرا اور بلغم کو دور کرتا ہے پٹھوں کو مضبوط کرتا ہے نفس کو پاکیزہ بناتا ہے اور رنج وغم دور کرتا ہے۔
۵۔شہد میں شفا ہے اگر کوئی ہدیہ کرے تو واپس نہ کرو
۶۔گلاب جنت کے پھولوں کا سردار ہے
۷۔بنفشہ کا تیل سر میں لگانا چاہئے اس کی تاثیر گرمیوں میں سرد اور سردیوں میں گرم ہوتی ہے۔
۸۔جوزیتون کا تیل سر میں لگائے یا کھائے اس کے پاس ۴۰ دن تک شیطان نہ آئے گا۔
۹۔اپنے بچوں کا ساتویں دن عقیقہ اور ختنہ کر دیا کرو اس سے صحت ٹھیک رہتی ہے اور جسم میں گوشت چڑھتا ہے۔
۱۰۔قرآن پڑھنے،شہد کھانے اور دودھ پینے سے حافظہ بڑھتا ہے۔
۱۱۔گوشت کھانے سے شفا ہوتی ہے اور مرض دور ہوتا ہے۔
۱۲۔کھانے کی ابتدا نمک سے کرنی چاہئے کیوں کہ اس سے ستر بیماریوں سے حفاظت ہوتی ہے جن میں ایک جذام بھی ہے۔
۱۳۔مسور ستر انبیاء کی پسندیدہ خوراک ہے اس سے دل نرم ہوتا ہے اور آنسو بہتے ہیں
۱۴۔کھانا ٹھنڈا کر کے کھانا چاہئے اور پیالے کے کنارے سے کھانا چاہئے۔
۱۵۔خدائے متعال کی عبادت و بندگی کثرتِ نماز وروزہ میں نہیں ہے بلکہ خداوند متعال کے امر میں تفکر اور غور وفکر کرنا عبادت ہے۔
(چودہ ستارے ص ۴۵۳ سید نجم الحسن کراروی لکھنؤ)
مامون مذہبی اعتبار سے معتزلی تھا مگر وہ آپ سے بے حد متاثر تھا اور گہری سازش

کے تحت وہ علی و اولادِ علی کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتا تھا اور اس کے ذریعہ وہ خاندان عباس وخاندان علوی کے درمیان اختلاف دور کر کے اتحاد پیدا کرنا چاہتا تھا، اسماعیلی فرقہ کے خطرات مامون کے سر پر منڈلا رہے تھے، لہٰذا ان کا خاتمہ مامون امام رضا کو اپنا ولی عہد بنا کے کرنا چاہتا تھا اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ جو بنی عباس کے خلاف تھے اور امین و مامون کی جنگ میں امین کے ساتھ تھے ان کے دلوں کو بھی وہ رام کرنا چاہتا تھا، اس لئے اس نے ہر طرح امام کو خوش کرنے کی کوشش کی آپ کے نام سے درہم و دینار کے سکے رائج کئے اس نے اپنے زمانہ میں آپ سے زیادہ کسی کو خلافت کا حق دار نہیں سمجھا اس لئے پہلے تو اس نے آپ سے بیعت کی پھر ولی عہدی کی پیش کش کر دی اور اپنی بیٹی ام حبیبہ کی شادی بھی ان سے ۲۰۲ھ میں کر دی۔

مامون کی اس سیاسی بازی گری سے حضرت امام رضا اچھی طرح واقف تھے وہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ وہ کیوں اپنے کو خلافت سے دست بردار کر رہا ہے جب کہ اسی خلافت کے حصول کے لئے اس نے اپنے بھائی امین کا قتل کیا تھا اسی وجہ سے جب اس نے خلافت کی پیش کش کی تو آپ نے فرمایا:

> ''اگر خلافت تیرے لئے ہے تو تیرے لئے اس لباس کو اتار کر کسی دوسرے کو پہنانا جائز نہیں ہے، جس لباس کو اللہ نے تجھے پہنایا ہے، اور اگر خلافت تیرے لئے نہیں ہے تو تیرے لئے اس خلافت کو میرے لئے قرار دینا جائز نہیں ہے''

امام کے اس جواب سے مامون برہم ہو گیا اور دھمکی بھرے لہجہ میں کہا کہ'' آپ کو خلافت ضرور قبول کرنا ہوگی'' تو اس کے جواب میں امام نے فرمایا'' میں ایسا خوشی سے ہرگز نہیں کروں گا''۔ جب خلافت کی عدم قبولیت سے مامون کو مایوسی ہوئی تو اس نے امام سے ولی عہدی کی پیش کش کی اور اس پر راضی کرنے کے لئے تمام سیاسی حربے استعمال کئے مگر امام اس پر بھی امام راضی نہ ہوئے عدم رضامندی پر مامون نے قتل تک بھی دھمکی دے ڈالی تو امام رضا نے طوعاً و کرہاً اس کی یہ پیش کش قبول فرمالی اور بارگاہ الٰہی میں

تضرع کرتے ہوئے فرمایا:

''خدایا تو نے مجھے خودکشی کرنے سے منع فرمایا ہے جب کہ میں اس وقت مجبور ولاچار ہو چکا ہوں کیوں عبداللہ مامون نے مجھے ولیعہدی قبول نہ کرنے کی صورت میں مجھے قتل کرنے کی دھمکی دی ہے میں اس طرح مجبور ہو گیا ہوں جس طرح جناب یوسف اور جناب دانیال مجبور ہوئے تھے کہ ان کو اپنے زمانہ کے جابر حاکم کی ولایت عہدی قبول کرنی پڑی تھی''۔

لیکن بنوعباس مامون کے اس فعل سے راضی نہ ہوئے مامون کو حرام زادہ کہنے لگے اس کے خلاف دھرنا دینے لگے مامون نے جب حالات ناگوار دیکھے تو اس نے دنیائے فانی کو آخرت پر ترجیح دی اور کچھ ایسے اصول بنائے جس سے امام کی زندگی اجیرن ہو گئی اور ایک دن وہ آیا کہ اس نے انگور میں زہر دے کر آپ کو شہید کر دیا یہ ہولناک اور اندوہ وغم سے بھرا ہوا واقعہ ۲۰۳ھ میں پیش آیا آپ کے دنیا سے چلے جانے سے دنیائے اسلام رشد وہدایت اور فضل وکمال کے اس روشن چراغ سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئی۔

امام علی رضا ''سناباذ'' جو ''طوس'' کا بڑا شہر ہے وہیں مدفون ہوئے اسی شہر کو آج ''مشہد مقدس'' کے نام سے جانا جاتا ہے ہارون رشید بھی وہیں دفن ہے۔ بہت روحانی جگہ ہے جو شخص ایک بار وہاں حاضری دیتا ہے بار بار اس کا وہاں حاضری دینے کی تمنا سینے میں انگڑائیاں لیتا رہتا ہے۔ راقم الحروف کو تین بار اس مقدس بارگاہ میں باریابی کا شرف حاصل ہو چکا ہے، گھنٹوں وہاں معتکف رہا مگر سیرابی نہ حاصل ہو سکی اب حال تو یہ ہے۔

کچھ لمحے گذار آیا ہوں مشہد کی زمیں پر ۔۔۔ اب دل مرا لگتا نہیں ہے اور کہیں پر
اندازہ ہوا مجھ کو یہ مشہد میں پہنچ کر ۔۔۔ یوں لگتا ہے کہ جنت اتر آئی ہے زمیں پر

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی

علیه الرحمة والرضوان

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا شمار عالم اسلام کی بڑی عظیم اور پُر اسرار شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے تصوف کے اسرار و رموز اور حقائق و معارف کو اس طرح مدون کیا ہے کہ اس نے باضابطہ ایک فن کی شکل اختیار کر لی۔ ابن عربی کا خاندانی تعلق قبیلہ ''طے'' سے تھا۔ ۱۷ ر رمضان المبارک ۵۶۰ھ کو شب دوشنبہ کو ''مرسیہ'' اندلس میں سلطان ابوعبداللہ محمد بن مردنیش کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے۔ خاندانی اعتبار سے ابن عربی کا پایہ بہت بلند تھا اور علم و فضل، تقویٰ و تدین اور زہد و ریاضت میں ممتاز تھا والد ماجد عالم باعمل عارف باللہ اور خدارسیدہ بزرگ تھے۔

ابن عربی ۵۶۸ھ یعنی آٹھ برس کی عمر میں اپنے خاندان کے ساتھ مرسیہ سے اشبیلیہ منتقل ہو گئے، ''اشبیلیہ'' اس زمانہ میں اندلس کا پایہ تخت اور علم و فضل کا مرکز تھا وہاں پہونچ کر انھوں نے ارباب فضل و کمال کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور پورے بیس سال اکتساب فیض کرتے رہے اس دوران انھوں نے مختلف فنون کے ماہرین کی شاگردی اختیار کی اور اپنی علمی تشنگی بجھائی کئی شہروں کا سفر بھی کیا اور اس سفر میں جو کچھ آپ نے مشاہدہ فرمایا یا وہ آپ کے نوک قلم سے کتابی شکل میں منصۂ شہود پر آئیں جو کچھ تحصیل علم کے دوران آپ پر گذری اسے بھی آپ نے بڑے سلیقہ کے ساتھ اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔

مکہ معظّمہ میں قیام کے دوران آپ نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''فتوحات مکیہ'' اور ''روح القدس، مشکوٰۃ الانوار، اور حلیۃ الابدال'' تصنیف فرئیں۔ مکہ معظّمہ کے دوران

انھیں جمعہ کے روز طواف کے دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ خلیفہ ہارون رشید کے بیٹے احمد رشید سبتی کی روح ان کے سامنے مجسم ہو کر اس طرح آئی جس طرح حضرت جبرئیل اعرابی کی صورت میں ہمارے نبی ﷺ کے پاس آیا کرتے تھے وہ طواف کر رہے تھے دوران طواف سوال و جواب بھی ہوئے ابن عربی لکھتے ہیں۔

" لقيته بالطواف يوم الجمعة بعد الصلوٰة سنة تسع وتسعين وخمسمائة وهو يطوف بالكعبة وسألته واجابنى ونحن بالطواف وكان روحه تجسد لى فى الطواف حسا كتجسد جبرئيل فى صورة اعرابى"۔
(الفتوحات المكية بولاق قاهره ١٩٩٣ء)

اس مقدس سر زمین پر ابن عربی کو جو مکاشفات ہوئے اور انھوں نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے جو مشاہدات فرمائے اور ان کے لئے جس طرح اسرار و رموز سے حقائق کے پردے اٹھائے گئے وہ انتہائی محیر العقول ہیں۔

شیخ ابن عربی کا وصال ۲۲/ربیع الثانی ۶۳۸ھ مطابق ۱۰/نومبر ۱۲۴۰ء کو ہوا دمشق سے باہر کوہ قاسیون کے دامن میں موضع "سفح" میں تدفین عمل میں آئی جو اس وقت "صالحیہ" کے نام سے مشہور ہے، ایک زمانہ تک ان کا مزار لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہا جب سلطان سلیم عثمانی نے مصر و شام اور عراق کے علاقے فتح کئے تو ایک شب اس نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا جو فرما رہے ہیں کہ اس جگہ کھدائی کرو اس سلطان نے جو کچھ خواب میں دیکھا تھا حالت بیداری اس نے اس پر عمل کیا کافی کھدائی کے بعد شیخ ابن عربی کا مزار نکلا اور اس طرح ایک پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی "اذ دخل السين فى الشين ظهر قبر محى الدين جب سین شین میں آئے گا تب لوگوں کو ان کی قبر کا پتا (دوبارہ) چلے گا۔ یعنی جب سلطان کا سین ملک شام کے شین میں داخل ہوگا۔ اسی سلطان نے مزار اقدس کو جو کئی فٹ گہرے زمین میں تھا اس پر عالیشان مقبرہ تعمیر کرایا اور اس مقبرہ کے پاس ایک مسجد اور ایک مدرسہ بھی قائم کیا اور بہت سے اوقاف بھی نذر کئے۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے جو کمالات حاصل کئے ہیں اس کا اعتراف اس دور کے بیشتر ارباب دین ودانش کو تھا۔ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی (وفات ۶۳۲ھ) کی شخصیت ارباب تصوف اور علمائے حق کے درمیان متفق علیہ ہے۔ شیخ کے سلسلے میں ان کا ارشاد ھو بحر الحقائق لا نھایة له کہ وہ حقائق ومعارف کے ایسے سمندر ہیں جن کا کوئی کنارا نہیں مبنی بر حقیقت ہے۔

امام یافعی نے ''مراۃ الجنان'' میں آپ کے حالات بڑی شرح وبسط سے تحریر کئے ہیں۔ امام فخر الدین رازی (وفات ۶۰۴ھ) انھیں عظیم المرتبت ولی اللہ، محمود بن محمود شافعی (وفات ۶۴۳ھ) حقائق ومعارف کا ناپیدا کنار سمندر اور قطب الدین شیرازی (وفات ۷۱۰ھ) نے علم شریعت وحقیت میں کامل وبے نظیر لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جو لوگ بھی ان کے کلام پر طعن کرتے ہیں وہ کیا کریں وہ انھیں سمجھ ہی نہیں سکے۔ مجد الدین فیروز آبادی (وفات ۸۱۱ھ) ابن عربی کو اہل تحقیق وتوحید کا پیشوا اور علوم ظاہری میں یکتا وبے نظیر لکھا ہے۔ عبدالوہاب شعرانی (وفات ۹۷۳ھ) ابن عربی کو محققین اور عارفین کا سرتاج لکھا ہے، اور شیخ محبّ اللہ الٰہ آبادی (وفات ۱۰۵۸ھ) نے لکھا کہ شیخ شہود وکشوف کے ایسے بلند مقام پر فائز تھے کہ ''فصوص الحکم'' کے تمام معارف وحکم ان پر مکشوف تھے۔ اسی ''فصوص الحکم'' کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد ماجد شیخ عبدالرحیم لکھتے ہیں ''کہ اگر میں چاہوں تو علانیہ منبر پر بیٹھ کر فصوص الحکم کے ایک ایک مسئلہ اور ایک ایک فقرہ کو قرآن مجید اور حدیث شریف سے سچ اور واضح کردوں۔ اسی طرح سعدالدین محمد حمویہ (وفات ۶۵۰ھ) زکریا بن محمود انصاری (وفات ۶۸۲ھ) ابوالحسن بن ابراہیم بغدادی (وفات ۸۲۱ھ) محمد بن مظفر الدین مکی (وفات ۹۲۶ھ) نور اللہ شوستری (وفات ۱۰۱۹ھ) وغیرہم نے ان کے کمالات کا اعتراف کیا ہے۔

شیخ محی الدین ابن العربی کا عقیدہ علمائے حق کی طرح پختہ اور آفتاب کی مانند روشن تھا مگر اس کے باوجود کچھ لوگوں نے ان کے عقیدہ کے تعلق سے نہ جانے کیسے کیسے نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ان کا عقیدہ تھا جو ان کی کتابوں سے ظاہر ہے وہ یہ تھا۔

''اللہ ایک ہے الوہیت میں کوئی اس کا ثانی نہیں، وہ بیوی بچوں سے پاک اور منزہ ہے، وہ سب کا مالک ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ بادشاہ ہے اس کا کوئی وزیر نہیں، صانع ہے اس کا کوئی تدبیر سکھانے والا نہیں وہ بذاتہ موجود ہے وہ کسی موجد کا محتاج نہیں اللہ کے سوا جتنی چیزیں ہیں اپنے وجود میں سب اس کی محتاج ہیں، پس تمام عالم اس سے موجود ہے، وجود بالذات اور بنفسہ سے صرف وہ موصوف ہے، اس نے کرسی پیدا کی اس نے لوح وقلم پیدا کیا اور روز قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اپنے علم کے مطابق قلم سے لکھوایا سب کچھ اس نے پیدا کیا اس کو کسی کی حاجت نہ تھی، پیدا کرنے سے پہلے اس کو ان سب کا علم تھا، لہٰذا وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن ہے وہی ہر شئی پر قادر ہے سب کو علم سے احاطہ کئے ہوئے ہے وہ رازوں کو اور مخفی چیزوں کو جانتا ہے''۔

ابن عربی صرف اسی کام سے دلچسپی لیتے تھے جس میں رضائے الٰہی شامل ہو ہر اس کام سے باز رہنے کی کوشش کرتے جس سے رضائے الٰہی سے بُعد لازم آتا ہو ان کے نزدیک اتباع رسول سے بڑھ کر کوئی چیز نہ تھی ان کا ماننا تھا کہ

> ''اگر حق تعالیٰ بلند مراتب میں میرے ساتھ تمام خلقت کو شریک کرے تو میں اس سے نہ متاثر ہوں گا نہ متغیر کیوں کہ میں بندہ ہوں میرے اندر ربوبیت کی کوئی رمق نہیں ہے، میں ہر حال میں اس کی رضا پر راضی ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے خاص نعمت سے نوازا میرے دل میں کوئی فطور نہ پیدا ہوا میں نے رب کا شکر ادا کیا اور آیت کریمہ واما بنعمة ربك فحدث کے مطابق اس کا چرچا بھی کیا اور اس کے چرچا کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ سننے والوں کے دلوں میں ان مراتب کو حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو''۔(مراۃ الاسرار ص ۶۲۹)

صاحب ''نفحات الانس'' نے ''فتوحات مکیہ'' کے حوالہ سے ایک واقعہ درج کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

> ''۵۳۶ کا سال تھا ہماری مجلس میں ایک عالم آیا جو فلاسفہ کے مسلک کا پیرو

تھا اور نبوت کا اثبات جس طرح مسلمان کرتے ہیں وہ نہیں کرتا تھا خوارق عادات اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا منکر تھا اتفاقاً وہ جاڑے کا موسم تھا اور ہماری مجلس میں انگیٹھی جل رہی تھی آگ کو دیکھ کر اس فلسفی نے کہا کہ عوام کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا گیا لیکن وہ جلنے سے محفوظ رہے لیکن یہ ایک امر محال ہے کیوں کہ آگ کا کام بالطبع جلانا ہے یعنی ان چیزوں کو جلا دے جن میں جلنے کی صلاحیت موجود ہو پھر بطور تاویل کہنے لگا کہ قرآن پاک میں جو آگ مذکور ہے اس سے مراد نمرود کی آتش غضب ہے اور ابراہیم کو آگ میں ڈالنے سے وہی غضب کی آگ مراد ہے جو نمرود نے ان پر غضب وغصہ کیا اور ان کے نہ جلنے سے مقصود یہ ہے کہ اس غضب کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا کیوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دلیل حجت سے اس پر غالب آگئے تھے جب فلسفی یہ تقریر کر کے خاموش ہوا تو مجلس کے بعض حاضرین نے خیال کیا کہ میں اس سے ضرور کچھ کہوں گا چنانچہ یہ سن کر میں نے اس فلسفی سے کہا کہ تم اس قرآنی قصہ کا انکار کرتے ہو میں تم کو دکھاتا ہوں اور اس سے میرا مقصود یہ ہے کہ معجزہ کا انکار ختم کرا دیا جائے نہ کہ میں اپنی کرامت دکھاؤں اس نے کہا کہ اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا یہ سن کر میں نے کہا کہ اس انگیٹھی میں وہی آگ ہے جس کے بارے میں تم کہہ رہے ہو کہ یہ بالطبع جلانے والی ہے اس نے کہا ہاں یہ وہی آگ ہے بس میں نے اس انگیٹھی کو اٹھا کر اس کے دامن میں الٹ دیا اور ایک عرصہ تک اسی طرح اس کے دامن میں رہنے دی اور اس کے دامن میں اس کو اپنے ہاتھ سے الٹ پلٹ کرتا رہا اس کے کپڑے پر اس آگ کا بالکل اثر نہ ہوا میں نے منکر فلسفی سے کہا کہ تم اپنا ہاتھ اس میں ڈالو جب وہ اپنا ہاتھ اس آگ کے قریب لے گیا تو اس کا کام ہاتھ جلنے لگا تب میں نے اس سے کہا کہ اب تو یہ بات ظاہر ہو گئی کہ آگ کا جلانا یا نہ جلانا خداوند تعالیٰ کے حکم میں ہے نہ یہ کہ اس کی

طبیعت کا خاصہ ہے منکر نے اس بات کا اقرار کرلیا اور ایمان لے آیا۔

(نفحات الانس ص ۸۰۹)

شیخ ابن عربی نے ہر علم کی کیفیت، ماہیت، حصول کی صورت، فوائد اور حکمتوں کو جس باریک بینی اور دقت نظر سے بیان کیا ہے اسے پڑھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے ایسا علم لدنی کے بغیر ممکن نہیں ان کے حالات و کمالات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں بھی علم لدنی حاصل تھا۔ یہ علم بندہ کو کب حاصل ہوتا ہے اس تعلق سے وہ فرماتے ہیں۔

''وہ مومن اور مودب بندہ جو اللہ تعالی کے حضور تمام شرائط و آداب کی رعایت ملحوظ رکھتا ہے جب خلوت میں اخلاص سے ذکر و فکر میں یکسو ہوتا ہے اور حضرت حق کی بارگاہ میں نادار بن کر حاضر ہوتا ہے تو وہ اسے علوم اسرار الٰہی و معارف ربانی اسی طرح ارزانی فرماتا ہے جس طرح حضرت خضر کو عطا فرمائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وعلمناہ من لدنا علماً''۔ (الکھف ٦٥)

ساتھ میں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ واضح رہے کہ علم لدنی اور الہام میں نوعی فرق ہے۔ الہام یہ اطاعت کا علم ہے جو عارضی ہے، آتا جاتا رہتا ہے، کبھی غلط بھی ہو جاتا ہے مگر علم لدنی ایسا نہیں، ابن عربی نے جس طرح انکشافات کیے ہیں اور ایسے محیر العقول باتیں بتائی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں علم لدنی حاصل تھا۔ دور بینی اور دور اندیشی تو ایسی تھی کہ جس طرح انھوں نے فرمایا وہ صدفی صد درست ثابت ہوا، قرب قیامت کے تعلق سے جو نشانیاں احادیث میں فرمائی گئی ہیں اس تعلق سے اپنے مکشوف کے ذریعہ ابن عربی نے اور بھی علامتیں بیان فرمائی ہیں جو آج صد فی صد درست ثابت ہو رہی ہیں جیسے:

''انسان کو نیند کے علاوہ سکون نہ ملے گا، اہل مشرق اہل مغرب کی تعریف کریں گے، عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ چلیں گی، لوہا سونے سے زیادہ قیمتی ہو جائے گا، چاندی جیسی ایک قیمتی دھات نکلے گی، گھروں کے مقابلے میں بازاروں میں بیٹھ کر کھانا کھانا پسندیدہ اور اچھا سمجھا جائے گا،

کٹے ہوئے دامن کا لباس پہنا جانے لگے گا، عورتیں بے حیائی اور بے شرمی
سے آوارہ باہر پھریں گی، لوگ صبح کو سورج نکلتے وقت سوتے رہیں گے، اور
پرندوں کی طرح آسمانوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑتے پھریں گے،
اپنے خیالات اور افکار کو ایک ملک اور ایک جگہ سے دوسرے ملک اور مقام
کو بہت جلد بھیج دیا کریں گے، لوہے کے ہاتھوں سے کھانے کھائے
جائیں گے، لوہے کے پلنگوں اور بستروں پر لوگ سوئیں گے'' ایسی بے
جان سواریاں ہوں گی جو زمین کے سینوں کو چیرتی ہوئی ہزاروں میل چلیں
گی، ماں باپ کی عزت و احترام ختم ہو جائے گا''۔

(الفیض التقی فی حل مشکلات ابن العربی ص ۳۶)

شیخ ابن عربی کو کئی سلاسل کا فیضان ملا تھا ایک روایت کے مطابق انھوں نے کم و بیش پچاس عرفاء سے اکتساب فیض کیا تھا سلسلہ قادریہ کی نعمت انھیں جمال الدین یونس سے ملی تھی جو حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفاء اور فیض یافتگان میں سے تھے انھوں نے دوسرا خرقہ شیخ ابوالحسن علی بن عبداللہ جامع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کیا اور انھوں نے خضر علیہ السلام سے حاصل کیا تھا شیخ ابومدین سے آپ نے تربیت حاصل کی تھی اس کے علاوہ ایک دوسری نسبت بغیر کسی واسطے کے حضرت خضر علیہ السلام تک پہنچتی ہے جس کا ذکر ابن عربی نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

"صحبت انا وخضر عليه السلام وتادبت به واخذت عنه
فى وصية اوصانيها شفاها التسليم بمقامات الشيوخ
وغير ذالك ورائت منه ثلثة اشياء من خرقة الموائد
رائيته يمشى على البحر وعلى الارض ورائيته يصلى
فى الهواء"

(میں حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت میں رہا ہوں اور ان سے ادب سیکھا
ہے اور ان سے وصایا حاصل کی ہیں جو انھوں نے صاف طور پر مجھے کیں

کہ مقامات شیوخ کو تسلیم کرنا چاہئے میں نے ان سے تین باتیں دیکھیں
جو خرق عادات میں تھیں ایک تو وہ سمندر پر چلتے تھے دوسرے زمین کو
پیروں پر لپیٹتے تھے تیسرے فضا میں نماز پڑھتے تھے)۔

(نفحات الانس ص ۱۰۸)

جن کی صحبت نے شیخ ابن عربی کی زندگی میں روحانی انقلاب پیدا کیا وہ دو بزرگ خواتین تھیں جن کا تعلق اشبیلیہ سے تھا ایک کا نام ام زہرا یاسمین اور دوسری خاتون کا نام فاطمہ بنت ابن المثنیٰ قرطبی تھا انھیں دونوں خواتین سے انھوں نے حقائق ومعارف کا اکتساب کیا شیخ کی شخصیت پر ان دونوں معمر خواتین کے اثرات مرتب ہوئے اگر چہ فاطمہ قرطبی کے بہت سے مریدین تھے مگر شیخ ابن عربی پر ان کی خاص توجہ تھی جس وقت شیخ نے ان کی صحبت اختیار کی اس وقت ان کی عمر ۹۵ سال کی تھی ،مگر اس پیرانہ سالی کے باوجود عبادت وریاضت میں ہمیشہ چاک وچوبند رہتیں اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے لو لگائے رہتیں یہی حال ام زہرا یاسمین کا بھی تھا ان خواتین نے ان پر وہ اثر ڈالا کہ وہ اپنے زمانہ کے پیشوا بن گئے ان کی شخصیت کے مطالعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ عملی ونظری دونوں قسم کے تصوف سے ان کا فکری وعملی نظام بالکل جدا گانہ تھا وہ خود ایسے مجدد تھے طریقت وسلوک میں جن کی بنیاد کشف پر تھی۔

حضرت شیخ اکبر ابن عربی کا خاندانی پس منظر بھی کچھ اسی طرح کا تھا ان کے ماموں اگر چہ تلمسان کے بادشاہ تھے مگر جب ان پر ایک فقیر کی نظر پڑی تو ان کے دل کی دنیا ہی بدل گئی شیخ ابن عربی ''فتوحات مکیہ'' میں ان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

''میرے ماموں تلمسان کے بادشاہ تھے ان کا نام یحییٰ بن لعان تھا ان کے
زمانے میں ایک شیخ عبداللہ تونسی بادیہ نشین تھے لوگوں سے قطع تعلق کر کے
جنگل میں رہنے لگے تھے اور اپنا تمام وقت عبادت میں گزارتے تھے ایک
دن یحییٰ تلمسان سے اپنے لشکر کے ساتھ باہر نکلے راستہ میں شیخ عبداللہ
سے ملاقات ہوئی لشکریوں نے ان کو بتایا کہ یہ شیخ عبداللہ تونسی ہیں انھوں

نے اپنا گھوڑا لوٹایا اور ان کو سلام کیا اور شیخ سے دریافت کیا کہ ان کپڑوں میں جنہیں میں پہنے ہوئے ہوں نماز جائز ہے یا نہیں (یحییٰ اس وقت لباس فاخرہ پہنے ہوئے تھے) شیخ یہ سوال سن کر ہنسنے لگے، یحییٰ نے کہا کہ یہ ہنسنے کا کیا موقع ہے؟۔ شیخ عبداللہ نے جواب دیا کہ میں تمہاری سادگی اور بے عقلی پر ہنس رہا ہوں کیوں کہ تمہاری حالت اس کتے کی مانند ہے کہ پڑے ہوئے مردار سے کھاتا ہے سر سے پاؤں تک نجاست میں غرق ہے لیکن جب پیشاب کرتا ہے تو اپنی ٹانگ اٹھا لیتا ہے کہ کہیں اس پر پیشاب کا قطرہ نہ پڑ جائے تمھارا پیٹ حرام سے بھرا ہوا ہے اور لوگوں کی گردنوں پر تمھارے بے شمار مظالم ہیں اور اب تم پوچھتے ہو کہ ان کپڑوں میں نماز جائز ہے یا ناجائز! یحییٰ یہ بات سن کر رونے لگے گھوڑے سے اتر آئے اور اسی وقت سلطنت ترک کر دی اور شیخ کے خادموں میں شامل ہو گئے جب شیخ کو ان کے پاس رہتے ہوئے تین دن گذر گئے تو شیخ ایک رسی لائے اور کہا کہ مہمانی کی مدت تو پوری ہو چکی اٹھو اور لکڑیاں لاؤ اور بیچو انہوں نے رسی لی اور لکڑیوں کا گٹھر باندھ لائے اور بیچنے لگے ان کی رعایا نے سلطنت اور حکمرانی کے بعد ان کو جب اس حال میں دیکھا تو رونے لگی یہ لکڑیوں کو بیچتے تھے اور اپنے کھانے کی قیمت نکال کر باقی صدقہ کر دیتے تھے وہ ہمیشہ اپنے ہی شہر میں رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا''۔

جس وقت کوئی ان کے پاس دعا کے لئے آتا اور ان سے التماس کرتا تو فرماتے کہ دعا کی التماس شیخ یحییٰ سے کرو کیوں کہ بادشاہی ترک کر کے انہوں نے زہد اختیار کیا ہے اگر وہ سلطنت شاہی میں مشغول ہوتے تو زاہد نہ بنتے''۔ (نفحات الانس ص ۸۱۲)

جہاں تصوف میں شیخ نے جو جہت متعین کی اس کے اثرات اس دور کے سلاسل

پر بھی پڑے، سلسلہ قلندریہ، سلسلہ سہروردیہ، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ نقشبندیہ، سلسلہ نوربخشیہ، سلسلہ مولویہ کے علاوہ سلسلہ شاذلیہ کے بانی حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی (وفات ۶۵۴ھ) اور سلسلہ کی اہم شخصیات علامہ جلال الدین سیوطی (وفات ۹۱۱ھ) وغیرہ کے یہاں بھی ابن عربی کے افکار عالیہ کی بازگشت ہے۔

ابن عربی کے جو افکار وخیالات ہیں اسے انھوں نے کتابی شکل میں پیش کیا ہے اور یہ فرماتے تھے کہ ایسا میں نے حکم الٰہی کی تعمیل میں کیا ہے اگر ان افکار وخیالات کو ضبط تحریر میں نہ لاتا تو ڈرتا کہ میرے قلب کی آگ مجھے جلا کر خاکستر کر دیتی۔ وہ اپنے ایک رسالہ جلاء القلوب فی اسرار علام ا لغیوب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ کتاب لکھی تو میرے بعض اصحاب نے اس کتاب کے سننے کی خواہش ظاہر کی میں اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ اس کتاب کو لے کر پہاڑ کے ٹیلے پر گیا اور انھیں وہ رسالہ سنایا پھر میں نے اس رسالہ کو زمین پر رکھ دیا پھر وہ میری نظروں سے ایسا غائب ہوا کہ آج تک اس کا پتا نہ چل سکا کہ اسے جن لے گیا یا انسان؟۔ ان کی دوسری کتاب جس نے بہت شہرت حاصل کی وہ ''فصوص الحکم'' ہے اس کتاب کے تعلق سے ابن عربی اپنے دمشق کے سفر کے دوران کا ایک خواب تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''میں نے محرم ۶۲۷ھ کے اخیر عشرہ میں یہیں نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت کی آپ کے دست مبارک میں ایک کتاب تھی مجھ سے فرمایا کہ یہ فصوص الحکم ہے اسے لو اور لوگوں کے پاس جاؤ تا کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں میں نے عرض کیا کہ بسر وچشم پھر پورے خلوص ونیک نیتی سے حضور کے ارشاد کی تعمیل میں لگ گیا''۔

ابن عربی نے'' فصوص الحکم''میں کن مباحث اور مضامین کا ذکر کیا ہے اور کس طرح کے اسرار ورموز بیان کئے ہیں اس کی خبر بیشتر عرفاء اور علماء کو نہ ہوسکی جس کے سبب اس کے مندرجات سے لوگوں نے اختلاف رائے کیا ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا کہ قرآن کریم کی یہ آیت "یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا یعنی بہتوں نے اس سے

ہدایت پائی اور بہت سے لوگ اس کو نہ سمجھ کر گمراہی سے دوچار ہوئے۔ اسی اسرار موز کی بنا پر سو سے زائد اس کتاب کی شرحیں لکھی گئیں جن کے شارحین میں اپنے دور کے اکابر علماء جیسے عبدالکریم جیلی، عبدالرحمٰن جامی، شیخ عبدالغنی نابلسی، اور علامہ آیت اللہ خمینی جیسے نابغہ روزگار شامل ہیں ہندوستان کے صوفیاء ومشائخ کے نوک قلم سے اس کتاب کی سولہ شرحیں لکھی گئیں جو اردو عربی اور فارسی زبانوں میں ہیں مگر ان میں شاہ محبّ اللہ الٰہ آبادی کی شرح کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

لیکن جس فلسفہ کی بنیاد پر ابن العربی کو شہرت ملی وہ ان کا فلسفۂ وحدۃ الوجود ہے جس پر ابن عربی کے سارے متصوفانہ فلسفے کا دار ومدار ہے'' دائرۃ المعارف الاسلامیہ'' میں ہے۔

> ''وہ بنیادی اصول جس پر ابن عربی کے سارے متصوفانہ فلسفے کا ادر و مدار ہے عقیدۂ وحدۃ الوجود ہے یہ عقیدہ مجمل طور پر ان چند الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے۔
>
> ''بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس نے سب اشیاء کو پیدا کیا اور جو خود ان کا جوہر اصلی (اعیانھا) ہے۔
>
> نیز ان اشعار میں بھی
>
> یا خالق الاشیاء فی نفسہٖ انت لما تخلقه جامع
>
> تخلق مالا ینتھی کونه فیك فانت الضیق الواسع
>
> (اے کہ تو نے تمام اشیاء کو اپنی ذات میں خلق کیا تو جمع کرتا ہے ہر اس چیز کو جسے تو پیدا کرتا ہے تو وہ چیز پیدا کرتا ہے جس کا وجود تیری ذات میں (مل کر) کبھی فنا نہیں ہوتا اور اسی طرح تو ہی تنگ ہے اور تو ہی وسیع بھی ہے)
>
> یہ عقیدۂ وحدۃ الوجود کی ایک ایسی صورت ہے جس کی رو سے تمام عالم اشیاء اس حقیقت کا محض ایک سایہ ہے جو اس کے پیچھے مخفی ہے یعنی اس وجود حقیقی کا جوہر اس شئی کی آخری بنیاد ہے جو تھی یا ہے اور یا آئندہ

ہو گی''۔(دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ا ص ۶۰۹)

وحدۃ الوجود کے نظریہ کا سنگ بنیاد''وجود مطلق''ہے جس کا اعتراف شیخ اکبر کے علاوہ اور دوسرے علماء و مشائخ نے کیا ہے۔ملا صدرا کے یہاں یہ تصور نہایت ہی واضح لفظوں میں موجود ہے انھوں نے وجود کے صرف دو مصداق بتائے ہیں۔

ا۔معنی مصدری جس کے معنیٰ ہیں بودن یا شدن ہے یعنی ہونا

۲۔دوسرا مفہوم وہ امر ہے جس کی بنا پر کوئی موجود موجود ہوتا ہے

اس توضیح کی روشنی میں وجود واجب کا بھی ہوتا ہے اور ممکن کا بھی لیکن واجب تعالیٰ میں یہ وجود عین ذات باری ہوتا ہے مگر ممکن میں اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس طرح حسب تصریح شرح مواقف اس باب میں تین مذاہب ہیں،امام ابوالحسن اشعری (وفات ۲۳۰ھ)اور ابوالحسین بصری(وفات ۴۳۶ھ)کا کہنا ہے کہ وجود واجب اور ممکن دونوں میں ماہیت(یا ذات)کا عین ہوتا ہے مگر حکماء کہتے ہیں کہ واجب میں تو عین ماہیت ہوتا ہے مگر ممکن میں غیر ماہیت،تیسرا مذہب یہ ہے کہ واجب اور ممکن دونوں میں وجود ماہیت ایک دوسرے کے غیر ہوتے ہیں اور وجود ماہیت پر زائد ہوتا ہے فلاسفہ اور حکماء کے یہاں وجود مطلق کے تعلق سے اس طرح کی تصریحات ملتی ہیں اس لئے یہ مسئلہ اس قدر وضاحت کے باوجود بھی ہنوز تشریح طلب ہے۔

بہر حال حقیقت کچھ بھی ہو مسئلہ وحدۃ الوجود نے انھیں شہرت بھی بخشی اور اسی مسئلہ نے انھیں متنازع فیہ بھی بنایا آج جس کی وجہ سے کچھ لوگ ان کی عظمتوں کے منکر نظر آتے ہیں۔''الاعلام الفکر الاسلامی''کے مرتب وحدۃ الوجود کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"الذین فسروها بالوحدة المادية كفروه لان معنىٰ ذلك هو اتحاد الذات الالهية او حلولها فی المخلوقات والذین نفواان یكون مراده الوحدة المادية ومنهم جمال الدين افغانی (م ۱۳۱۴ھ)شبهوا هذه الوحدة بظهور الشمس مثلاً فی المرأة فهی تتجلی فيها دون ان يكون هناك

اتحاد بینهما اور حلول فیھا"

(الاعلام الفکر الاسلامی وزارۃ الاوقاف مصر قاہرہ ۲۰۰۷ ص ۲۰۳)

(جن لوگوں نے اس وحدۃ الوجود سے مادی وحدت سمجھا ہے انہوں نے انہیں کافر گردانا کیوں کہ اس کا معنیٰ ذات الٰہی کا اتحاد اور مخلوقات میں اس کا حلول سمجھا ہے مگر جن لوگوں نے یہ معنیٰ نہیں لیا ہے جن میں جمال الدین افغانی شامل ہیں انھوں نے اس وحدت کی مثال ظہور شمس سے دی ہے جس طرح سورج آئینہ میں نظر آئے نہ تو سورج کا آئینہ میں اتحاد ہے اور نہ ہی حلول)

ابن عربی کو متعدد علوم وفنون میں مہارت حاصل تھی اسی وجہ سے انھیں ہر علم میں متکلمین کا امام کہا گیا ہے لیکن چوں کہ اس تصانیف کا بیشتر حصہ تصوف اور وہ بھی فلسفیانہ تصوف میں ہے اس وجہ سے دنیائے تصوف میں جو شہرت انھیں ملی وہ شہرت کم لوگوں کے حصہ میں آسکی۔

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری

علیه الرحمة والرضوان

جتنے سلاسل طریقت ہندوستان میں رائج ہیں ان تمام کا سر چشمہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی ذات گرامی ہے موجودہ دور کے چار بڑے سلاسل میں تین حضرت علی کے واسطہ سے اور ایک سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطہ سے ختمی مرتبت حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ ﷺ پر منتہی ہوتا ہے۔ جو تین سلاسل حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے آگے بڑھے ہیں ان میں قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ جیسے مشہور سلاسل شامل ہیں۔ سلسلہ قادریہ کے بانی حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (وفات ۵۶۱ھ) سلسلہ چشتیہ کے بانی حضرت ابو اسحاق شامی (وفات ۳۲۹ھ) اور سلسلہ سہرودیہ کے بانی حضرت شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہرودی (وفات ۵۶۳ھ) ہیں لیکن عام طور پر اس سلسلہ کا بانی حضرت شیخ شہاب الدین سہرودی (وفات ۶۳۸ھ) کو سمجھا جاتا ہے شیخ محمد اکرام نے آب کوثر میں لکھا ہے کہ سہروردیہ سلسلہ کے بانی شیخ ابونجیب سہرودی تھے اور ان کے بھتیجے اور خلیفہ اکبر یعنی شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی اس سلسلہ کے بانئ ثانی تھے۔

(شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ص۲۵۶ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۹ء)

جن صوفیاء ومشائخ کی زندگی اور تعلیمات ہر دور کے انسانوں کے لئے قابل تقلید اور مشعل راہ رہیں ان میں مخدوم جہاں، مخدوم العالم، سید العاشقین، برہان المتکلمین، سلطان المحققین تاج الاولیاء شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری (وفات ۷۸۲ھ) علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی انتہائی اہم ہے۔ حضرت مخدوم الملک کا تعلق سلسلہ فردوسیہ سے تھا یہ واحد سلسلہ ہے جس کے نام کی وجہ تسمیہ نہ تو کسی جگہ سے اور نہ ہی کسی شخصیت سے منسوب

ہے۔ یہ سلسلہ شیخ نجم الدین کبریٰ (وفات ۶۱۸ھ) سے منسوب ہے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی (وفات ۱۰۵۲ھ) کے بقول جب شیخ نجم الدین کبریٰ کو جب ان کے مرشد نے خلافت کی انمول دولت سے سرفراز فرمایا تو اسی وقت فرمایا کہ تم فردوسی مشائخ میں سے ہو اسی روز کے بعد یہ فردوسی خاندان معرض وجود میں آیا (شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ص ۲۵۲ دہلی ۱۹۹۴ء) چونکہ حضرت نجم الدین کبریٰ نے جن مشائخ سے استفادہ کیا ان میں سہروردی مشائخ بھی تھے مگر یہ ان کی عظمتوں کے سبب ان ہی کی ذات سے منسوب ہو کر آگے بڑھ گیا۔ قصر عارفاں کے مصنف لکھتے ہیں کہ:

''حضرت نجم الدین کبریٰ نے خوارزم میں اعلان ولایت وطریقت کیا، بڑی شہرت پائی، آپ کے مریدوں کے دو طبقے بن گئے بعض لقب فردوسیان سے ملقب ہوئے اور بعضے کبرویان سے ملقب ہوئے''۔

(احمد علی چشتی، قصر عارفاں، ص ۸۹ لاہور ۱۹۸۸ء)

سید ضمیر الدین احمد نے بھی اس کی تصدیق کی ہے اور لکھا ہے۔

''فردوسیان: ان کو بھی جنید بغدادی سے انتساب ہے ان کی ابتدا سہروردیوں سے ہے حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ فردوسی اور سلسلہ طوسیہ کے بانی حضرت شیخ علاء الدین طوسی کے درمیان رشتۂ اخوت تھا، بڑے مجاہد ومرتاض تھے۔ یہ دونوں بزرگ ساتھ ساتھ حضرت شیخ ابو نجیب عبد القاہر ضیاء الدین سہروردی (وفات ۵۶۳ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عمر گذر چکی ہے لیکن کام نہیں بنا حضرت شیخ نے فرمایا ہم بھی اسی درد میں مبتلا ہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کے کسی دوست کا دامن نہیں پکڑیں گے بات نہیں بنے گی۔ چنانچہ یہ تینوں بزرگ ایک ساتھ حضرت خواجہ وجیہ الدین ابو حفص کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ عمر بسر ہونے کو آئی لیکن ہمارا مقصد حاصل نہیں ہوا، مجاہدے کئے لیکن مقصود ہاتھ نہیں آیا اب آپ ہی فرمایئے ہم لوگ کیا کریں؟ آپ نے حضرت شیخ علاء الدین

طوسی اور حضرت شیخ ابو نجیب ضیاء الدین کو مرید کیا تربیت فرمائی اور خرقۂ خلافت سے سرفراز فرما کر یہ کہہ کے رخصت کیا کہ تم دونوں اپنے اپنے مقام اور مسکن پر جا کر خلقِ خدا کی ہدایت کا فریضہ انجام دو اور حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کا ہاتھ پکڑ کر حضرت شیخ ابو نجیب ضیاء الدین کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا ان کو اپنے ساتھ رکھو تمہارا نام ان سے روشن ہوگا۔ شیخ ضیاء الدین نے مقام سہرورد میں حضرت نجم الدین کبریٰ کی تربیت فرمائی اور ساتویں مہینے خرقۂ خلافت دے کر فرمایا تم ''مشائخ فردوس'' سے ہو اسی دن سے وہ فردوسی کہلانے لگے۔

(ضمیر الدین احمد، مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری ص: ۱۱۱ خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ ۱۹۹۴ء)

اس واقعہ کی مزید تائید صاحب'' مرأۃ الاسرار'' شیخ عبد الرحمان چشتی کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں۔

''چودہواں سلسلہ فردوسیوں کا ہے جو حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ سے جا ملتا ہے آپ اکابر فردوس میں سے تھے۔ شیخ وجیہ الدین ابو حفص کے اشارے سے حضرت شیخ ابو نجیب سہروردی سے بیعت ہوئے اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا حضرت شیخ نے فرمایا تم مشائخ فردوس سے ہو پس اسی روز سے سلسلۂ فردوسیہ ظاہر ہوا۔

(عبدالرحمٰن چشتی، مراۃ الاسرار ص ۶۷ دہلی ۱۹۹۷ء)

اس طرح یہ سلسلہ فردوسیہ حضرت جنید بغدادی (وفات ۲۹۷ھ) اور ان کے ذریعہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شہادت ۶۸ھ) سے ہوتے ہوئے سرچشمۂ ولایت حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم (شہادت ۴۰ھ) پر منتہی ہوتا ہے۔ لیکن ایک دوسرا خرقہ حضرت نجم الدین کبریٰ کو حضرت شیخ اسماعیل مصری سے بھی ملا تھا جو حضرت کمیل بن زیاد (شہادت ۸۲ھ) کے واسطہ سے حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تک پہنچتا ہے۔

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ بڑی خوبیوں کے حامل تھے کہا جاتا ہے کہ انھیں کے جیسے ستر مریدین ان کے زیر اثر تھے''۔نفحات الانس'' کی تصریح کے مطابق آپ کو کبریٰ اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں بحث ومناظرہ میں اپنے مدمقابل کو شکست دے دیتے تھے اسی مناسبت سے آپ کا لقب" الطامۃ الکبریٰ "یعنی بڑی آفت پڑ گیا تھا، کثرت استعمال سے الطامۃ تو حذف ہو گیا اورصرف الکبریٰ باقی رہ گیا اور نجم الدین کبریٰ سے مشہور ہو گئے ۔اسی وجہ سے آپ کے مریدین دونسبتوں سے مشہور ہوئے ایک فردوسی دوسرا کبروی۔آپ کو شیخ ولی تراش بھی کہا جاتا تھا اس لئے کہ وجد اور جذب کی حالت میں جس پر بھی آپ کی نظر پڑ جاتی تھی وہ ولایت کے درجہ تک پہنچ جاتا تھا۔

(عبدالرحمٰن جامی،نفحات الانس،ص۶۵۶ دہلی ۱۹۹۴ء)

حضرت نجم الدین کبریٰ پر توحید وفنا اور عشق ومحبت کا غلبہ زیادہ تھا متعدد سوانح نگاروں نے آپ کی اس خوبی کا ذکر کیا ہے ۔خود آپ کی شاعری میں بھی سوز وگداز اور محویت واستغراق کی کیفیت پائی جاتی ہے۔''مناقب الاصفیاء'' کے مصنف نے اپنی تصنیف میں کچھ اشعار نقل کئے ہیں جس سے اس بات کی بخوبی تائید ہو جاتی ہے۔

درچنیں حیرت کہ من دارم چہ گویم وصف خویش
آتشم خاکم نسیم آب دریا چیستم ؟
عاقلم دیوانہ ام اندر فراقم یا وصال
نیستم ، ہستم نہ بر جایم نہ بے جا چیستم ؟
در یکے شبنم ہزاراں کوہ وصحرا ایں عجیب
شبنمم یا ساحلم یا کوہ و دریا چیستم ؟
بے نشانی شد نشاں و بے زبانی شد زباں
بے نشاں و بے زباں گویاں و بینا چیستم ؟
دوستانم نجم خوارزمی ہمیں خوانند ومن
والہ و مدہوش و حیراں ناچیم یا چیستم ؟

۱۰ / جمادی الاول ۶۱۰ھ کو خوارزم میں تاتاریوں کے ہاتھوں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ آپ کے خلفاء میں ''مرصاد العباد'' کے مصنف مجد الدین بغدادی (وفات ۶۰۷ھ) سعد الدین حموی (وفات ۶۲۵ھ) بابا کمال جندی (وفات ۶۵۴ھ) شیخ رضی الدین علی لالاغزنوی (وفات ۶۴۲ھ)، سیف الدین باخرزی (وفات ۶۵۸ھ) نجم الدین رازی المعروف بہ دایہ (وفات ۶۵۴ھ)، وغیرھم بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے خواجہ فرید الدین عطار (شہادت ۶۲۷ھ) کو بھی آپ سے شرف ارادت حاصل تھا۔

شیخ نجم الدین کبریٰ سے منسوب سلسلہ کبرویہ اور فردوسیہ دونوں ہندوستان میں مشہور ہوئے۔سلسلہ کبرویہ تین واسطوں سے ہندوستان پہنچا ایک امیر سید علی ہمدانی (وفات ۷۸۶ھ) کے واسطے سے جو ۷۷۳ھ یا ۷۸۰ھ میں مختلف دیار وامصار کی سیر کرتے ہوئے ہندوستان میں صوبہ کشمیر تشریف لائے اور ان کی تبلیغی کاشوں سے بیشتر کشمیر کے لوگ مسلمان ہوئے۔اس سرزمین پر یہ سلسلہ ''کبرویہ ہمدانیہ'' سے مشہور ہوا۔امیر کبیر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ شیخ شرف الدین محمود ابن عبداللہ المز وقانی (وفات ۷۶۶ھ) کے خلیفہ تھے ان کو شیخ علاء الدین سمنانی (وفات ۷۳۶ھ) سے بھی اجازت تھی ان کے علاوہ وہ تین واسطوں سے حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ (وفات ۶۱۸ھ) سے بھی اجازت وخلافت رکھتے تھے۔کشمیر میں جو اوراد فتحیه بڑی عقیدت کے ساتھ تمام مساجد میں روزانہ بعد نماز فجر پڑھی جاتی ہے اس کی اجازت عالم واقعہ میں حضرت سید علی ہمدانی کو حضرت نجم الدین کبریٰ نے ہی عطا کی تھی۔''میر سید علی ہمدانی'' نامی کتاب کی مصنفہ سیدہ اشرف ظفر لکھتی ہیں۔

> ''اورادفتحیہ آپ نے سراندیپ میں قدم گاہ آدم علیہ السلام پر ایک واقعہ میں جمع کئے تھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ نے عالم واقعہ ہی میں ان کے پڑھنے کی اجازت دی تھی۔
>
> (سیدہ اشرف ظفر، سید علی ہمدانی ص ۱۴۵ سری نگر ۱۹۹۱ء)

یہی مصنفہ دوسری جگہ لکھتی ہیں کہ

''اوراد فتحیه سے معلوم ہوتا ہے کہ سید علی ہمدانی خانہ کعبہ کی زیارت کی نیت سے اثنائے سفر جب مسجد اقصیٰ پہنچے تو ایک رات رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی کہ حضور اکرم ﷺ سید علی ہمدانی کی طرف تشریف لا رہے ہیں، سید اٹھے، آگے بڑھے اور سلام کیا سرکار رسالت مآب نے آستین سے ایک خرمہ نکالا اور فرمایا خذ هذة الفتحية جب کھولا تو دیکھا کہ وہ "اوراد فتحیه " تھے۔

(سیدہ اشرف ظفر، سید علی ہمدانی ص ۴۷)

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے دوسرے خلیفہ جن کے واسطہ سے ہندوستان میں ''سلسلہ فردوسیہ'' پہنچا وہ شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد مدنی (وفات ۶۷۷ھ) تھے جو شیخ نجم الدین کبریٰ کے براہ راست خلیفہ تھے اور قطب الدین ایبک کے دور حکومت میں اشاعت اسلام کی غرض سے سرکار دوعالم ﷺ کی بشارت کے مطابق ہندوستان تشریف لائے۔ شیخ ابراہیم السامرائی لکھتے ہیں۔

" لعله فی ایام قطب الدین ایبك فجاهد معه فی سبیل اللّٰه

(ابراہیم السامرائی، علماء العرب فی شبهة القارة ص ۳۵ کراچی ۱۹۸۶ء)

سید محمد قطب الدین مدنی نے شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی (وفات ۵۶۱ھ) کے ہمشیر زادہ تھے۔ مدینہ منورہ میں ولادت ہونے کی وجہ سے انھیں مدنی کہا جاتا ہے۔ فتنۂ مغول میں جب والد ماجد کی شہادت ہوگئی تو بغداد سے ترک وطن کر کے غزنی آگئے اور وہاں مدتوں قیام کیا۔ جب مدینہ منورہ شریف بارگاہ رسالت میں حاضری ہوئی تو انھیں وہاں مشرکین ہند سے جہاد کر کے اشاعت دین حق کرنے اور اس سرزمین کو اپنا مستقر بنانے کی بشارت ہوئی اور اس سلسلہ میں سلطان غزنی سے امداد واستعانت حاصل کرنے کا حکم صادر ہوا۔ آپ بشارت کے مطابق غزنی گئے وہاں سلطان غزنی سے اٹھارہ ہزار کا لشکر جرار لیا اور سیدھے ہندوستان کی راجدھانی دہلی آئے۔ اس وقت کے سلطان

نے آپ کو شیخ الاسلامی کا منصب عطا کیا۔ دہلی میں کچھ دنوں قیام کے بعد قنوج پر چڑھائی کردی گھماسان کی جنگ ہوئی اس میں آپ کو کامیابی ملی۔ پھر آپ نے کڑہ مانک پور کا رخ کیا اسے بھی آپ نے فتح کیا اور پھر وہیں قیام پذیر ہو گئے۔

(غلام یحییٰ انجم، تاریخ مشائخ قادریہ جلد دوم ص ۱۳۴، دہلی ۲۰۱۱ء)

حضرت شیخ بدرالدین سمرقندی (وفات ۶۹۸ھ) کی ذات گرامی سے بھی سلسلہ فردوسیہ ہندوستان پہنچا یہ وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں سے حضرت نجم الدین کبریٰ سے منسوب سلسلۂ فردوسیہ کو ہندوستان میں متعارف کرایا۔

حضرت شیخ بدرالدین سمرقندی کو حضرت نجم الدین کبریٰ سے ارادت اور شیخ سیف الدین باخرزی سے خلافت حاصل تھی۔ ۶۱۳ھ میں ولادت ہوئی اور سن وفات ۶۹۸ھ ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بقول سخت بزرگ بود (شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارالاخیار ص ۲۹۳ تہران ۲۰۰۵ء) یعنی بہت بڑے ولی تھے۔ انتہائی نیک وخوبصورت تھے حضرت نظام الدین اولیاء سے دوستانہ مراسم تھے اور ان کے یہاں برابر آنا جانا تھا۔ علوم ظاہری وباطنی کے جامع تھے۔ صاحب ''مراۃ الاسرار'' لکھتے ہیں۔

> ''سلسلہ فردوسیہ کے پہلے بزرگ جو ہندوستان میں وارد ہوئے آپ تھے اور آپ کی بدولت اس سلسلہ عالیہ نے بڑی شہرت حاصل کی''۔
>
> (شیخ عبدالرحمٰن، مراۃ الاسرار ص ۸۳۷ دہلی ۱۹۹۷ء)

ہندوستان میں سلسلۂ فردوسیہ کے اصول وقواعد کی بنیاد حضرت خواجہ بدرالدین سمرقندی اور ان کے متبعین کے ہاتھوں ہی پڑی۔ اس سے پہلے عوام وخواص الا ماشاء اللہ اظہار خوارق وکرامات کی بنیاد پر پیری مریدی کرتے تھے۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عہد میں دہلی تشریف لائے۔ آپ کے اہم مریدین میں حضرت رکن الدین فردوسی (وفات ۶۹۹ھ) خاصی شہرت کے حامل ہیں۔

حضرت رکن الدین فردوسی وہ پہلے شخص ہیں جن کی وجہ سے ہندوستان میں سلسلہ فردوسیہ کی بنیاد پڑی۔ ''مناقب الاصفیاء'' کے مصنف لکھتے ہیں۔

''خواجہ رکن الدین در ہند چناں بر آمد کہ بعرب وعجم رسید شجرہ معظّمہ پیران را سکہ بنام آوردند پیران فردوس گفتند و پیوستگان ایں شجرہ را در ہند بنام او می خوانند فردوسی می گویند کہ الالقاب تنزل من السماء ذلك فضل اللّٰه يوتيه من يشاء''۔

(ابوالحسن علی الندوی، تاریخ دعوت وعزیمت ص ۹۰ لکھنو ۱۹۸۵ء)

(خواجہ رکن الدین ہندوستان میں اس شان سے آئے کہ عرب وعجم میں ان کا فیض پہنچا، اپنے پیران طریقت کے شجرہ کا سکہ جاری کیا اور فردوسی مشائخ کے نام سے مشہور ہوئے اس شجرہ کے وابستگان ہندوستان میں اپنے سلسلہ کو اسی نام سے پکارتے ہیں اور فردوسی کے نام سے یاد کرتے ہیں پرانا مقولہ ہے کہ نام آسمان سے اترتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل خاص ہے جس کو چاہے دے)

حضرت رکن الدین فردوسی کی ولادت ۶۳۳ھ میں ہوئی اور سال وفات ۶۹۹ھ ہے۔ جب سلطان معز الدین کیقباد نے کیلوکھری میں نئی شہری آبادی کرنا چاہی تو آپ بھی وہاں تشریف لائے اور دریائے جمنا کے کنارے آباد ہو گئے، حضرت نظام الدین اولیاء سے آپ کے مراسم استوار نہیں تھے۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبارالاخیار ص ۲۳۰) حضرت بدرالدین سمرقندی کے یہاں پرورش اور تربیت پائی اور ان کے فیض صحبت سے مرتبۂ کمال پر پہنچ کر خلق خدا کی ہدایت میں مشغول ہوئے۔ صاحب ''مراۃ الاسرار'' لکھتے ہیں۔

''سلسلہ فردوسی میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا اور خلقت میں بہت مشہور تھے۔ (شیخ عبدالرحمٰن چشتی، مراۃ الاسرار ص ۸۳۸)

انھیں کے زمانہ سے یہ سلسلہ ''فردوسیہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ جیسا کہ کسی نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''گشت از فضل خداوند جو او فردوسی
گشتم از یمنِ طفیلش من و تو فردوسی''

حضرت نجیب الدین فردوسی (وفات ۷۶۱ھ) حضرت شیخ رکن الدین فردوسی کے برادر زادہ اور خلیفۂ خاص تھے۔ ۶۹۸ھ سال ولادت اور ۷۶۱ھ سال وفات ہے۔ حوض شمسی کے مشرقی جانب شیخ برہان الدین بلخی کی قبر کے پاس ایک چبوترہ پر مدفون ہیں۔ بڑے باکمال بزرگ تھے۔ ان کے تمام کمالات پردۂ خفا میں ہیں، البتہ انھوں نے ایسے ایسے باکمال اور مشائخ کی تربیت فرمائی جو اپنے زمانہ میں روحانیت کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ ان تربیت یافتگان میں ''فتاوی تاتارخانیہ'' کے مولف مولانا فریدالدین عالم ابن العلاء حنفی اندرپتی (وفات ۷۸۶ھ) کے علاوہ ایک نمایاں نام شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری علیہ الرحمۃ والرضوان کا بھی ہے۔

سلسلۂ فردوسیہ کے ان مشائخ نے ہندوستان کی سرزمین پر سلسلہ فردوسیہ کی آبیاری کی اور اسے تناور درخت بنادیا مگر اس تناور درخت میں برگ وبار اس وقت آئے جب اس سلسلہ سے حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی وابستگی ہوئی۔ ان ہی کی ذات سے ہندوستان میں سلسلۂ فردوسیہ کو عروج ملا اور دیگر چار بڑے سلاسل کی طرح ہندوستان کی سرزمین پر اسے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے بقول طریقہ فردوسیہ کو ہندوستان میں پروان چڑھانے کا کام شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انجام دیا۔ یہ ان ہی کی شبانہ روز مجاہدانہ سرگرمیوں کا ثمرہ ہے کہ ان چار مشہور سلاسل کے ساتھ اس سلسلہ کا نام بھی بڑی عزت واحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی پیدائش ۲۹ شعبان المعظم ۶۶۱ھ کو منیر شریف ضلع پٹنہ میں ہوئی ''شرف آگیں'' تاریخ سن ولادت ہے۔ والدہ ماجدہ بی بی رضیہ اور والد ماجد کا نام شیخ یحییٰ (وفات ۶۹۰ھ) تھا۔ مولانا تاج الدین فقیہ آپ کے پردادا تھے جو اشاعت اسلام کی غرض سے بیت المقدس سے ۵۷۶ھ میں آکر منیر ضلع پٹنہ میں آباد ہوئے تھے اور شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ کے خلیفہ حضرت شیخ شہاب الدین جگ جوت علیہ الرحمہ آپ کے نانا تھے۔ جنھوں نے کاشغر کی سلطنت چھوڑ کر فقر کی راہ اختیار کی اور اشاعت دین حق کی غرض سے مرشد کے حکم پر ہندوستان آئے اور صوبہ بہار میں موضع جٹھلی

جو پٹنہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے قیام کیا۔ ''تاریخ سہروردیہ'' کے مصنف لکھتے ہیں کہ:

''شیخ شہاب الدین جگجوت کی صاحبزادیوں کی تعداد چار تھی ان میں ایک کا نام رضیہ تھا یہ مخدوم احمد یحییٰ منیری سے منسوب تھیں ان سے بہار کے مشہور بزرگ حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری بہاری متولد ہوئے''۔

(سید ضمیر احمد، مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری ص ۴۱ پٹنہ ۱۹۹۴ء)

حضرت شیخ شہاب الدین جگجوت کا تعلق حسینی سادات سے تھا اس لئے شیخ شرف الدین کا مادری سلسلہ سادات سے ہی سمجھنا چاہئے یہ شجرہ چودہویں پشت میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ پورا شجرۂ نسب مادری اس طرح ہے۔

''بی بی رضیہ بنت سید شہاب الدین پیر جگجوت بن سلطان سید شاہ محمد بن سید شاہ احمد بن سید شاہ ناصر الدین بن سید یوسف بن سید حسن بن سید قاسم بن سید موسیٰ بن سید حمزہ بن سید داؤد بن سید رکن الدین بن سید قطب الدین بن سید اسحاق بن سید اسماعیل بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن علی کرم اللہ وجہہ الکریم شجرۂ پدری اس طرح ہے۔

''شرف الدین احمد بن شیخ یحییٰ بن اسرائیل بن مولانا محمد تاج فقیہ بن ابی بکر بن ابی الفتح بن ابی القاسم بن ابی الصائم بن ابی دہر بن ابی لیث بن ابی سہمہ بن ابی الدین بن ابی سعید بن ابی ذر بن زبیر المکنی بابی الصعب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف''۔

(احمد سعید، تاریخ سہروردیہ ص ۷۵ کراچی ۲۰۰۱ء)

شیخ شرف الدین کے تین بھائی اور تھے شیخ خلیل الدین، شیخ جلیل الدین اور شیخ حبیب الدین۔ شیخ شرف الدین کی عمر جب پڑھنے کے قابل ہوئی تو آپ کو پڑھنے کی طرف توجہ دلائی گئی، تحصیل علم کے جو مواقع وطن میں تھے اس سے آپ نے بھرپور استفادہ کیا والد ماجد سے آپ کو کافی علمی رہنمائی ملی، مزید تحصیل علم کے لئے مولانا شرف الدین

ابوتوامہ کی علمی شہرت سن کر مشرقی بنگال کی دار الحکومت سنار گاؤں کا سفر کیا، مولانا شرف الدین ابوتوامہ علم وفضل کے آفتاب تھے اس دور میں علم وفضل میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ شرف الدین ابوتوامہ غیاث الدین بلبن (۱۲۲۸ء۔۱۲۸۱ء) کے عہد حکومت میں بخارا سے دہلی تشریف لائے تھے۔ آپ ان کی خدمت میں پہنچ کر ہمہ تن گوش ہو کر تحصیل علم میں لگ گئے۔ تحصیل علم میں انہماک اور یکسوئی کا عالم یہ تھا کہ طلب خیریت کے لئے وطن سے جو خطوط آپ کے پاس پہنچتے اسے کھول کر پڑھنے کے بجائے بند لفافے کسی محفوظ تھیلی میں ڈالتے جاتے تھے اور اس خیال سے نہیں پڑھتے کہ کہیں کسی مسئلہ کو لے کر طبیعت میں انتشار نہ پیدا ہو، شیخ ابوتوامہ نے ہر طرح آپ کی علمی سرپرستی فرمائی اور روز وشب کی جد وجہد سے آپ کو علم وفضل کا نہ صرف تابندہ ستارہ بنایا بلکہ ساتھ ہی اپنی بیٹی کا آپ کے ساتھ عقد کر کے آپ کو اپنی دامادی میں بھی لے لیا۔

تکمیل علم وفضل کے بعد شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری اپنے وطن مالوف ۶۹۰ھ میں واپس آ گئے اور پھر شیخ کامل کی تلاش میں اپنے بڑے بھائی شیخ جلیل الدین کی معیت میں ۶۹۰ھ کے آخر یا ۶۹۱ھ کے اوائل میں منیر بہار سے نکلے تو ہزارہا میل کا سفر طے کر کے بائیس خواجگان کی چوکھٹ دہلی پہنچے۔ اس وقت دہلی بزرگان دین مشائخ عظام کا مرکز تھا۔ بیشتر مشائخ کرام سے آپ کی ملاقات ہوئی مگر آپ کی نظر میں کوئی نہیں جنچا اور ''مناقب الاصفیاء'' کی روایت کے بقول آپ نے یہ فرمایا کہ " اگر شیخی ایں است ماهم شیخم " (محمد شعیب فردوسی، مناقب الاصفیاء ص۱۳۲) (اگر یہی پیری مریدی ہے تو ہم بھی شیخ ہیں) تھوڑا بہت حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے متاثر ضرور ہوئے مگر بات بالکل نہیں بنی دوران ملاقات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے بڑی عزت بخشی پانوں کی تھال عنایت فرما کر فرمایا'' سیمرغیست نصیب دام ما نیست (ایک شاہین بلند پرواز ہے لیکن ہمارے جال کی قسمت میں نہیں ہے) (محمد شعیب فردوسی، مناقب الاصفیاء ص: ۱۳۲)۔ دہلی سے پانی پت کا بھی سفر کیا اور حضرت بوعلی شاہ قلندر پانی پتی (وفات۷۲۴ھ) کی خدمت میں بھی باریابی ہوئی۔ مگر وہاں بھی بات نہیں بنی زیارت کی

اور یہ کہتے ہوئے پلٹ کر دہلی واپس آ گئے کہ" شیخ است اما مغلوب الحال است به تر بیت دیگرے نمی پردازد "(شیخ ہیں لیکن مغلوب الحال دوسروں کی تربیت نہیں کر سکتے)(محمد شعیب فردوسی ،مناقب الاصفیاء ص۱۳۲) واپس پلٹ کر دہلی آئے دہلی پہنچ کر بھائی نے شیخ نجیب الدین فردوسی کا ذکر کیا آپ نے ان کی ملاقات سے پہلو تہی کی ،مگر بھائی نے فرمایا ملنے میں کوئی حرج نہیں۔آپ ان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور جب ان کے نورانی چہرہ پر آپ کی نظر پڑی تو ایسا رعب طاری ہوا کہ جسم پسینے سے شرابور ہو گیا۔ایسا لگ رہا تھا کہ شیخ نجیب الدین آپ کے انتظار میں تھے۔شیخ نے دیکھتے ہی فرمایا ''درویش آؤ برسوں سے تمھارا انتظار کر رہا ہوں تا کہ تمھاری امانت تمہارے سپرد کر دوں''۔(شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری ،مکتوبات صدی ص ۱۵ بہار شریف ۱۹۹۳ء)۔بیعت لی ،خرقہ پہنایا ، اور بہت ساری نصیحتیں فرمائیں۔آپ نے کچھ دنوں شیخ کی خدمت میں اکتساب فیض کرنے کی خواہش ظاہر کی مگر شیخ نے قبول نہیں کیا اور رخصت کرتے ہوئے فرمایا۔اگر دوران سفر کسی قسم کی کوئی خبر سننے میں آئے تو لوٹ کر دہلی مت آنا۔آپ نے قبول فرمایا اور بہار کے لئے نکل پڑے راستے میں پیر و مرشد کے وصال کی جانکاہ خبر ملی۔دہلی کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا ،کیوں کہ پیر کا حکم نگاہوں کے سامنے تھا۔بہار پہنچے ۔بہیا ضلع شاہ آباد کے جنگل میں بارہ سال انتہائی سخت مجاہدے کئے ۔مدتوں راجگیر کے جنگل میں بھی گزارا۔تقریباً ۴۰ سال صحرا نوردی کرتے رہے ۔ریاضت و مجاہدے کے ذریعہ نفس کشی کی ۔جنگل کی پتیوں پر گذارا کیا ،اس ریاضت و مجاہدہ کی تفصیل صاحب ''مناقب الاصفیاء'' نے ان لفظوں میں لکھی ہے:

> ''ریاضت کے زمانہ میں کھانے پینے سے پرہیز کرتے جب کبھی اشتہاء کا غلبہ ہوتا تو درخت کی پتیاں کھا کر بھوک کی شدت رفع کر لیتے ایک بار علی الصباح نہانے کی ضرورت پیش آ گئی غسل فرمانے کے لئے پانی کے قریب گئے جاڑے کا موسم تھا غیر معمولی سردی تھی پانی بہت ٹھنڈا تھا ،دل میں خیال آیا کہ تیمّم کر کے نماز ادا کر لیں لیکن پھر خیال ہوا کی شرعی رخصت کی آڑ میں پناہ کیوں لی جائے چنانچہ پانی میں اتر گئے لیکن سردی

کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے آفتاب طلوع ہوا تو اس کی تمازت سے ہوش
آیا لیکن اس وقت فجر کی نماز قضا ہو چکی تھی بڑا رنج ہوا اور فرمایا میں نے جو
ریاضتیں کی ہیں اگر پہاڑ کرتا تو پانی ہو جاتا، لیکن شرف الدین کو کچھ نہ ہوا
کثرت ریاضت سے بدن میں خون باقی نہ رہا ایک بار حجام کے استرے
سے سر مبارک مجروح ہو گیا تو سر سے خون کے بجائے پانی بہنے لگا''۔
(صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ ص ۱۴۰۷ اعظم گڑھ ۱۹۸۹ء)

حضرت شیخ شرف الدین احمد منیری کے چاہنے والوں کو جب اس کی خبر ملی تو انھوں نے آپ کو گھیر لیا اور راج گیر کی بستی میں قیام فرما کر رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دینے کی درخواست کی۔ آپ نے لوگوں کے جذبات کی قدر کی اور نفس کشی کے بعد راج گیر میں درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ شیخ کے قدم رنجہ فرمانے کے باعث آج راج گیر نہ صرف بہار بلکہ دنیا بھر کے سیاحوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اسی راج گیر میں وہ جگہ بھی ہے جو مخدوم کے چلہ کے نام سے مشہور ہے اس کا منظر انتہائی دلکش و دل آویز ہے، یہاں پہنچ کر جو دل کو اطمینان اور روح کو سکون ملتا ہے وہ احاطۂ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ چھوٹے چھوٹے درختوں کی قطار، سرسبز پتوں کی بہار، جنگلی پرندوں کے چہچہے، عجب سہانا اور دل کش سماں پیدا کرتے ہیں۔ اس جگہ کے تعلق سے صاحب ''گل فردوس'' نے انتہائی دیدہ زیب نقشہ کھینچا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی پُر فضا مقام پر شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری نے ۷۲۴ھ سے ۷۸۲ھ تک کا زمانہ خلق خدا کی ہدایت و ارشاد اور طالبین کی تعلیم و تربیت میں گذرا اس عرصہ میں بقول علی میاں ندوی ایک لاکھ سے زائد انسان آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔

(ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت جلد۳ ص ۲۰۲)

دیگر سوانح نگاروں نے بھی آپ کے مریدین کی تعداد ایک لاکھ سے زائد بتائی ہے۔ لیکن ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تعداد مبالغہ سے خالی نہیں۔ مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے سوانح نگار لکھتے ہیں۔

''مخدوم کے مریدوں کی فہرست طویل ہے۔نوشتۂ توحیدان کی تعداد لاکھ سے زائد بتاتے ہیں۔ یہ تعداد مبالغہ سے خالی نہیں معلوم ہوتی بایں ہمہ اتنا ضرور کہا جائے گا کہ کثیر تھی اور اس میں مسترشدین وتلامذہ بھی شریک ہیں۔مخدوم کے ممیّز مستفیدین میں یہ لوگ شامل تھے۔

مولانا مظفر بلخی، ملک زادہ فضل اللہ، مولانا نصیرالدین جونپوری، حسین معز بلخی الملقب بہ نوشتہ توحید، مولانا تقی الدین اودھی زین بدر عربی، مولانا شہاب الدین ناگوری، شمس الدین خوارزمی، قاضی بدرالاسلام ظفرآبادی، سیدجلال الدین خوہرزادہ شیخ نجیب الدین فردوسی وغیرہم۔

(صباح الدین عبدالرحمٰن ، بزم صوفیہ ص ۳۷۷)

حضرت شیخ شرف الدین کوحضرت شیخ نجیب الدین فردوسی سے بیعت تھی اس لئے آپ کا خاندان طریقت فردوسیہ ہے مگر راہ سلوک ومعرفت کی تعلیم بلا واسطۂ پیر حضرت سرور کائنات ﷺ سے بھی ہوئی اس لئے آپ اویسی بھی ہیں۔اوراس قسم کی تعلیم ہونا ارباب صفا کے نزدیک بعید از قیاس نہیں نفحات الانس میں ہے۔ایک گروہ اولیاءاللہ کا وہ ہے جس کو مشائخان طریقت اویسی کہتے ہیں، ان کو ظاہر میں پیر کی ضرورت نہیں ہوتی کیوں کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ بلا واسطۂ غیران کی پرورش فرماتے ہیں۔جیسا کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم سرکار دوعالم ﷺ نے فرمائی، یہ مقام بہت عظیم واعلیٰ ہے اور بہت کم لوگوں کونصیب ہوتا ہے۔(سید ضمیر الدین احمد، مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری۔ احوال وافکار ص ۱۲۴) حضرت شیخ شرف الدین کا سلسلۂ بیعت وارادت جوحضرت نجیب الدین فردوسی علیہ الرحمۃ والرضوان سے ہےاس واسطہ سے بایں طور بائیسویں نمبر پرحضرت ختمی مرتبت سیدالمرسلین ﷺ پر منتہی ہوتا ہے۔

۱۔حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسی علیہ الرحمۃ

۲۔حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی علیہ الرحمۃ والرضوان

۳۔حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی علیہ الرحمۃ والرضوان

۴۔حضرت خواجہ بدر الدین سمرقندی　علیہ الرحمۃ والرضوان
۵۔حضرت خواجہ سیف الدین باخرزی　علیہ الرحمۃ والرضوان
۶۔حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ　علیہ الرحمۃ والرضوان
۷۔حضرت خواجہ ابونجیب ضیاء الدین سہروردی علیہ الرحمۃ والرضوان
۸۔حضرت خواجہ وجیہ الدین ابوحفص　علیہ الرحمۃ والرضوان
۹۔حضرت خواجہ محمد عبداللہ المعروف بہ عمویہ　علیہ الرحمۃ والرضوان
۱۰۔حضرت خواجہ احمد سیاہ دینوری　علیہ الرحمۃ والرضوان
۱۱۔حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری　علیہ الرحمۃ والرضوان
۱۲۔حضرت خواجہ ابوالقاسم جنید بغدادی　علیہ الرحمۃ والرضوان
۱۳۔حضرت خواجہ سری سقطی　علیہ الرحمۃ والرضوان
۱۴۔حضرت خواجہ معروف کرخی　علیہ الرحمۃ والرضوان
۱۵۔حضرت سیدنا امام علی رضا　علیہ الرحمۃ والرضوان
۱۶۔حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم رضا　علیہ الرحمۃ والرضوان
۱۷۔حضرت سیدنا امام جعفر صادق　علیہ الرحمۃ والرضوان
۱۸۔حضرت سیدنا امام محمد باقر　علیہ الرحمۃ والرضوان
۱۹۔حضرت سیدنا امام زین العابدین　علیہ الرحمۃ والرضوان
۲۰۔حضرت امیر المؤمنین سیدنا امام حسین　علیہ الرحمۃ والرضوان
۲۱۔شیخ الاسلام المسلمین امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ
۲۲۔سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ　صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، اور منطق وفلسفہ الغرض تمام علوم متداولہ میں یکساں کمال حاصل تھا۔ آپ کے ملفوظات ومکتوبات اور تصنیفات کے مطالعہ سے تمام علوم میں مہارت اور بالغ نظری کا پتا چلتا ہے۔ علماء کی تصریحات کے مطابق آپ منصب اجتہاد پر بھی فائز تھے۔ جتنی تحریریں

آپ کے نوک قلم سے منصب شہود پر آئی ہیں انھیں کتاب وسنت سے مزین کر کے پیش کیا گیا ہے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد سیکڑوں میں بتائی جاتی ہے مگر بیشتر امتداد زمانہ اور لوگوں کی غفلت کے باعث ضائع ہوگئیں، صرف درج ذیل کتابیں ہی دستیاب ہیں۔

۱۔راحت القلوب ۲۔اجوبه ۳۔فوائد رکنی ۴۔ارشاد الطالبین ۵۔ارشاد السالکین ۶۔ رساله مکیه ۷۔معدن المعانی ۸۔لطائف المعانی ۹۔اشارات ۱۰۔ مخ المعانی ۱۱۔ خوان پُر نعمت ۱۲۔تحفهٔ غیبی ۱۳۔رساله در طلب طالبان ۱۴۔ ملفوظات ۱۵۔ زاد سفر ۱۶۔فوائد مریدین ۱۷۔ بحر المعانی ۱۸۔ کنز المعانی ۱۹۔ گنج لایفنیٰ ۲۰۔مونس المریدین ۲۱۔شرح آداب المریدین ۔

جو تحریریں آپ کے نوک قلم سے منصۂ شہود پر آئیں ان میں مکتوبات وملفوظات کی بڑی اہمیت ہے۔ موجودہ دور میں جو فاصلاتی نظام تعلیم جاری ہے اس کی بنیاد اس زمانے میں مکتوبات کے ذریعہ پڑ چکی تھی۔ مریدین کی تعلیم وتربیت کا کام اُس دور میں مکتوبات سے لیا جاتا تھا جس کے دوررس نتائج برآمد ہوتے تھے۔ فتنۂ دین الٰہی کا قلع قمع کرنے میں مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مکتوبات نے جو کارنامہ انجام دیا وہ اظہر من الشمس ہے۔ ان مکتوبات نے جو کام کیا وہ تیر وتفنگ سے ممکن نہ تھا۔ آپ کے تقریباً ایک لاکھ مرید ایسے تھے جو آپ کی مجلس میں حاضر ہوکر تربیت نہیں حاصل کر سکتے تھے انھیں آپ نے مکتوبات کے ذریعہ تعلیم دی اور بڑی خاموشی سے عوام وخواص کی اصلاح فرمائی۔ آج سے صدیوں قبل حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری اپنی مکتوبات کے ذریعہ اپنے مریدین کی تربیت فرما چکے تھے آپ نے جن مضامین کا درس دیا اور جن موضوعات کو تعلیم وتربیت میں اولیت دی ان میں یہ موضوعات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

معرفت الٰهی ، ایمان ویقین ، مشاهده وادراک ، تصفیه قلب وتزکیهٔ نفس ، درویشانه زندگی ۔خشیت الٰهی ، اتباع سنت ، خدمت خلق ، دل جوئی وپرده پوشی ، عجز وانکسار ، احترام اولیاء الله ، توبه واستغفار ، صدق ، ایمان ، تقویٰ ، مجاهده ، نفس کشی ، تر ک

دنیا ، روح کی لطافت وذکاوت ، کشف وتجلی ، نماز روزہ اور حج وزکوٰۃ ، کلمہ طیبہ ، سعادت وشقاوت ، قضاوقدر ، خوف ورجا ، وعدہ ووعید جنت ودوزخ ، عشق ومحبت ، گردش وروش ، کشش وکوشش ، شریعت وطریقت ، بندہ بودن وبندگی کردن ، سلامتی وملامتی ، شیخی ومریدی ، توحید وتفرید ، حقیقت ومعرفت وغیرہ۔

شیخ شرف الدین احمد منیری علیہ الرحمۃ والرضوان کے مکتوبات تین طرح کے ہیں

۱۔مکتوبات صدی

۲۔مکتوبات دوصدی

۳۔مکتوبات سہ صدی

۴۔مکتوبات بست وہشت

یہ مکتوبات تمام مسائل کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔مولانا صباح الدین عبدالرحمان کے بقول ''مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل پر مختصر مگر محققانہ مباحث ہیں''۔

(صباح الدین، بزم صوفیہ ص۱۶۵ دہلی ۱۹۹۴ء)

حضرت شیخ کے مکتوبات اور دیگر تحریروں میں جو اعلیٰ افکار ونظریات پائے جاتے ہیں اس سے بیشتر اہل علم نے استفادہ کیا ہے۔اپنے انھیں افکار عالیہ کی بنیاد پر علماء ومشائخ کے درمیان آپ بحیثیت سلطان المحققین متعارف تھے۔علوم نقلیہ کے علاوہ منطق وفلسفہ، کلام وریاضی اور ہئیت وہندسہ میں آپ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔فلسفہ میں آپ کو تو وہ مقام حاصل تھا کہ بقول معین الدین دردائی:

''غور سے دیکھا جائے تو آج کے فلسفہ اور حکمت کو جن مغربی مفکرین پر ناز ہے وہ بھی حضرت مخدوم الملک ہی کے خوشہ چین نظر آتے ہیں''۔

(معین الدین دردائی، تاریخ فردوسیہ، ص۲۳۸)

فقہ میں حضرت شیخ شرف الدین احمد منیری کو اجتہادی منصب حاصل تھا جس کا اعتراف اکثر سوانح نگاروں نے کیا ہے، دین کے تمام مسائل پر گفتگو عصر حاضر کی روشنی میں جس انداز سے آپ نے اپنی تصنیف میں کی ہے اس سے آپ کی فقہی عبقریت کا اندازہ لگایا

جا سکتا ہے۔ آپ نے اپنی تصنیف ''خوان پُر نعمت'' کے تعلق سے ایک مرتبہ فرمایا تھا۔

''دین حق میں جن باتوں کی ضرورت ہے سب اس میں موجود ہیں''۔

(شیخ شرف الدین احمد منیری، مکتوبات صدی ص۲۰)

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کا سلسلۂ طریقت چشتیہ نہیں تھا مگر ذوق سماع انھیں حد درجہ تھا۔ مجلس سماع میں آپ بہت حزم و احتیاط فرماتے، جب کبھی مجلس سماع ہوتی اور آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی تو آپ خلوت میں چلے جاتے دروازہ بند کر لیتے وہاں کسی کو آنے کی اجازت نہ ہوتی۔ سماع کی حلت وحرمت پر **معدن المعانی** میں آپ نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ سماع حلال بھی ہے اور حرام بھی، مکروہ بھی ہے اور مباح بھی۔ حلال اس وقت ہے جب سماع سے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ سے محبت کی تحریک پیدا ہو اور اگر اس سے طبیعت فسق و فجور کی طرف مائل ہو تو یہ حرام ہے۔ اور اگر طبیعت کچھ حق اور کچھ غیر حق کی طرف متوجہ ہو تو یہ مکروہ ہے اور حق و مجاز دونوں کی طرف مائل ہو لیکن حق کی طرف زیادہ جھکاؤ ہو تو یہ مباح ہے۔ (شیخ شرف الدین احمد منیری، معدن المعانی ص۴۶۲)

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری نے تصوف میں دو چیزیں لازم قرار دی ہیں ایک علم اور دوسری شریعت کی اتباع، کسی سالک کو بغیر علم کے راہ سلوک میں قدم نہیں رکھنا چاہئے کیوں کہ بغیر علم کے وہ کافر یا مجنوں ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شریعت کے بغیر راہ سلوک میں قدم رکھنا جہالت اور ہلاکت ہے۔ شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت کا پتا چلتا ہے جب تک کسی سالک کو شریعت سے واقفیت نہیں ہوتی ہے اسے طریقت سے آگاہی بالکل نہیں ہو سکتی ہے۔ شریعت کا تعلق ظاہر سے ہے اور طریقت کا تعلق باطن سے ہے۔ مثلاً قبلہ رو ہو کر نماز پڑھنا شریعت ہے اور نماز میں دل خدا سے لگانا طریقت ہے۔ شریعت کے بغیر طریقت پر چلنا چھت پر بغیر زینہ کے دیوار پھاند کر چڑھنے کے مترادف ہے۔ آپ نے اپنی نگارشات میں اسی طرح کی بحثیں کی ہیں جسے پڑھ کر قاری کے دل و دماغ میں تصوف سے دلچسپی بڑھ جاتی ہے اور محبت الٰہی سے دل معمور ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی بحثوں کی افادیت ہر دور میں مسلم رہی ہے آج بھی ان کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ضرورت

ہے کہ زیادہ سے زیادہ ان کی زندگی، تعلیمات اور مومنانہ افکار ونظریات سے عوام وخوص اور بطور خاص نئی نسل کو متعارف کرایا جائے تا کہ ان تعلیمات کی روشنی میں بندگان حق اپنی زندگی کی تعمیر کرسکیں۔

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری متبع سنت تھے کہ ان کا ہر عمل سنت کے مطابق ہی ہوتا تھا، وہ ہمیشہ اس بات کی تاکید کیا کرتے تھے کہ ہمیں سنت کے مطابق ہی چلنا چاہئے اور خود وہ حدیث نبوی پرسختی کے ساتھ عمل پیرا تھے۔ اتباع سنت کے تعلق سے آپ کا یہ عمل قابل تقلید ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے عمر بھر تربوز کا ذائقہ نہ چکھا صرف اس لئے کہ وہ تحقیق نہ کرسکے کہ آیا آنحضرت ﷺ نے اسے نوش فرمایا تھا یا نہیں اور اگر نوش فرمایا تھا تو کس طرح۔ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ۲۱ ص ۲۱۷ لاہور ۱۹۸۷ء)

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی صلبی اولاد کا سلسلہ ان کی پوتی بارکہ سے جاری ہے جن کا عقد حضرت نجیب الدین فردوسی کے خواہر زادہ سید وحید الدین رضوی سے ہوا تھا۔ مخدوم کے معاصرین میں بڑے بڑے مشائخ کے نام آتے ہیں۔ جن میں نصیر الدین محمود چراغ دہلی، اخی سراج پنڈوہ، بنگالہ، سید جلال الدین بخاری سیوستان، میر سید علی ہمدانی کشمیر، امام یافعی مکہ معظّمہ، خواجہ بہاء الدین نقشبند بخارا، شاہ راجو قتال اوچ، سید امیر کلال شام، علیھم الرحمۃ والرضوان کافی اہم ہیں۔

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کا وصال ایک سو اکیس سال کی عمر میں شب پنجشنبہ ۶ رشوال المکرّم ۷۸۲ھ کو عشا کی نماز کے وقت ہوا۔ اگلے روز پنجشنبہ کے دن چاشت کے وقت تدفین عمل میں آئی مادۂ وصال ''پُر شرف'' سے برآمد ہوتا ہے۔ وصال کے وقت آپ نے وصیت فرمائی کہ مرے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو، تارک سلطنت ہو، اور حافظ قرأت سبعہ ہو۔ جنازہ رکھا ہوا تھا مریدین، معتقدین اور متوسلین ان صفات کی حامل شخصیت کے منتظر تھے کہ یکا یک حضرت مولانا سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے، یہ حضرت مخدوم سے حصول بیعت کی نیت سے آئے تھے مگر اس وقت پہنچے جب مخدوم جہاں عالم جاودانی کو رحلت کر چکے تھے۔ یہ

تینوں شرطیں ان میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ انھوں نے حسب وصیت جنازہ کی نماز پڑھائی اور نعش مبارک کو قبر میں اتارا اور کچھ دنوں مزار مبارک پر چلہ کش رہ کر وہاں سے رخصت ہوئے۔ آپ کی قبر انور بہار شریف میں آج بھی مرجع خلائق ہے۔

دلا ہر گز نیابی در جہاں ہمچوں شرف پیرے
کہ مالا مال ازو شد سید اشرف جہانگیرے

(شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، مکتوبات صدی ص ۲۵)

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی

علیہ الرحمۃ والرضوان

حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی شہر سمنان (خراسان) سے ہندوستان تشریف لائے آپ کے مورث اعلیٰ ایک زمانہ سے وہاں کے فرماں روا تھے، سید تاج الدین بہلول جو خاندان سامانیہ کے دوسرے فرمانروا احمد بن اسماعیل کے وزیر با تدبیر تھے، انھوں نے ہی تیسری صدی ہجری/۹ ویں صدی عیسوی میں سامان حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی اور پھر تقریباً پچاس سال اس حکومت کے وارث رہے، اسی خانوادہ کے ایک چشم و چراغ سلطان ابراہیم (وفات ۶۷۰ھ/۱۲۷۱ء) میں سمنان حکومت کے سلطان منتخب ہوئے۔ حضرت مخدوم سمنانی کی ولادت باسعادت شاہی خانوادہ میں ہوئی، آپ کی سنہ ولادت کا ذکر کسی قدیم سوانح نگار نے نہیں کیا ہے، البتہ مفتی غلام سرور لاہوری نے آپ کی عمر ۱۲۰ سال بتا کر سنہ ولادت ۸۰۸ھ تخریج کی ہے، اس حساب سے ۸۰۸ھ میں ۱۲۰/ کی تخریج سے ۶۸۸ برآمد ہوتے ہیں، بظاہر یہی آپ کا سنہ ولادت معلوم ہوتا ہے۔لیکن یہ سنہ ولادت غلط اس لئے ہے، کیوں کہ جس زمانہ میں آپ سمنان کے فرمانروا تھے، اسی دور میں آپ انتظامی امور سے فراغت ملنے کے بعد شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے، انھیں کی صحبت سے آپ کے دل میں دینی حمیت کا جذبہ اور طلب حق کا شعور بیدار ہوا۔ بالآخر آپ نے حکومت ٹھکرا دی اور اپنے مرشد کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے ہندوستان کی طرف چل پڑے اس وقت شیخ علاء الدولہ نے آپ کو الوداع کہا اور مشایعت کے طور پر کچھ دور ساتھ چلے، اس وقت مورخین کے بقول آپ کی عمر ۲۰ سے ۲۷ سال کے درمیان تھی، شیخ علاء الدولہ سمنانی کا وصال ۷۳۶ھ/۱۳۳۵ء میں ہوا، ہندوستان

کا سفر بھی اسی سال ہوا۔ ۷۳۶ھ میں ۲۰ سال کے اخراج سے ۷۱۶ اور ۲۷ سال کے اخراج سے ۷۰۹ باقی بچتے ہیں، درحقیقت یہی آپ کی ولادت کا سنہ ہے، اور سطور بالا میں جو سنہ ولادت ''خزینۃ الاصفیاء'' کی روشنی میں متعین کیا گیا ہے وہ محل نظر ہے، اس سلسلہ کی تفصیلی بحث ڈاکٹر سید وحید اشرف کے مقالہ میں دیکھی جا سکتی ہے جو معارف اعظم گڑھ مارچ ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا ہے۔

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت خدیجہ بیگم تھا یہ مشہور عارف باللہ خواجہ احمد یسوی (وفات ۵۶۲ھ/۱۱۶۶ء) کی صاحبزادی تھیں، ان کی روحانی عظمت کے اعتراف میں داراشکوہ نے ''صاحب آیات وکرامات جلیلہ ومقامات رفیعہ (سفینۃ الاولیاء داراشکوہ ص ۱۲۸ آگرہ ۱۸۵۳ء) جیسے بھاری بھرکم الفاظ لکھے ہیں آپ کی والدہ ماجدہ آپ کے نانا خواجہ احمد یسوی کے بالکل نقش قدم پر تھیں، صائم الدہر اور قائم اللیل خاتون تھیں، فرائض نمازوں کے علاوہ نماز تہجد بھی کبھی قضا نہیں ہوتی تھی آپ کی پیدائش سے قبل آپ کے نانا جان نے آپ کی والدہ ماجدہ کو آپ کی ولادت سے متعلق بشارت دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

''ترا فرزند شود کہ تمام آفاق از نور ولایت او منور گردد''

(خزینۃ الاصفیاء مفتی غلام سرور لاہوری ص ۳۶۱)

آپ کے نانا خواجہ احمد یسوی کی بشارت حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی، بطن مادر سے دنیا میں آتے ہی بشارت کی صداقت کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے، شام کا وقت تھا، شہر سمنان کی فصیلوں کے باہر تمام دروازوں پر تالے پڑ چکے تھے کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی ہر دروازہ پر پہریدار موجود تھے یہی روزانہ کا معمول تھا، فصیل شہر کے باہر ایک دیوانہ بآواز بلند کہہ رہا تھا کہ لوگو خبردار ہو جاؤ شہنشاہ ولایت غوث العالم کی تشریف آوری ہونے والی ہے مگر دربانوں نے فصیل شہر کا دروازہ نہیں کھولا پھر تھوڑی دیر میں وہی آواز فصیل شہر کے اندر سے آنے لگی وہ مست دیوانہ نہ جانے کس طرح فصیل شہر کے اندر چلا گیا اور شاہی محل کے اطراف وجوانب سے آواز لگانے لگا وہ مست دیوانہ دراصل مخدوم ابراہیم شاہ تھے

جنھوں نے مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کی ولادت کا مژدہ جانفزا سنانے اور بصورت دیگر اس بشارت کی تائید فرمانے آئے تھے جو آپ کی ولادت سے قبل آپ کی والدہ ماجدہ کو آپ کے نانا شیخ احمد یسوی دے چکے تھے، سید اشرف نے خاموش نگاہوں سے انھیں دیکھا اور آہستہ سے کہا کہ تمھارا کام ختم ہو گیا اب واپس جاؤ اس کے بعد وہ بزرگ اس طرح نگاہوں سے اوجھل ہوئے کہ پھر کسی کو کبھی نظر نہ آئے اور نہ ہی ان کی قبر کا نشان کبھی کسی نے دیکھا شاہی خاندان میں ایک لڑکے کی ولادت کس طرح خوشیوں کی بہار لاتی ہے اس کا اندازہ اس قدر آسانی سے نہیں لگایا جا سکتا ہے عیش وعشرت کے ماحول میں بڑے ہی ناز ونعم سے پرورش ہوئی، سات سال کی عمر میں ہفت قرآت کے ساتھ قرآن مقدس مکمل طور پر حفظ کر لیا چودہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ وعلوم نقلیہ سے با قاعدہ فراغت ہوگئی اسی سال والد ماجد کا انتقال ہو گیا اور کم عمری ہی میں والد ماجد کے پدرانہ شفقتوں سے محروم ہو گئے۔ ذہن ودماغ میں حکومت کا سودا قطعاً نہ تھا دل محبت الٰہی کا اتھاہ سمندر بنا ہوا تھا لیکن ارکان دولت کے اصرار پر عنان حکومت سنبھالنی پڑی مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں۔

اگر چہ طبع مبارک بسلطنت راغب نبود لیکن امراء ووزرائے سلطنت طوعاً وکرہاً ورابر تخت سلطنت سمنان نشانیدند''۔ (خزینۃ الاصفیاء ص ۳۶۰)

حضرت مخدوم اشرف وزرائے سلطنت کے اصرار پر شاہی تخت پر متمکن ضرور ہو گئے مگر ذہن ودماغ میں شاہی طمطراق بالکل نہ تھا، امور سلطنت سے فراغت حاصل کرنے کے بعد شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی (وفات ۷۳۶ھ/۱۳۳۵ء) کی خدمت میں حاضر ہو کر تزکیہ نفس کرتے، آداب سلوک سے واقفیت حاصل کرتے، ایک عرصہ تک یہی معمول رہا، شیخ کی خدمت میں روزانہ کی آمد ورفت سے حکومت سے بیزاری اور محبت الٰہی کی بے قراری کا جذبہ روز فزوں سے فزوں تر ہوتا رہا، ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمانے لگے۔

''اگر چہ ترا از امور سلطنت فراغ حاصل نیست لیکن بر سبیل اجمال ملاحظہ معانی نقش اسم بے توسط زبان در دل صنوبری می کردہ باش وواقف انفاس

نیزی باید بود‘‘۔(خزینۃ الاصفیاء ۳۶۰)

(اگر چہ امور سلطنت کی مصروفیت بہت زیادہ ہے تاہم مختصراً ہی سہی دل سے ملاحظہ معانی نقش اسم اللہ بلا توسط زبان کرتے رہو اور واقف انفاس رہا کرو)

آپ نے حضرت خضر علیہ السلام کا مشورہ صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ روز وشب کا اسے وظیفہ بنالیا ایک مرتبہ حضرت اویس قرنی علیہ الرحمۃ والرضوان بھی آپ کے خواب میں تشریف لائے اور زیارت کا شرف بخشا اور کچھ ذکر واذکار کی تعلیم دی جسے آپ نے اپنے معمولات میں شامل کرلیا اور اوراد ووظائف پر پورے سات سال عمل پیرا رہے، چودہ سال کی عمر میں آپ نے یہ سلسلہ شروع کیا اور متواتر ۲۱ رسال کی عمر تک ان اوراد و وظائف کے ذریعہ یاد الٰہی میں مصروف رہے۔ اس دوران آپ کو شیطان لعین کے مکر و فریب کا کئی جہتوں سے مقابلہ بھی کرنا پڑا اس نے آپ کو ورغلانے اور طلب حق سے بیزار کرنے کے لئے کئی روپ اختیار کئے مگر اسے اپنے منھ کی کھانی پڑی اس کی تمام کوششیں رائیگاں ہوگئیں اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا پھر کئی سال بعد رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو حضرت خضر علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جذبہ محبت الٰہی دیکھ کر فرمانے لگے۔

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں ایں خیالست ومحالست وجنوں

طلب خدا اور معاملات دنیا ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے، اگر محبوب کی طلب ہے تو امور سلطنت سے دست بردار ہونا ہی پڑے گا حضرت خضر علیہ السلام کی یہ بات آپ کے ذہن ودماغ میں پیوست ہوگئی اور امور سلطنت سے کنارہ کشی کرنے کا آپ نے حتمی فیصلہ کرلیا طلب خدا کا اس طرح دل میں سرفروشان جذبہ پیدا ہوا کہ امور سلطنت سے دست بردار ہونے کے ساتھ دنیا سے بھی بیزار ولاتعلق ہوگئے، حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ آپ کا حصہ ہندوستان میں حضرت شیخ علاء الحق پنڈوی کے پاس ہے جس قدر جلد ممکن ہو ان کی خدمت میں حاضری دے کر اپنا حصہ لے لو دوسرے دن صبح آپ والدہ ماجدہ کی

خدمت میں حاضر ہوئے سفر ہندوستان کی اجازت طلب کی تو والدہ ماجدہ نے اظہار مسرت کیا اور فرمایا ان تمام باتوں کا علم مجھے تمھارے نانا جان سے ہو چکا ہے، کہ تمھاری زندگی میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ تخت حکومت کو ٹھکرا کر ہندوستان چلے جاؤ گے۔

''الحمدللہ آں وقت رسید مبارک ہست من حق خود بتو بخشیدم و ترا از حق خود برآوردہ بحق سپردم''۔(خزینۃ الاصفیاء ص ۳۶۱)

الحمدللہ وہ مبارک وقت آ گیا ہے میں نے اپنا حق تمھیں بخش دیا اور تمھیں اپنے حق سے آزاد کر کے حق کے سپرد کر دیا ادھر آپ کی والدہ نے ایک صندوق سے اپنے والد ماجد خواجہ احمد یسوی کی دستار نکالی اور اسے آپ کے سر پر رکھتے ہوئے فرمایا۔

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سفر کے وقت اپنے بیٹے کو یہ زادراہ دے دینا آج میں اس امانت کے بار سے سبک دوش ہو رہی ہوں''۔

(اشرف المومنین، ابو منصور سرمدی ص ۱۳ شیخوپورہ پاکستان ۱۴۱۳ھ)

دوسرے دن کی صبح کا سورج اپنے دامن میں موت وحیات رنج والم اور فرحت وانبساط کے نہ جانے کتنے فیصلے لے کر نمودار ہوا، سیدنا مخدوم اشرف نے اپنے چھوٹے بھائی سلطان محمد کو حکومت کی باگ ڈور سپرد کر کے اپنی برأت کا اعلان کر دیا اور شاہی جلوس کی جھرمٹ میں بڑے بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے ہندوستان کے سفر پر روانہ ہو گئے شاہی ساز وسامان کے ساتھ آپ نے سفر کا آغاز کیا کچھ سواریاں اور کچھ خیمے بھی آپ کے ساتھ تھے مگر سمرقند پہنچتے پہنچتے آپ کے پاس صرف ایک کمبل اور کھانے کے لئے ایک برتن رہ گیا باقی سارا سامان آپ نے فقرا ومساکین میں تقسیم کر دیئے۔ دوران سفر جہاں شام ہوتی وہیں آپ ٹھہر جاتے اور صبح ہوتے ہی پھر سرگرم سفر ہو جاتے، ماوراء النہر بخارا اور سمرقند ہوتے ہوئے اوچ پہنچے وہاں مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی بارگاہ میں حاضری دی، بڑی محبت سے دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے، مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے فرمایا:

''میرے عزیز جلد راہ سلوک میں قدم رکھ دو برادرم علاء الدین تمھارے

منتظر ہیں دیکھو کہیں راستہ میں نہ رک جانا''۔(اشرف المومنین ص۱۴)

سیدنا مخدوم اوچ سے دہلی تشریف لائے اور پھر یہاں سے بہار کا رخ کیا جس وقت آپ بہار پہنچے تو شام ہو چکی تھی آبادی سے باہر ایک جنازہ کے ساتھ ایک بھاری جمعیت کسی کی منتظر تھی جب قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ مخدوم الملک شرف الدین یحیٰی منیری علیہ الرحمۃ والرضوان (وفات ۷۸۱ھ/۱۳۱۰ء) کا وصال ہو گیا ہے اور وصال سے قبل انھوں نے وصیت کی تھی کہ میرے وصال کے بعد مغرب کی طرف سے کالے کمبل والا ایک درویش نمودار ہوگا، میرے جنازہ کی نماز اسی سے پڑھوانا چنانچہ لوگوں کے کہنے پر جنازہ کی نماز آپ ہی نے پڑھائی۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مخدوم اشرف حضرت مخدوم الملک شرف الدین کی خدمت میں شرف بیعت کے حصول کے لئے آئے تھے۔مگر اس وقت پہنچے جب مخدوم الملک علم جاودانی کو رحلت فرما چکے تھے اصل عبارت یہ ہے۔

> ''آپ کے جنازہ کی نماز حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی نے پڑھائی یہ حضرت مخدوم سے حصول بیعت کی نیت سے آئے تھے مگر اس وقت پہنچے جب مخدوم الملک عالم جاودانی کو رحلت کر چکے تھے''۔
>
> (مخدوم شرف الدین یحیٰی منیری احوال وافکار سید ضمیر الدین احمد ص ۱۸۵ دلی ۱۹۹۴ء)

سید ضمیر الدین کی بیعت سے متعلق ایک جداگانہ رائے ہے اس قسم کا نقطہ نظر کسی اور تذکرہ کی کتاب میں نہیں ملتا، البتہ نماز جنازہ کی ادائیگی سے متعلق یہ عبارت ضرور ملتی ہے۔

> ''مخدوم اشرف تیسری بار جب اپنے شیخ کی زیارت کے لئے پنڈوہ جارہے تھے جب وہ اس سفر میں بہار شریف پہنچے تو حضرت مخدوم الملک شرف الدین یحیٰی منیری کا جنازہ رکھا ہوا تھا حضرت مخدوم نے وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھائے گا جو صحیح النسب ہو تارک

السلطنت ہو اور سات قرأتوں کا قاری ہو یہ تمام شرطیں حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی میں موجود تھیں اس لئے انھوں نے ہی مخدوم کے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔

(بزم صوفیہ صباح الدین عبدالرحمان ص۵۲۲ اعظم گڑھ ۱۹۸۹ء)

مخدوم اشرف سمنانی نے مخدوم الملک کی نماز جنازہ پہلے سفر میں پڑھائی یا تیسرے سفر میں اس میں تو اختلاف ہوسکتا ہے لیکن اس بات پر تمام مورخین متفق ہیں کہ مخدوم الملک کے جنازہ کی نماز آپ نے ہی پڑھائی اور ان کی روحانی عظمتوں کے پیش نظر مزار پُر انوار پر چلہ کشی کے لئے بیٹھے بھی ہیں، دوران چلہ کشی حضرت مخدوم الملک شرف الدین یحییٰ منیری کا ایسا جلالی فیضان آپ پر ہوا کہ جذب کے عالم میں آپ نے تمام کپڑے پھاڑ ڈالے اور قریب تھا کہ جنگل کی راہ لیتے اور عبادت و ریاضت میں وہی مشقتیں برداشت کرتے جو حضرت مخدوم الملک نے منیر کے جنگل میں بارہ سال مسلسل ایک درخت کی شاخ پکڑ کر عبادت میں اٹھائی ہیں یہ خیال دل میں پیدا ہوا تھا کہ مخدوم الملک اپنی ظاہری شکل وصورت کے ساتھ نمودار ہوئے اور انھوں نے اپنا سینہ آپ کے سینہ سے ملا کر وہ تمام ربانی فیوض و برکات جو سینے میں پنہاں تھے آپ کے سینے میں منتقل کرتے ہوئے فرمایا:

''اب میں تمھیں زیادہ دیر نہیں روک سکتا جاؤ یہ سفر تمھیں مبارک ہو آپ نے اپنا سفر جاری کر دیا بہار کی سرحدیں پار کر کے حدود بنگال میں قدم رکھا اور پنڈوہ تشریف لے گئے''۔

بنگال ہندوستان کی وہ ریاست ہے جہاں بزرگان دین کا فیضان ایک عرصہ سے جاری ہے مخدوم اشرف سمنانی نے جب بنگال کی سرزمین پر قدم رکھا اس وقت شیخ علاء الحق پنڈوی کے روحانی فیوض و برکات سے پورا بنگال سیراب ہو رہا تھا، حضرت خضر علیہ السلام کے ذریعہ آپ کی آمد کی خبر انھیں مل چکی تھی وہ آپ کی ملاقات کے شدت سے منتظر تھے اس انتظار میں روز افزوں بے قراری میں اضافہ ہوتا ہی جارہا تھا چوں کہ شیخ بڑے پُر رعب اور پُر جلال بزرگ تھے اس لئے مریدین میں سے کسی کو آپ کی بے قراری کا

سبب معلوم کرنے کی جرأت نہ ہوئی ایک دن تو ایسا ہوا کہ انتظار کی بے قراری اس درجہ بڑھ گئی کہ حجرۂ خاص سے کبھی آپ باہر آتے اور کبھی اندر جاتے اور کبھی خانقاہ سے باہر دور نکل کر راستہ دیکھنے لگتے اور آنے والا آتا نظر نہیں آتا تو ایک ٹھنڈی سانس بھر کر واپس آجاتے اور حلقہ مریدین سے فرماتے۔

''آنے والا تو وقت پر ہی آئے گا مگر اب ہم سے انتظار نہیں ہوتا''

حضرت خضر علیہ السلام کی زبانی جب یہ معلوم ہوا کہ مخدوم اشرف دو ایک دن میں آپ کی خدمت میں آنے والے ہیں تو ان کے بے قرار دل کو قرار آیا، وقت آنے پر بڑے تزک واحتشام کے ساتھ مریدین ومتوسلین کی جھرمٹ میں اپنی سواری ''سکھپال'' (ڈولی) لے کر پُر تپاک خیر مقدم کے لئے آبادی سے باہر تشریف لے گئے، جب جلوس آبادی سے باہر ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر پہنچا تو شیخ علاء الحق اپنی سواری (تخت رواں) جو انھیں ان کے مرشد حضرت شیخ سراج الدین عثمان غوری (وفات ۷۳۰ھ/۱۳۲۹ء) کی بارگاہ سے ملی تھی نیچے تشریف لائے اور کھڑے ہو کر مخدوم سمناں کی آمد کا انتظار کرنے لگے، کھڑے ہو کر انتظار کرتے کرتے جب پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو انھوں نے ایک آدمی کو دور تک دیکھنے کے لئے دوڑایا اس آدمی نے واپس آکر یہ مبارک خبر دی کہ ہاں کچھ دور فاصلہ پر ایک قافلہ آرہا ہے اور اس قافلہ میں سمنان شہر کا اشرف نامی ایک شخص ہے، اس خبر سے انھوں نے اطمینان کی سانس لی، چند ہی ساعتیں گذری تھیں کہ وہ قافلہ قریب آگیا کندھے پر کالا کمبل ڈالے گرد وغبار سے اٹے ہوئے حضرت مخدوم اشرف کی نظر جیسے ہی حضرت شیخ علاء الحق پنڈوی پر پڑی تو فرط مسرت میں دوڑ پڑے اور بڑھ کر قدموں سے لپٹ گئے اس وقت اپنی بے قراری کا اظہار کرتے ہوئے شیخ علاء الحق نے آپ سے فرمایا:

''تمھارے آنے سے قبل حضرت ابوالعباس خضر علیہ السلام نے ستر مرتبہ مجھ سے تمھاری آمد کا ذکر کیا اور فرماتے تھے کہ ان کی تربیت میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ کرنا وہ اللہ کی ایک امانت ہیں جو تم تک پہنچیں گے''۔

(محبوب یزدانی سید نعیم اشرف ص۱۳۳ الہ آباد ۱۹۸۷ء)

حضرت شیخ علاء الحق نے اسی تخت رواں پر اپنے برابر آپ کو جگہ دی اور بڑی ہی عزت وتکریم کے ساتھ اپنی خانقاہ لائے اور اسی دن بعد نماز مغرب شرف بیعت سے مشرف فرما کر وہ امانت جو ایک عرصہ سے ان کے سینے میں محفوظ تھی آپ کے سپرد کی، اپنا لباس آپ کے زیب تن کیا اور پھر اس طرح آپ کی تربیت فرمائی کہ چند ہی دنوں میں درجہ کمال تک پہنچ گئے پھر ''جہاں گیر'' کے عظیم لقب سے آپ کو سرفراز کیا۔ صاحب ''خزینۃ الاصفیاء'' رقم طراز ہیں۔

''ہماں روز از شرف بیعت مشرف ساخت و بہ لباس خویش ملبوس کرد و در چند مدت بتکمیل رسانیدہ و بلقب جہانگیر ملقب ساختہ''۔

(خزینۃ الاصفیاء ص ۳۶۱)

صباح الدین عبد الرحمٰن نے مرشد کی بارگاہ میں رہنے کی مدت بارہ سال بتائی ہے وہ لکھتے ہیں۔

مرشد کی خدمت میں بارہ سال رہنے کے بعد خرقہ خلافت حاصل کرنے کے علاوہ ''جہانگیر'' کے لقب سے سرفراز ہوئے سیدنا مخدوم اشرف خود فرماتے ہیں۔

مرا از حضرت پیر جہاں بخش خطاب آمد کہ اے اشرف جہاں گیر
کنوں گرم جہان معنوی را کہ فرماں آمد از شاہم جہاں گیر

(بزم صوفیہ ص ۵۱۹)

حضرت شیخ علاء الحق پنڈوی حضرت اخی سراج الدین عثمان کے مرید وخلیفہ تھے، ان کے مرشد کو سلسلہ کی یہ دولت حضرت محبوب الٰہی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء (وفات ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء) کی بارگاہ سے حاصل ہوئی تھی، ان کا شمار حضرت محبوب الٰہی کے مشہور خلفا میں ہوتا تھا، حضرت شیخ علاء الحق پنڈوی کے پاس دولت وثروت کی بہتات تھی حکومت میں آپ وزارت کے منصب پر فائز تھے، سماج میں ان کی بڑی عزت تھی، اپنی جائداد پر انھیں غرّہ تھا، اسی مناسبت سے انھوں نے اپنا نام ''گنج نبات'' رکھ چھوڑا تھا، جب ان کے احوال وکوائف کی خبر حضرت محبوب الٰہی شیخ نظام الدین اولیاء کو ہوئی تو انھوں نے فرمایا:

''میرے پیر کا لقب ''گنج شکر'' ہے اور اس نے گنج نبات رکھا ہے۔ زبان

اس کی گنگ ہو جائے گی چنانچہ حضرت شیخ علاء الحق کی زبان بند ہو گئی''۔

(مراۃ الکونین، غلام نبی فردوسی ص ۳۶۰ لکھنؤ)

لیکن جب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے اپنے مرید وخلیفہ حضرت سراج الدین عثمان کو بنگال رشد وہدایت کے لئے روانہ کیا تو اس وقت حضرت سراج الدین نے اپنے مرشد سے یہی فرمایا تھا کہ آپ تو رشد وہدایت کے سلسلہ کو فروغ دینے کے لئے بنگال بھیج رہے ہیں۔ وہاں علاء الحق نامی شخص ہے جسے اپنی دولت وثروت پر ناز ہے اس سے کیسے نبھے گی؟ تو خواجہ نظام الدین اولیاء نے فرمایا تھا کہ وہ تمھارا مرید ہوگا اور دل وجان سے تمھارا تابع فرمان ہوگا'' گفتہ او گفتہ اللہ بود'' کے بمصداق ایسا ہی ہوا، جب حضرت شیخ سراج الدین عثمان بنگال تشریف لے گئے تو حضرت شیخ علاء الحق پنڈوی نے نیازمندانہ طور پر آپ کی خدمت میں حاضری دی، گناہوں سے توبہ کیا، گنگ زبان بولنے لگی، حلقۂ ارادت میں شامل ہو کر اس طرح ریاضت ومجاہدہ کیا کہ دل کی دنیا ہی بدل گئی دولت وثروت سے بیزار ہو کر طلب معرفت حق میں لگ گئے، شیخ کی صحبت میں رہ کر جلد ہی درجۂ کمال تک پہنچ گئے علم ظاہری میں کمال حاصل تھا ہی علم باطنی کے حصول نے ان کی عظمت وبرتری میں چار چاند لگا دیئے، صرف آپ ہی نہیں بلکہ آپ کی ذات سے آپ کا خانوادہ علم وفضل کی دنیا میں مشہور ہو گیا۔ مولانا سید نعیم اشرف لکھتے ہیں۔

''علمی دنیا میں اس وقت آپ کے خاندان کو وہی شہرت حاصل تھی جو مسلمانوں کے آخری حکومت میں حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حاصل تھی۔ (محبوب یزدانی ص ۳۶)

'' آئینہ اودھ'' کے مصنف کے بقول شیخ علاء الحق پنڈوی بادشاہ بنگالہ کے وزیر تھے، یعنی علمی اعتبار سے ان کا اور ان کے خاندان کا پایۂ علمی تو بلند تھا ہی عزت وعظمت کے اعتبار سے بھی وہ ایسے منصب پر فائز تھے جہاں تک کم ہی لوگوں کی رسائی ہو پاتی ہے۔ لیکن مرشد کے دامن ارادت سے وابستہ ہوتے ہی منصب وزارت کو چھوڑ دیا اور شیخ کی نظر کیمیا اثر نے انھیں ایسے منصب پر فائز کر دیا جس کی تعبیر وتشریح آج کے ماحول میں معراج کمال

سے ہی کی جاسکتی ہے۔

حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی کو حضرت شیخ علاء الحق جیسے مرشد کی صحبت ملی تقریباً ۱۲ سال خدمت میں رہ کر سلوک و معرفت کی منزلیں طے کیں جب اس مقام تک پہنچ گئے جس مقام تک شیخ آپ کو دیکھنا چاہتے تھے تو خرقہ خلافت عطا کیا اور جون پور کی ولایت سپرد کی پھر شیخ شاہی ساز وسامان کے ساتھ ایک جلوس کے ہمراہ جون پور کے لئے وداع کر دیا مرشد کی قدر و منزلت اور محبت والفت آپ کے دل میں اس قدر تھی کہ آپ ایک پل کے لئے بھی جدائی گوارہ نہیں فرماتے تھے مگر مرشد کا حکم سر آنکھوں پر دل پر پتھر باندھے ہوئے جون پور کے لئے روانہ ہو گئے، ساز وسامان اور اونٹوں، گھوڑوں کی کثرت دیکھ کر لوگ چیں بہ جبیں بھی ہوتے کہ یہ کیسی فقیری ہے جس میں شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ ہے، تو آپ فرماتے ان گھوڑوں کی میخیں میں نے گل (مٹی) میں گاڑ رکھی ہیں دل میں نہیں، اس طرح نہ جانے کتنے لوگوں نے پھبتیاں کسیں، طنزیہ جملے کہے، مگر آپ نے اپنا سفر جاری رکھا، یہاں تک کہ آپ حدود جون پور میں داخل ہو گئے جب آپ جون پور کے لئے روانہ ہو رہے تھے اس وقت آپ نے اپنے مرشد سے فرمایا تھا کہ وہاں ایک خوفناک شیر ہے اس سے مقابلہ کی مجھ میں تاب کہاں؟ تو مرشد نے فرمایا:

ترا ہم شیر بچہ بہم رسد کہ کار آں شیر تمام رساند (خزینۃ الاصفیاء ص ۳۶۱)

سطور بالا میں جس خوف ناک شیر کا ذکر آیا ہے اس سے مراد شیخ رکن الدین نبیرہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے خلیفہ شیخ حاجی چراغ ہند سہروردی کی ذات گرامی تھی جب آپ محمد آباد گوہنہ پہنچے تو وہاں کے علماء وفضلا سے علمی بحثیں ہوئیں افضلیت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے متعلق سوال و جواب بھی ہوئے وہاں جو علماء کے سرخیل تھے ان کا نام سید خان تھا انھوں نے بحث ومباحثہ میں آپ کے موقف کی صرف تائید ہی نہیں کی بلکہ حمایت بھی کی، وہ لاولد تھے آپ کی دعاؤں سے صاحب اولاد ہو گئے، آپ کی جب اس کرامت کا شہرہ ہوا تو وہ لوگ جن کے دلوں میں آپ کے تئیں کچھ شکر رنجی تھی وہ مکمل طور پر آپ کے گرویدہ ہو گئے، محمد آباد سے جب آپ ظفر آباد پہنچے تو وہاں مقابلہ میں علماء نہیں

بلکہ مسخرے تھے، انھوں نے آپ کو پریشان کرنے کی بہت کوششیں کیں، ایسا وہ کسی کی شہ پر کررہے تھے اس کا تو صحیح اندازہ نہ ہوسکا البتہ ظفرآباد سے آپ کو خائب وخاسر کرکے بھگانے کی انھوں نے ساری تیاریاں کرلی تھیں مگر ''جس کو خدا رکھے اسے کون چکھے''، مسخروں نے یہ کیا کہ ایک آدمی کو جعلی مردہ بنا کر جنازہ کی نماز پڑھوانے کے لئے آپ کی خدمت میں لے گئے ان مسخروں کا مقصد یہ تھا کہ جیسے ہی آپ جنازہ کی نیت باندھیں گے وہ مسخرہ جو جعلی مردہ بنا ہوا ہے وہ چارپائی سے اٹھ کھڑا ہو جائے گا اور پھر اعلان کرے گا کہ آپ ہی کی کرامت سے میں زندہ ہو گیا اس طرح آپ کی ذلت ورسوائی ہو جائے گی۔

جب اس نیت سے مسخرے جنازہ کو لے کر آپ کی خدمت میں پہنچے اور نماز پڑھانے کی دعوت دی تو آپ نے انکار کیا مگر جس طرح آپ انکار کرتے رہے اسی طرح ان مسخروں کا اصرار بڑھتا رہا، ان مسخروں کے برے خیالات کو آپ نے اپنے نور باطن سے پہلے ہی بھانپ لیا تھا، جب وہ اپنے اصرار سے باز نہیں آئے تو آپ جنازہ کی نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے دیکھ کر وہ مسخرے دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے مگر جیسے ہی آپ نے جنازہ کی نماز پڑھنے کے لئے نیت باندھی تو جعلی مردہ حقیقی مردہ میں تبدیل ہو گیا یعنی اس کی روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی، سارے مسخرے اس انتظار میں تھے کہ اب اٹھا اب اٹھا مگر وہ کب کا لقمہ اجل بن چکا تھا جیسے ہی آپ نے سلام پھیرا بڑی بےقراری سے وہ مسخرے جنازہ کی طرف لپکے تو دیکھا کہ وہ واقعی لقمہ اجل بن چکا ہے، چیخ وپکار شروع کی اور آہ وبکا کرتے ہوئے آپ کے قدموں سے لپٹ گئے عذر ومعذرت اور گستاخیوں کی معافی مانگنے لگے، مگر آپ نہ مانے ان کی ساری کوششیں رائیگاں ہو گئیں اس طرح وہ حاسدین جو آپ کو رسوا کرنے کے لئے یہ کھیل کھیل رہے تھے خود ہی ذلیل وخوار ہو گئے، جب اس واقعہ کی خبر دور دور تک پھیل گئی تو آپ کی بارگاہ میں لوگوں کا ہجوم بڑھنے لگا، دور دور سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضری دے کر شاد کام وبامراد واپس جانے لگے، آپ کی اس درجہ مقبولیت سے حاجی چراغ ہند پریشان سے رہنے لگے۔ اتنی طاقت نہیں کہ آپ کو آزار پہنچا سکیں اور آپ کی بارگاہ میں آنے سے لوگوں کو منع کر دیں مگر

دل ہی دل میں نفرت ضرور کرنے لگے۔

شیخ کبیر سرہر پوری بڑے صاحب ثروت انسان تھے، جب انھیں ظاہری علوم وفنون سے فراغت ہوگئی تو علم باطنی سیکھنے کے لئے کسی شیخ کی ضرورت محسوس ہوئی اس علاقہ میں صرف حاجی شیخ چراغ ہند تھے، انھیں صرف انھی کی خبر تھی لیکن ایک رات وہ خواب دیکھتے ہیں کہ کوئی بزرگ ان کے پاس آئے ہیں جو انتہائی حسین وجمیل تھے، انھوں نے انھیں دامن ارادت سے وابستہ کرلیا جب صبح ہوئی مرشد کی تلاش شروع کی شیخ حاجی چراغ ہند کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر جو صورت خواب میں دیکھی تھی اس سے صورت نہ ملی واپس چلے آئے جب وہ حضرت شیخ مخدوم اشرف کی خدمت میں پہنچے تو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یہ تو وہی بزرگ ہیں جنھوں نے خواب میں مجھے اپنا مرید کیا ہے، قریب گئے اور قدموں سے لپٹ گئے رات کی سرگذشت بیان کی اور دست حق پرست پر بیعت کر کے ہمیشہ کے لئے وہ آپ ہی کے ہوگئے، جب اس واقعہ کی خبر شیخ حاجی چراغ ہند کو ہوئی تو وہ شیخ کبیر پر بہت برہم ہوئے کیوں کہ وہ علاقہ کے باثر ذی اقتدار لوگوں میں سے تھے غصہ کی تاب نہ لاکر فرمانے لگے کہ شیخ کبیر عین جوانی کے عالم میں مرجائیں گے جب اس واقعہ کی خبر آپ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا:

> ''غم مخور کہ پیر کبیر خواہی شد و بحالت پیری خواہی مرد تو ہم ہر چہ در حق شیخ حاجی نفس خواہی راند ہمانطور بوقوع خواہد آمد شیخ کبیر بر زبان راند کہ اول شیخ حاجی بمیرد و بعد ازاں شیخ کبیر''۔(خزینۃ الاصفیاء ص ۳۶۳)

سیدنا مخدوم اشرف نے شیخ کبیر کو تسلی دی کہ جو آپ کہہ رہے ہیں ویسا ہی ہوگا آپ سے پہلے شیخ حاجی چراغ ہند کا ہی وصال ہوگا، ان تینوں بزرگوں کی باتیں درست ثابت ہوئیں، شیخ کبیر کا وصال ۲۵ ر سال کی عمر میں ہوا، مگر بڑھاپے کے تمام آثار بدن سے نمایاں تھے، سر اور داڑھی کے تمام بال سفید ہوچکے تھے، اعضائے بدن نحیف ولاغر اسی طرح ہوچکے تھے جس طرح بڑھاپے میں ہوا کرتے ہیں، شیخ کبیر کے وصال سے پانچ سال قبل شیخ حاجی چراغ ہند کا وصال ہوچکا تھا۔

شیخ کبیر وہی بزرگ ہیں جن کی بابت حضرت شیخ علاء الحق پنڈوی نے سیدنا مخدوم اشرف سے جون پور روانہ کرتے وقت فرمایا تھا۔ ''ترا ہم شیر بچہ بہم رسد کہ کار آں شیر تمام رساند'' اگر شیخ حاجی چراغ ہند شیر ہیں تو آپ کی خدمت میں ایک شیر کا بچہ آئے گا جو اس شیر کا کام تمام کرے گا۔

سرُ ہر پور کا اصل نام ''سرور پور'' ہے یہ شہر ابتداء ملک الشرق خواجہ سرور (وفات ۸۰۴ھ/۱۴۰۱ء) کا بسایا ہوا تھا۔ کثرت استعمال سے سر ہر پور ہو گیا تھا، اسی شہر کے ایک سادات خاندان میں حضرت سیدنا محمد اجھری علیہ الرحمۃ والرضوان (وفات ۹۴۰ھ/۱۵۳۳ء) کی شادی سید حسن بن سید تاج الدین بن سید ابو صالح احمد کی دختر نیک اختر کے ہمراہ ہوئی تھی۔ (سید الہند اور آپ کا اسلامی مشن محمد فضل الحق ص ۵۶ بنارس)

سیدنا مخدوم اشرف سمنانی جون پور اور علاقہ جونپور سے ہوتے ہوئے بھدونڈ آئے وہاں کے امیر الامرا محمود نے آپ کا پُر تپاک خیر مقدم کیا۔ بھدونڈ میں ہندوؤں کی آبادی کثرت سے تھی اسی وجہ سے وہاں ہندوؤں کے بے شمار عبادت خانے تھے ۵۰۰ چھوٹے چھوٹے مندروں کے علاوہ ایک بہت بڑا مندر بھی تھا جس میں کئی سو پجاری تھے جو ایک بڑے پنڈت کے ماتحت تھے اس بڑے مندر کے چاروں طرف ایک مضبوط چہار دیواری تھی جس کے دروازوں پر کئی ایک نگہبان تھے، مسلمانوں کا اس مندر میں داخلہ قطعی ممنوع تھا اسی وجہ سے اس بڑے مندر سے دور مسلمانوں نے اپنی ایک بستی آباد کی تھی جب اس صورت حال کا علم محمود کی زبانی آپ کو ہوا تو آپ نے فرمایا اگر رات میں قیام اس مندر کے اندر کیا جائے تو کیا حرج ہے؟ اس بات سے محمود کے دل میں گھبراہٹ سی ہوئی لیکن انکار کیسے کر سکتے تھے فرمایا۔ پیر و مرشد کو اختیار ہے جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔
(اشرف المومنین ص ۲۸)

لیکن حضور ابھی چند دنوں پہلے کا واقعہ ہے کہ اسی مندر کا پنڈت کسی وجہ سے مسلمانوں کی بستی میں آیا اور مسجد میں گھس گیا لوگ ڈرے کہ نہ جانے کیا مصیبت یہاں یہ ڈھائے گا، لیکن جب لوگوں نے پیچھے مڑ کر اس پنڈت کی طرف دیکھا تو وہ پنڈت وہاں سے

غائب ہو چکا تھا۔ البتہ مسجد کے دالان میں ایک اژدہا کنڈلی مارے بیٹھا تھا اور اس کے منھ سے شعلے نکل رہے تھے، جب یہ واقعہ محمود کی زبانی آپ سماعت فرما چکے تو آپ نے فرمایا ''دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے'' اس سے ملاقات ہونی چاہئے یہ فرمایا اور مندر کی طرف چل پڑے جیسے ہی مندر کے صدر گیٹ پر پہنچے تمام پجاریوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا تو آپ نے بڑے ہی بے باکانہ انداز میں فرمایا:

''سنا ہے تمھارے مندر میں کوئی اژدہا رہتا ہے جس کی سانسوں سے شعلے نکلتے ہیں ایک نوجوان پجاری یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا، بجائے یہ کہ وہ آپ کے پوچھے گئے سوال کا جواب دیتا اس کی نیت خراب ہو گئی اور لڑنے پر آمادہ ہو گیا مگر تھوڑی ہی دیر میں وہ تمام پجاری پتھر کی مانند بے حس و حرکت ہو گئے، کسی میں کچھ کہنے اور کچھ کرنے کی سکت ہی نہ رہی، آپ اندر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ بڑے بت کے سامنے ایک پنڈت عریاں بیٹھا ہوا جپ و تپ میں مصروف ہے، جب آپ کی آمد کی آہٹ اسے سنائی دی تو اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ آپ پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں باغیانہ لہجے میں چیخ کر بولا:

ملیچھ تو نے میرے تپسیا کی بے حرمتی کی ہے میں جانتا ہوں کہ چند جنتر منتر تجھے بھی آتے ہیں جبھی تو نے میرے چیلوں کے پیر جکڑ دیئے ہیں لیکن اب اس مندر سے تیری لاش ہی باہر جائے گی''۔

اس پنڈت کی گفتگو سن کر آپ نے فرمایا:

تم ایک باکمال پنڈت معلوم ہوتے ہو اس لئے تمھیں یہاں بیٹھے بیٹھے اپنے چیلوں کا حال معلوم ہو گیا لیکن ابھی کچے ہو ذرا اوپر دیکھو جب اس نے اوپر دیکھا تو ایک چمگادڑ کی طرح مندر کی چھت سے اس نے اپنے آپ کو لٹکا ہوا پایا پھر تھوڑی دیر میں ایک کیڑا بن کر زمین پر گر پڑا اور تڑپنے لگا اس کی اس اضطرابی کیفیت کو دیکھ کر آپ نے فرمایا اچھا اٹھو اور ایک انسان کی طرح بیٹھ کر یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کرتب کہاں سے سیکھے ہیں؟ جیسے ہی وہ آدمی صورت بن کر بیٹھا تو وہ تکلیف کے سبب بری طرح کراہ رہا تھا آپ نے اپنا مقدس ہاتھ اس

کے کندھوں پر رکھا اور اس کی تمام تکلیفیں رفع ہوگئیں فوراً وہ پنڈت آپ کے قدموں سے لپٹ گیا اور کہنے لگا۔

''بابا میرا علم مرگھٹ کی رات کی طرح کالا ہے لیکن تمھارا علم اجالا ہے مجھے اپنی غلامی میں لے لو''۔(اشرف المومنین ص ۳۱)

پنڈت نے صدق دل سے توبہ واستغفار کیا آپ نے اسے کلمہ پڑھا کر داخل اسلام کیا اس کے اسلام قبول کرتے ہی اس مندر اور دوسرے تمام مندروں کے تمام پجاری حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے اس پنڈت کا نام بابا کمال پنڈت رکھا گیا اور وہیں ایک خانقاہ بنائی جس جگہ کا نام ''روح آباد'' رکھا گیا، وہی روح آباد اودھ کی سرزمین پر ضلع فیض آباد میں کچھوچھہ مقدسہ کے نام سے مشہور ہے اس خانقاہ کے قریب آپ نے ایک حجرہ خاص کی بھی تعمیر کروائی جس کا نام ''وحدت آباد'' رکھا اور اس سے تھوڑی دور پر ایک مسلم آبادی قائم کی اس کا نام ''کثرت آباد'' رکھا یہ غالباً وہی آبادی ہے جو آج کل ''کچھوچھہ مقدسہ'' کے نام سے مشہور ہے۔(واللہ اعلم)

اس پنڈت سے مقابلہ کا ذکر اکثر مورخین نے کیا ہے، الفاظ اگر چہ تمام مورخین کے بدلے ہوئے ہیں مگر مفہوم تقریباً سب کا ایک ہے، خانقاہ اور حجرہ خاص کے علاوہ ایک فرحت بخش باغ کی بنیاد ڈالنے اور پھر اس کا نام روح آباد رکھنے کا ذکر صاحب ''خزینۃ الاصفیا'' نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

''میر جہانگیر بجائے کہ وے سکونت داشت خانقاہ عالی جاہ وحجرہ خاص تعمیر فرمودو باغ فرحت بخش بنانہادہ بروح آباد موسوم ساخت''۔

(خزینۃ الاصفیاء ص ۳۶۴)

اس مقدس سرزمین پر جس کا نام ''روح آباد'' رکھا گیا ایک حوض بھی تیار کرایا گیا اس حوض کا ذکر حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کے اکثر سوانح نگاروں نے نہیں کیا ہے۔ مگر حوض وہاں خانقاہ کے متصل موجود ہے اور بیماروں کو اس کے پانی سے شفا ملتی ہے اس حوض سے متعلق شیخ المشائخ الحاج ابو احمد محمد علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان''

وظائف اشرفی''میں فرماتے ہیں۔

''مزار مبارک کے گرد ایک تالاب ہے جس نے مزار شریف کا احاطہ کیا ہے اس کو نیر شریف کہتے ہیں یہ تالاب حضرت مخدوم العالم کے زمانہ میں صوفیان باصفا نے اس طرح تیار کیا ہے کہ پھاوڑہ کی ہر ضرب نفی و اثبات کی ضربوں کے ساتھ ہوتی تھی اس کا پانی نہایت متبرک سمجھا جاتا ہے مریض اس کو پیتے ہیں اس سے غسل کرتے ہیں دوسرے مقامات پر تبرک کے لئے لے جاتے ہیں''۔

روح آباد میں قدم جمانے کے بعد پھر بھی حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کے قدم وہاں نہیں جمے، سیر و سیاحت کا سلسلہ جاری رہا حضرت شاہ بدیع الدین مدار (وفات ۸۴۰ھ/۱۴۳۶ء) کے ہمراہ زیارت حرمین شریفین کے لئے تشریف لے گئے زیارت حرمین شریفین کے بعد حضرت شاہ بدیع الدین مدار تو واپس ہندوستان تشریف لے آئے مگر آپ وہاں سے مدینہ منورہ، نجف اشرف کربلائے معلیٰ روم اور دمشق گئے پھر مکہ معظّمہ جا کر فریضہ حج ادا کیا، فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد بغداد، سمنان، مشہد، ہرات، ماوراء النھر، ترکستان، قندھار، غزنین، کابل، بخارا ملتان، اور اجودھن جیسے مقامات کی زیارت کر کے بزرگان دین سے ملاقاتیں کرتے ہوئے دہلی پہنچے۔ یہاں سے اجمیر شرف اور گجرات بھی تشریف لے گئے یہ سلسلہ یہیں پر بس نہیں ہوا بلکہ دوسری بار آپ سیاح عالم میر سید علی ہمدانی کے ہمراہ سیر و سیاحت کے لئے نکلے اور رُبع مسکون کا سفر کیا۔ ڈاکٹر سیدہ اشرف لکھتی ہیں۔

''سید اشرف جہانگیر سمنانی (وفات ۸۰۸ھ) نے شاہ ہمدان کے ساتھ کئی سفر کئے ہیں''۔ (سید علی ہمدانی، سیدہ اشرف ظفر ص ۱۴۵ کشمیر ۱۹۹۱ء)

دوسری جگہ سید علی ہمدانی کے ہمراہ سفر کی تائید درج ذیل الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔

''قپچاق اور جبل القاف کے سفر میں سید اشرف جہانگیر سمنانی (وفات ۸۰۸ھ) آپ (سید علی ہمدانی) کے ہمراہ تھے''۔

(سید علی ہمدانی ص ۴۷)

صاحب ''خزینۃ الاصفیا'' کی درج ذیل عبارت سے بھی یہ پتا چلتا ہے کہ دوسری مرتبہ ربع مسکون کا سفر حضرت مخدوم اشرف نے امیر کبیر سید علی ہمدانی کے ہمراہ کیا تھا اور یہ زمانہ (۷۳۳ھ سے ۷۵۳ھ) تک تھا۔

''بار دوم باز ہمراہ ہی میر کبیر سید علی ہمدانی بسیر تمام ربع مسکون پرداختہ''

(خزینۃ الاصفیاء ص ۳۶۴)

لیکن شیخ محمد اکرام کی تحقیق درج بالا تحقیق کے بالکل برعکس ہے وہ لکھتے ہیں۔

''میر سید اشرف جہانگیر سمنانی خاص مرتبہ کے بزرگ تھے وہ پیدا سمنان میں ہوئے سیر و سیاحت کے لئے (میر سید علی ہمدانی کے ساتھ) ہندوستان آئے، بالآخر جون پور کے علاقہ میں قصبہ کچھوچھہ میں بس گئے''۔

(آب کوثر شیخ محمد اکرام ص ۳۰۶ دہلی ۱۹۹۱ء)

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی نے ہندوستان کا پہلا سفر سید علی ہمدانی کے ہمراہ کیا یا بعد میں ان کے ساتھ ربع مسکون کا دورہ کیا یہ مسئلہ تو موضوع بحث بن سکتا ہے لیکن ان کے ساتھ سیر و سیاحت کرنے میں کسی تذکرہ نویس نے کوئی اختلاف نہیں کیا ہے۔ بہر حال دوران سفر آپ نے ۱۹۰ر بزرگان دین سے باطنی فیوض و برکات حاصل کئے اور اوچ میں حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت (وفات ۷۹۱ھ/ ۱۳۸۸ء) کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے چارسو بزرگوں کا فیض جو ان کے سینہ میں محفوظ تھا حاصل کیا اور روح آباد واپس تشریف لائے پھر آپ نے اس سرزمین پر استقامت کے ساتھ اشاعت دین حق کا جو فریضہ انجام دیا ہے اور حجرۂ خاص میں ارباب سلوک و معرفت کے سامنے جو اسرار و رموز بیان کئے ہیں اس کا ذکر تقریباً تمام سوانح نگاروں نے یکساں طور پر کیا ہے اور سب نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اشاعت اسلام کے سلسلے میں جو آپ نے شب و روز مساعئ جمیلہ کی ہیں یہ اسی کا ثمرہ ہے کہ آج اودھ اور اس کے آس پاس کے اضلاع اسلام کی روشنی سے منور و تاباں ہیں۔

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی سادات خانوادہ سے تھے،ہی ایمان کی تابانی چہرۂ مبارک سے نمایاں تھی، بے شمار لوگوں نے آپ کا صرف رخسار مبارک دیکھ کر کلمہ پڑھا ہے جو آپ کی خدمت میں حاضری دیتا آپ ہی کا ہو کر رہ جاتا، بہت سے لوگوں کو آپ کی یہ عظمت اور مقبولیت دیکھ کر رہا نہ گیا دل ہی دل میں لوگ حسد کرنے لگے، ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ روح آباد میں تشریف فرما تھے علی نامی قلندر اپنے پانچ سو خدام کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مجلس میں بیٹھ کر غیر شائستہ باتیں کرنے لگے، درمیان گفتگو انھوں نے آپ سے پوچھ لیا کہ یہ ''جہانگیر'' کا لقب آپ کو کہاں سے ملا؟ تو آپ نے فرمایا یہ خطاب مجھے اپنے مرشد کی بارگاہ سے ملا ہے پھر وہ کہنے لگے کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ علی قلندر کے اس سوال پر آپ کو جلال آ گیا اور آپ فرمانے لگے

''من صرف جہاں گیر نیستم بلکہ جاں گیرام'' (خزینۃ الاصفیاء ص ۳۶۱)

آپ نے صرف اتنا کہا تھا کہ علی قلندر کے بدن میں لرزہ پیدا ہوا وہ لڑکھڑا کر زمین پر گرا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ جب اس کے خدام نے یہ منظر دن کے اجالے میں اپنے ماتھے کی نگاہوں سے دیکھا تو حیران و شسدر رہ گئے بغیر کسی پس و پیش کے آپ کے قدموں سے لپٹ گئے اور دامن ارادت کو مضبوط ہاتھوں سے تھام لیا۔

حضرت مخدوم اشرف کے سامنے اس طرح نہ جانے کتنے چیلنجز آئے جس کو آپ نے صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ سب کے منہ توڑ جواب بھی دیئے اسی کا ایک واقعہ عبدالسلام نعمانی نے ''لطائف اشرفی'' کے حوالے سے نقل کیا ہے ان کی تحریر کا ماحصل یہ ہے۔

> '' ایک مرتبہ مخدوم اشرف سیر کرتے ہوئے ایک بت خانہ کی طرف گذرے وہاں دیکھا کہ ہندو انتہائی نیازمندانہ طور پر بتوں کی پرستش میں مشغول ہیں آپ وہاں کھڑے ہو گئے اور بہت دیر تک محو حیرت رہے پھر آپ نے یہ شعر پڑھا۔
>
> اگر نقشِ رخِ زلفت نبودے در ہمہ اشیاء
> مغاں ہرگز نہ کردندے پرستش لات وعزّیٰ را

(خداوندا اگر تیرے رخ اور زلف کا نقش تمام چیزوں میں نہ ہوتا تو مغاں
(آتش پرست) ہرگز لات وعزیٰ کی پرستش نہ کرتے)

جب پجاریوں نے آپ کو قریب کھڑا ہوا دیکھا تو بھاگے دوڑے سب آپ کے پاس آئے اور بحث ومباحثہ شروع کر دیا اپنے مذہب کی حقانیت میں ترجیحی دلیلیں پیش کرنے لگے، آپ نے اسلام کی حقانیت اور صداقت پر دلائل کے انبار لگا دیئے مگر وہ ہٹ دھرم اپنی ضد سے باز نہ آئے تو آپ نے اتمام حجت کے طور پر فرمایا کہ اگر یہ بت جن کی پرستش تم ابھی کر کے آرہے ہو اگر یہ خود تمھارے مذہب کی تکذیب کریں تو تم ایمان لے آؤ گے سب نے بیک زبان ہو کر کہا ''ہاں'' اس کے بعد آپ نے مندر کے ایک بت کو ہاتھ میں لے کر کہا کہ اے بت اگر محمد رسول اللہ کا دین برحق ہے تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ۔ بت نے بآواز بلند کلمہ پڑھا تمام حاضرین نے سنا یہ منظر یہ دیکھ کر برہمنوں کی ایک جماعت حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔ (تاریخ بنارس، عبد السلام نعمانی ص ۸۷ بنارس ۱۹۶۰ء)

جوگیوں سے مقابلہ کر کے ان کے دلوں میں اسلام کی عظمت ڈالنے کا ایک دوسرا واقعہ جس کا تعلق بنارس سے ہی ہے مولانا بدر القادری نے ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

''حضرت مخدوم اشرف سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک بار بنارس تشریف لے گئے تو انھیں بتایا گیا کہ یہاں فلاں مندر میں ایک بت ایسا ہے جو از خود آنکھیں کھولتا ہے اور اس کی آنکھ سے روشنی نکلتی ہے جب آپ اس مندر میں پہنچے تو اس طلسماتی کارخانہ میں آپ کے پہنچنے سے کھلبلی مچ گئی جادوگر جوگیوں سے آپ کا زبردست مقابلہ ہوا آپ کی کرامت سے نظر فریب بت پتھر کا ڈھیر بن گیا پھر آپ نے پجاری جوگی سے کہا تم بھی پتھر بنو اور یہ بت بھی پتھر ہے صرف آپ نے اتنا ہی کہا تھا کہ پجاری پتھر کی مورت کے مانند منجمد ہو گیا اور جس بڑے بت کی آنکھوں سے روشنی نکلتی تھی وہ صرف دو گڈھے رہ گئے یاتریوں کی آمد ورفت کا زمانہ تھا آپ تو

اپنی قیام گاہ پر چلے آئے چشم زدن میں یہ خبر ہر طرف پھیل گئی تمام باکمال ہنود نے بہت کوشش کی کہ پجاری جوگی کسی طرح اپنی اصلی حالت میں آجائے مگر ناکام رہے بالآخر مخدوم کی خدمت میں التجا کرنے پہنچے کہ پجاری کی گستاخی معاف کردیجئے آپ نے کہا جاؤ اپنے جنتر منتر اس پر آزماؤ وہ لوگ لوٹ کر پھر آگ جلانے اور منتر پڑھنے میں مشغول ہو گئے اب یہ ہوا کہ پجاری کے جسم پر جگہ جگہ آبلے پڑ گئے یہ دیکھ کر وہ اور پریشان ہو گئے اور روتے گڑگڑاتے حضرت مخدوم اشرف کے قدموں میں آگرے، آپ کو رحم گیا اپنے مریدوں اور پجاری کے چیلوں کے ہمراہ آپ مندر پہنچے بڑے پجاری کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے مس کیا وہ ہوش میں آگیا، حواس درست ہو گئے، فوراً ہی اس نے آپ کے مقدس ہاتھوں کو بوسہ دیا اور مشرف بہ اسلام ہو گیا''۔

(مسلمان اور ہندوستان، بدر القادری ص ۲۳۳ دہلی ۱۹۹۳ء)

''لطائف اشرفی'' میں ہے کہ اس روز آپ کی یہ زندہ کرامت دیکھ کر ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کیا اس طرح آپ جہاں جہاں گئے آپ کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے وہاں اسلام کا بول بالا ہوا۔ ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کر کے آپ سے بیعت وارادت کا شرف حاصل کیا جب تک آپ بقید حیات رہے عقیدت مندوں کا ہمیشہ آپ کی خانقاہ میں ہجوم رہا لیکن جب کہ آپ ہماری ظاہری آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں پھر ہجوم میں کوئی کمی نہیں ہے فیض حاصل کرنے والے شب وروز آپ کی بارگاہ سے فیض حاصل کر رہے ہیں خاص طور سے آسیب زدہ لوگوں کے لئے آپ کے در کی خاک تریاق سے کم نہیں۔ اس سلسلہ میں اس خانقاہ کی ہندوستان میں بڑی شہرت ہے آپ کی اس خصوصیت کا ذکر تمام اہم مورخین نے کیا ہے آسیبی بلاؤں سے نجات بھی آپ کے نام سے ملتی ہے، آسیب زدہ لوگوں کے سامنے آپ کا نام لینا کافی ہوتا ہے۔ آپ کے دربار میں ایسی لوگوں کی زیادہ بھیڑ ہوتی ہے۔ جو آسیب سے پریشان رہتے ہیں۔ ''آئینہ اودھ'' کے مصنف لکھتے ہیں۔

''درگاہ ان کی دربارۂ دفعیہ آسیب جن وپری تریاق مجرب ہے اکثر مردماں

آسیب زدہ دور دور سے درگاہ کچھو چھہ میں جاتے ہیں''۔

(آئینہ اودھ، سید ابوالحسن مانکپوری ص ۱۶۹ کانپور ۱۳۰۴ھ)

حضرت سیدنا مخدوم اشرف کی ازدواجی زندگی سے متعلق تمام تذکرہ نویس خاموش ہیں البتہ سید ابوالحسن مانکپوری نے لکھا ہے کہ مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی کی کوئی اولاد نہیں تھی اور جو سادات وہاں بلقب اولاد سید اشرف جہاں گیر معروف ہیں یہ واقعی میں اولاد سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں بہ ورثۂ مادری وہاں مقیم ہیں۔

(آئینہ اودھ ص ۱۶۹)

در بالا عبارت کی تائید ''الاعلام'' کے مصنف کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جہاں انھوں نے حضرت مخدوم اشرف سمنانی کے علمی فضائل ومناقب بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ انھوں نے شادی نہیں کی تھی جب آپ نے شادی نہیں کی تھی تو سید ابوالحسن مانک پوری کے بقول اولاد پیدا ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔''الاعلام'' کی اصل عبارت یہ ہے۔

وکان عالماً کبیراً عارفاً مسفاراً لم یتزوج ولم یزل یسافر ویدرك المشائخ ویاخذ عنهم "

الاعلام بمن فی تاریخ الھند من الاعلام عبدالحیٔ رائے بریلوی جلد ۳ ص ۲۶، مطبوعہ ۱۹۹۲ء)

(وہ مخدوم اشرف زبردست عالم بہت زیادہ سفر کرنے والے تھے شادی نہیں کی ہمیشہ سفر میں رہ کر مشائخین کرام سے ملاقات کر کے اخذ فیض کرتے رہے)

حضرت مخدوم اشرف سمنانی نے عقد مناکحت نہ کیا اس لئے کوئی اولاد نہ تھی فرزند دینی حاجی عبدالرزاق کو اپنا جانشین نامزد کیا اور ۲۷ رمحرم الحرام کو اس دور کے اہم بزرگان دین کی موجودگی میں حاجی عبدالرزاق کی خرقۂ خلافت عطا کر کے بزرگوں کی وہ امانتیں جو آپ کے پاس تھیں ان کے سپرد کر دیں، صاحب ''خزینۃ الاصفیا'' لکھتے ہیں۔

''بتاریخ بست وہفتم ماہ محرم الحرام میر جہاں گیر جمیع بزرگان عہد را جمع کردہ
پدرود کرد وداع فرمود فرزند دینی خود حاجی عبدالرزاق را خرقہ خلافت عطا
کردہ جانشین خود ساخت''۔(خزینۃ الاصفیاء ص ۳۶۵)

اسی روز بعد نماز ظہر قوالوں کو بلا کر آپ نے مجلس سماع منعقد کی جب قوالوں نے شیخ سعدی شیرازی کا یہ شعر پڑھا

گر بدست تو آمدہ است اجلم قد رضینا بما جری القلم

تو اس پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور جب قوال اس شعر پر پہنچے۔

خوب تر زیں دگر نباشد کار یار خنداں رود بجانب یار

سیر بیند جمال جاناں را جاں سپارد نگار خنداں یار

تو مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے اور اسی حالت میں جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ (بزم صوفیہ ص ۵۳۸)

۲۷ محرم الحرام ۸۰۸ھ/۶ جولائی ۱۴۰۵ء کو یہ سانحہ پیش آیا اور اپنی خانقاہ میں سپرد خاک ہوئے، روح آباد فیض آباد سے ۳۵ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔
(اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ۲ ص ۷۸۹ لاہور ۱۹۸۰ء)

حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی کا علمی پایہ کس قدر بلند تھا اور دنیائے روحانیت میں کس عظیم المرتبت درجہ پر فائز تھے اس کا صحیح اندازہ تو ارباب بصیرت وبصارت ہی کر سکتے ہیں، محمد غوثی شطاری نے آپ کی عظمت وجلالت سے متعلق درج ذیل کلمات لکھے ہیں۔

''کشف وکرامات اور منازل ومقامات کے آپ مالک تھے آپ کے
بیان سے عرفان کا آب حیات بہتا تھا اور آپ کے دل سے شوق ومحبت
کے شعلے اٹھتے تھے''۔

(گلزار ابرار محمد غوثی شطاری مانڈوی ص ۱۴۵ لاہور ۱۹۹۵ء)

حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی سلسلہ چشتیہ کے عظیم بزرگ تھے اگرچہ اس

خانقاہ میں قادری فیضان بھی تھا لیکن چشتی آداب ورسوم کا غلبہ ہے، آپ کے معتقدین ومتوسلین''اشرفی'' لکھتے ہیں، سلسلہ اشرفیہ دراصل سلسلہ چشتیہ کی ایک شاخ ہے۔ لیکن اب باقاعدہ ایک باضابطہ سلسلہ کی حیثیت اختیار کرتا جارہا ہے اس سلسلہ کے بانی آپ ہی تھے اسی وجہ سے آپ کے نام کی مناسبت سے اس سلسلہ کو''اشرفیہ'' کہا جاتا ہے۔ اور آپ کے معتقدین ومتوسلین اپنے نام کے ساتھ''اشرفی'' لکھتے ہیں، لاکھوں لوگ اب تک اس سلسلہ سے وابستہ ہو چکے ہیں، اس سلسلہ کو فروغ دینے میں ماضی قریب کے مشائخ میں شیخ طریقت حضرت سیدنا شاہ محمد علی حسین اشرفی الجیلانی، حضرت شاہ ابوالحامد سید محمد المعروف بہ محدث اعظم ہند، سرکار کلاں حضرت مولانا سید شاہ مختار اشرف کچھوچھوی، حضرت مولانا سید محمود اشرف کچھوچھوی، مجاہد دوراں حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی، حضرت سید شاہ مجتبیٰ اشرف المعروف بہ اشرف الاولیاء علیہم الرحمۃ والرضوان اور عہد حاضر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں دامت برکاتہم القدسیہ اسی سلسلۃ الذہب کی کڑیاں ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی

علیہ الرحمة والرضوان

ہندوستان، ہر دور میں روحانیت کا مرکز رہا ہے۔حضرت داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری، حضرت غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اور قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دوسرے کئی اہم مشائخ نے ہندوستان کو روحانی اعتبار سے عظمت وسر بلندی کے اعلیٰ مقام پر پہنچادیا تھا۔دسویں صدی ہجری کا زمانہ بھی روحانی اعتبار سے کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں۔نظامیہ اور صابریہ سلسلے کی سربراہی مشائخ شطاریہ کے حصہ میں آچکی تھی، شیخ محمد غوث گوالیاری (وفات ۹۷۰ھ) اور شیخ علی عاشقان سرائے میری (وفات ۹۵۵ھ) حضرت شیخ عبداللہ شطار کے روحانی مشن کی نشر واشاعت میں مصروف عمل تھے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور دوسرے مشائخ سلسلہ چشتیہ کی عظمت کا پرچم بلند کئے ہوئے تھے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دوسرے مشائخ نے سلسلہ قادریہ کی نشر واشاعت میں سرگرم عمل تھے۔جس کے مثبت نتائج برآمد ہوئے، ان مشائخ کرام کی جدوجہد سے بڑے بڑے امراوسلاطین تک سلاسل کا روحانی فیض پہنچا۔

علمی، ادبی اور ثقافتی اعتبار سے بھی عہد اکبری بہت اہمیت ہے، بیرون ہند بطور خاص ایران سے علماء وفضلا ہندوستان آئے اور ملک کے مختلف خطوں میں پھیل گئے۔کہا جاتا ہے کہ امیر فتح اللہ شیرازی اپنے ساتھ ایرانی علماء کی تصانیف بھی لائے اور انھیں ہندوستان میں نصاب درس کا حصہ بنایا۔جس نے آگے چل کر درس نظامی کی بنیاد فراہم کی۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں دین اور علم دونوں ایران اور ترکستان کے راستے ہی پہنچے تھے۔یہی وجہ ہے کہ یہاں کی درسیات اور تہذیب وثقافت پر ایرانی تہذیب وثقافت کا ہر

دور میں غلبہ رہا۔ آج بھی ہندوستان کے بیشتر دینی مدارس میں عربی قواعد کی تعلیم فارسی زبان کے ذریعہ ہی دی جاتی ہے اور فعل، فاعل اور مفعول کی بحث سمجھانے کے لئے ضرب زیدٌ عمرا ہی کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ نصاب درس پر ایرانی تہذیب وثقافت کے اثرات کا ہی ثمرہ ہے۔ اس میں دورائے نہیں کہ ایران کی سرزمین سے بڑے بڑے جید علماء پیدا ہوئے جن کی علمی ودینی خدمات کا اعتراف عالم اسلام کو ہے۔ صحاح ستہ جو حدیث کی چھ معتبر ومستند کتابیں ہیں ان میں پانچ مولفین کا تعلق بھی ایران سے ہی ہے۔

ہندوستان میں ایرانی علماء کی آمد کے ساتھ ہی تشیع بھی آیا اور یہاں پہنچتے ہی اس نے اپنی جڑیں مضبوط کرلیں۔ سنیت کو ان کی ذات سے کافی نقصان پہنچا۔ ''تاریخ فرشتہ'' کا مصنف محمد قاسم بیجاپوری جو شیعوں کے ایک فرقہ اثنا عشریہ سے تعلق رکھتا تھا کے بقول ''بہت سے اہل سنت کے لوگوں کو تہہ تیغ کیا گیا''۔ میر شریف عاملی بھی عہد اکبری میں ہندوستان آیا سرکاری سطح پر جس کی بڑی پذیرائی ہوئی وہ الحاد پسند تھا اس نے ہی تصوف کو فلسفہ سے مخلوط کیا۔ مہدوی تحریک اور فرقہ روشنیہ نے بھی اسی دور میں اپنے پیر پھیلائے۔ اسلامی تقویم کے ایک ہزار سال کی تکمیل بھی اسی دور میں ہوئی۔ جس کے سبب صلح کل کا نظریہ رکھنے والوں کو اسلام کے خلاف کچھ سوچنے کا موقع مل گیا۔ لیکن جس تحریک نے اس دور کے لوگوں کے ذہن ودماغ کو زیادہ متاثر کیا وہ ''نقطوی تحریک'' تھی۔ اس تحریک کے پیروکار ''نظریہ ارتقا'' کے قائل تھے، قرآن کریم کو نبی اکرم کی تصنیف سمجھتے تھے، مسائل شریعت کو اہل الرای کی طبع زاد شئی بتاتے تھے، ماہ رمضان کو ماہ بھوک، پیاس کا مہینہ تصور کرتے تھے، نماز، حج، اور قربانی کا مذاق اڑاتے تھے، طہارت اور غسل کے مسائل کی تضحیک کرتے تھے، اس فرقہ کا سرغنہ محمود پسیخوانی (وفات ۸۳۲ھ) تھا۔ اس کے افکار ونظریات نے مسلم معاشرہ میں ہلچل مچادی لوگوں کے ذہن ودماغ کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ جنہوں نے دامن اسلام کو مضبوطی سے نہیں تھام رکھا تھا وہ اس تحریک سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے ابوالفضل اور فیضی جو مذہبی اعتبار سے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے میں ماہر تھے معاصر تاریخ نویسوں کے بقول ابوالفضل علامی بھی نقطوی تحریک سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اکبر اپنے پہلے دور میں ایک مخلص مسلمان کی حیثیت سے سامنے آتا ہے، اس دور میں اس نے ایک مخلص مسلمان کی طرح زندگی بسر کی بقول مولانا محمد حسین آزاد :

''احکام شرع کو ادب سے سنتا تھا، اور صدق دل سے بجالاتا تھا جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا، خود اذان کہتا اور علماء فضلا کی تعظیم کرتا، ان کے گھر جاتا، ان کی جوتیاں سیدھی کرتا، مقدمات سلطنت کے فیصلے شریعت کے مطابق کئے جاتے، جابجا قاضی مقرر تھے، فقرا و مشائخ کے ساتھ کمال اعتقاد کے ساتھ پیش آتا اور ان کے برکت انفاس سے فیض حاصل کرتا''۔

(محمد حسین آزاد، دربار اکبری، سنگ میل پبلی کیشنز ص ۳۶ لاہور ۱۹۸۸ء)

اکبر کا یہ دور ۱۵۵۶ء سے ۱۵۷۵ء تک رہتا ہے۔ دوسرے دور میں فتح پور سیکری میں عبادت خانہ کی تعمیر ہوتی ہے جہاں علماء کے درمیان علمی مباحثے ہوتے ہیں اور وہیں سے بات بگڑنی شروع ہو جاتی ہے یہ دوسرا دور ۱۵۷۵ء سے ۱۵۷۸ء تک رہتا ہے۔ اکبر اپنے تیسرے دور میں جس کا آغاز ۱۵۸۲ء سے ۱۶۰۵ء تک رہتا ہے۔ پوری طرح الحاد و بے دینی کے گھیرے میں آجاتا ہے۔ اور پھر وہ سب کچھ سامنے آجاتا ہے جسے پڑھنے کے بعد بدن کے رونگٹے کانپ جاتے ہیں۔ اکبر کی بے دینی کے ان تمام وجوہات میں سے ایک وجہ علماء کی بدعملی بھی تھی جن کی بے سروپا باتوں سے وہ کافی متنفر ہو چکا تھا، آئے دن علمائے حق اور علمائے سو کے درمیان بحث و مباحثے کی محفلیں گرم ہوتی تھیں، خاص طور سے جمعہ کی راتیں شب بیداری میں گذرتی تھیں، اور دینی مسائل کی تحقیق اور اصول و فروع کی بحثیں ہوتی تھیں۔ ان بحثوں میں علماء کی زبانیں ایک دوسرے کے لئے تلواروں کی طرح چلتی تھیں، باتوں باتوں میں دھڑلّے سے ایک دوسرے کے لئے کفر کے فتوے صادر کر دیئے جاتے تھے، علمائے سو کے انھیں باہمی اختلافات کی وجہ سے بادشاہ کی نظر میں اسلام اور علمائے اسلام کی روز افزوں وقعت گھٹتی چلی گئی، اسلامی عقائد، ارکان اور شریعت سے حد درجہ نفرت ہوگئی، اکبر کے دربار میں شریک ہونے والے علماء کے انداز گفتگو اور ان کے ذاتی

کردار نے بادشاہ کو جملہ حاملین اسلام سے متنفر کردیا جس سے ہندوستان میں ایک نئے دین کے آغاز کے لئے اکبر کو ایک پلیٹ فارم مل گیا۔ جس میں ملا مبارک ناگوری اور ان کے دونوں صاحبزادگان کا کلیدی کردار رہا۔ دربار اکبری میں ان کے کافی اثرات تھے ان لوگوں نے علمائے اہل سنت کو دربار سے بھگا دیا تھا بلکہ اکبر کے دل ودماغ کو بھی اللہ کے دین سے بیگانہ کردیا تھا، اس دربار کے امرا اور وزرا اپنی پوری طاقت سے شیعیت کو پھیلانے میں کوشاں تھے، جن دنوں اکبر دین سے دور ہوا تو شیخ مبارک اور ان کے بیٹوں نے اسے مختلف مذاہب کی وہ خوبیاں ذہن نشین کرائیں کہ وہ نہ مسلمان رہا نہ ہندو بن سکا، علمائے دین کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے شیخ مبارک نے ایک محضر نامہ تیار کرایا جسے ابوالفضل اور دوسرے درباری علماء نے پیش کر کے سارے دینی واجتہادی اختیارات بادشاہ کو دے دیئے امیر المومنین اور ظل اللہ بنا کر طاقت کا سرچشمہ بنا دیا۔ (روضۃ القیومیہ قیوم اول ص ۲۳۷)

یہی حال اس کے دونوں بیٹوں کا بھی تھا۔ اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں ہے

> ''ابوالفضل نے اکبر کے مذہبی عقائد میں اچھا خاصا دخل پیدا کیا چنانچہ جب اکبر نے ۹۸۲ھ/ ۱۵۷۵ء میں فتح پور سیکری میں مذہبی علماء کے مباحثے سننے کے لئے عبادت خانہ قائم کیا تو ابوالفضل بھی علماء کے ان باہمی مباحثوں میں شریک ہوتا اور ہمیشہ اکبر کے عقائد کی طرف داری کرتا یہاں تک کہ اس نے سمجھا دیا کہ مذہب کے متعلق اس کے نظریات معاصر علماء سے کہیں افضل وبرتر ہیں۔ اور ۱۵۷۹ء میں دربار سے ایک محضر جاری کیا اس کی رو سے مذہبی علماء کے اختلافات نپٹانے کے لئے آخری حکم اکبر کو بنا دیا گیا، عبادت خانہ کے مناظروں کے درمیان ہی اکبر کو ایک نیا مذہب ایجاد کرنے کا شوق چڑایا اور اس نے ۱۵۸۲ء میں ''دین الٰہی'' کی بنیاد رکھ دی، اسے ابوالفضل نے بھی قبول کیا''۔
>
> (اردو دائرۃ العارف الاسلامیۃ جلد ا ص ۸۸۹ لاہور ۱۹۸۰ء)

یہ سب کچھ اکبر کے آخری دور (۹۹۰ھ۔۱۰۱۴ھ) کے درمیان ہوا۔ جب دین

الٰہی کا اعلان ہو گیا، اصول وضوابط طے ہو گئے، تو ضرورت اس بات کی دامن گیر ہوئی کہ جس طرح ہر مذہب کی کوئی کتاب ہوتی ہے جس میں اس مذہب کی اچھائیوں کا ذکر ہوتا ہے اس طرح ''دین الٰہی'' کے لئے بھی کوئی کتاب ہونی چاہئے اس کام کے لئے اکبر نے شیخ سلطان مجدد الف ثانی کے خسر تھے اور بادشاہ کے بہت قریب تھے ان کا انتخاب کیا خواجہ احسان مجددی لکھتے ہیں کہ

> ''بادشاہ نے شیخ سلطان کو کہا کہ ہمارے لئے قرآن لکھو جس میں دین الٰہی کی شریعت ہو شیخ صاحب قلم دوات پکڑے کبھی بادشاہ کی طرف دیکھتے اور کبھی آسمان کی طرف، بادشاہ نے پوچھا آپ کیا دیکھتے ہیں ہمارا قرآن لکھو شیخ سلطان نے فرمایا: دیکھتا ہوں کہ جبرئیل علیہ السلام جو حامل وحی ہے آسمان سے تمہارے لئے قرآن شریف لاتے ہیں تو میں لکھوں بادشاہ یہ سن کر بہت شرمندہ ہوا''۔ (روضۃ القیومیہ قیوم اول ص ۹۴ لاہور ۲۰۰۲ء)

شیخ سلطان کو اس کے بدلے سخت سزائیں ملیں مگر وہ اس غلط کام سے اپنے کو باز رکھنے میں کامیاب رہے۔ بادشاہ کی اس خواہش کی تکمیل ابوالفضل نے کی۔ ''روضۃ القیومیہ'' میں ہے۔

> ''ابوالفضل نے عربی زبان میں ایک کتاب تصنیف کر کے بادشاہ سے کہا کہ یہ کتاب تیرے لئے آسمان سے نازل ہوئی ہے۔ میں فلاں جنگل میں سیر کو جارہا تھا اتفاقاً ہمراہیوں سے جدا ہو گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ فرشتہ نے آسمان سے اتر کر یہ کتاب مجھے دی اور کہا کہ بادشاہ کو یہ کتاب پہنچا دینا حق تعالیٰ نے یہ اس کے لئے بھیجی ہے۔۔۔ اس کتاب میں اس قسم کے احکام تھے۔
>
> يا ايهاالبشر لاتذبح البقر وان تذبح البقر فماراك فى السقر (او انسان! گائے ذبح نہ کرنا اگر گائے کو ذبح کرے گا تو دوزخ میں ڈالا جائے گا)۔ (روضۃ القیومیہ قیوم اول ص ۹۵)

اس طرح کی خرافاتیں اس کتاب میں ابوالفضل نے لکھی تھیں، جن چیزوں کو قرآن نے حرام لکھا تھا اس کتاب میں سب کو حلال کر دیا گیا تھا۔ اس نئے دین میں اسلام کے علاوہ تمام باطل مذاہب کو اس کے بنیادی اصولوں میں شامل کیا گیا جس میں ہندو مذہب کے افکار ونظریات کا غلبہ رہا، آج جو سیکولرازم کا نعرہ لگا کر مسلمانوں کے حقوق کی پامالی ہو رہی ہے اس کی بنیادیں بھی اکبر کے دور حکومت (۹۶۳ھ۔۱۰۱۴ھ) میں پڑ چکی تھیں، اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر ہندو مسلم اتحاد نہیں بلکہ تمام مذاہب کا نام لے کر ہندو مسلم ادغام کی جدوجہد کی گئی۔ اس انداز فکر سے اسلام کو بہت نقصان پہنچا۔

بادشاہ اکبر کے دل میں اسلام کے علاوہ ہر مذہب کے لئے نرم گوشہ تھا، کلمہ طیبہ تبدیل کر دیا، لا الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ لکھا جانے لگا، سکوں پر کلمہ طیبہ کی جگہ رام اور سیتا کی تصویریں چھپنے لگیں، آگ روشن کی جاتی، گائے کے درشن کے لئے نئے قوانین وضع کئے گئے، گائے کے ذبیحہ پر پابندی لگائی گئی۔ بدکاری کے لئے شیطان پورہ نامی ایک بستی بنائی گئی، سود، جوا اور شراب کو حلال قرار دیا گیا، مسجد میں اذان ونماز پر پابندی عائد کی گئی، مدارس و مساجد کو مسمار کیا گیا، عربی زبان کی تعلیم حاصل کرنا عیب ہو گیا، فقہ، حدیث اور تفسیر پڑھنے والے مطعون کئے جانے لگے، عربی کے خاص حروف جیسے ث، ح، ع، ض، ط، ظ کو لغت سے نکال دیا گیا، عبداللہ کو ابداللہ پڑھنے میں بادشاہ کو بڑا لطف ملتا تھا۔ علمائے کرام کی رائے کو کفش دوزوں، درزیوں، حلوائیوں اور کبوتر بازوں کی رائے قرار دی جاتی، اگر کسی کو گالی دینا ہوتا تو اسے فقیہ کہا جاتا، رمضان میں کھلے عام کھانے پینے کی اجازت دی گئی، اجنہ و ملائک اور معجزات کا صاف انکار کیا گیا، اسرا و معراج کا مذاق اڑایا گیا، مقام نبوت کی توہین کی گئی۔ ملت اسلامیہ کا سرمایہ حادث اور بدعقلی کا مجموعہ ٹھہرایا گیا۔ اسلامی شعائر، پردہ، داڑھی، غسل، تجہیز وتکفین کو خلاف عقل سمجھا گیا۔ آفتاب کی عبادت دن میں چار مرتبہ لازم کی گئی، روزانہ صبح اکبر کا درشن اور اس کا سجدہ ضروری سمجھا گیا، تمام لاشوں کا جلانے کا حکم دیا گیا، مردوں کے لئے سونا اور ریشم کا استعمال حلال کیا گیا، خنزیر، کتوں اور آگ کا احترام ناگزیر سمجھا گیا، دیوالی، دسہرہ، راکھی، شیوراتری، پونم اس نئے دین کے خاص تیوہار تھے۔

ان احکام پر پابندی کے علاوہ بادشاہ سفر وحضر میں گنگا جل پیتا تھا، یہ پانی ہندوؤں کے مشہور تیرتھ استھان ہردوار سے مہیا کرایا جاتا، بادشاہ سے ملاقات کے وقت ایک آدمی اللہ اکبر کہتا تو دوسرا جل جلالہ کہتا۔ ارکان اسلام کی توہین اور استہزا میں ابوالفضل نے رسالے بھی لکھے شاہی دربار میں جن کی بڑی مقبولیت ہوئی۔

(تاریخ دعوت وعزیمت جلد چہارم ص۔۱۱۴۔۱۳۱ لکھنؤ ۱۹۸۸ء

ومنتخب التواریخ، ملا عبد القادر بدایونی جلد اول ص ۲۰۲ قومی کونسل نئی دہلی ۲۰۱۲ء)

مختصر یہ کہ اس دور میں مسلمانوں کو ہر طرح اذیت پہنچائی گئی، جہاں کہیں مسلمانوں کو دیکھتے ان پر ظلم وستم کیا جاتا، تھوڑی تھوڑی بات پر بے شمار مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ بادشاہ کی الحاد وبیدینی عروج پر پہنچ چکی تھی اس نے دعوائے نبوت تو کیا ہی تھا، خدائی کا بھی خواب دیکھنے لگا اور نہ صرف خواب دیکھا بلکہ خدائی کا اعلان بھی کر دیا۔ دربار اکبری کے ایک درباری شاعر کے بقول:

شاہ ما امسال دعوائے نبوت می کند سال دیگر گر خدا خواہد خدا خواہد شدن

''روضۃ القیومیہ'' کے مطابق اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا اس بے دین بادشاہ کی مہر کی عبارت یہ بنوائی گئی ''جل جلالہ است اکبر'' دوسری مہر کی عبارت یہ ہے۔ ''ما اکبر شانہ تعالیٰ'' دعوائے خدائی کے بعد اس نے اپنے آپ کو سجدہ کروانا شروع کیا، شاہی ملازم لوگوں کو زبردستی پکڑ کر لاتے اور سجدہ کرواتے اگر کوئی سجدہ کرنے سے انکار کرتا تو اسے سخت سزا دی جاتی اسلام اور اہل اسلام دونوں کے لئے بڑا نازک وقت تھا، علمائے سو کے کردار وعمل کے سبب دین اسلام ضعف واضمحلال کا شکار ہو چکا تھا، دنیادار جاہل صوفیوں نے ولایت کو نبوت سے اعلیٰ قرار دے دیا تھا، وحدۃ الوجود اور ہمہ اوست کے نظریہ کو ادیان وملل کے اتحاد کا ذریعہ بنالیا گیا تھا۔ ایسے صوفیاء کی سرپرستی علمائے سو کر رہے تھے، ملا عبد اللہ سلطان پوری نے سونے چاندی کے انبار رکھنے کے باوجود زکوٰۃ کی ادائیگی کے تعلق سے شرعی حیلے بہانے تلاش کر رکھے تھے،۔ مولانا زکریا اجودھنی نے بادشاہ وقت کو سجدہ کرنے کا فتویٰ دے دیا تھا بعض علماء نے اکبر کو یہاں تک باور کرادیا تھا کہ ایک ہزار سال کے بعد دین اسلام میں نہ

قوت رہتی ہے اور نہ ہی وہ قابل عمل رہتا ہے اور دین اسلام کے ایک ہزار سال مکمل ہو چکے ہیں، ایسے خیالات کو ان شیعہ علماء اور مجتہدین نے عام کرنے میں اہم کردار ادا کیا جو اکبر کی دعوت پر ایران سے ہندوستان آئے تھے یہی وہ حالات تھے جنہوں نے حضرت مجدد کو اسلام کے احیا اور تجدد پر آمادہ کیا اور اس کار نبوت کو بحسن وخوبی انجام دینے کے لئے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی بہت موزوں تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے آپ کے تعلق سے حدیث میں اشارے بھی فرمائے ہیں ''جامع الدرر'' میں ہے۔

" قال رسول الله ﷺ بعث الله رجلا علیٰ راس احد عشر مائة سنة هو نور عظیم اسمه اسمی بین السلاطین الجابرین وید خل الجنة بشفاعته"

(رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ گیارہویں صدی کے شروع میں میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا وہ شخص نور عظیم ہوگا اس کا نام میرے نام پر ہوگا، دوظالم بادشاہوں کے درمیان زندگی بسر کرے گا اور اس کی شفاعت سے قیامت کے دن ہزار ہا اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی حضرت مجدد الف ثانی کے تعلق سے ''جمع الجوامع'' میں ایک حدیث نقل کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

" قال النبی ﷺ یکون رجلاً فی امتی یقال له صلة تدخل الجنة بشفاعته كذا وكذا "

(نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میری امت میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جسے مخلوق صلہ کہے گی یعنی دو متفرق چیزوں کو ملانے والا ہوگا اس کی شفاعت سے میری امت میں اس قدر آدمی داخل ہوں گے)۔

(روضۃ القیومیہ قیوم اول ص ۹۶)

فرعون وقت بادشاہ اکبر کے لئے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ثابت ہوئے۔ اور اس کے سارے غرور وتمکنت کو چکنا چور کر

کے رکھ دیا۔ اکبر کی تباہی و بربادی کے آثار اسی وقت نمایاں ہو گئے تھے جب شیخ احمد سرہندی کی ولادت ہوئی تھی اسی وقت ہی بادشاہ ہند کا تخت الٹ گیا تھا پھر لوگوں نے درست کیا پھر سرنگوں ہو گیا کئی دفعہ ایسا ہوا اسی اثنا میں بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ شمال کی طرف جدھر سرہند ہے ایک زبردست تند ہوا آئی اس ہوا نے تخت کو مع بادشاہ اٹھا کر زمین پر دے مارا اس خواب سے سات روز تک بادشاہ کی زبان بند رہی اس سات دن کے اندر ارکان سلطنت کافی پریشان ہوئے۔ ڈاکٹروں اور اطبا سے رابطہ قائم کیا گیا مگر مرض کی تشخیص نہ ہو سکی جب سات دن کے بعد بادشاہ نے خود ارکان سلطنت سے اپنے اس خواب کا ذکر کیا عقلمندوں نے بھانپ لیا نجومیوں نے بتا دیا کہ بادشاہ پر کوئی ایسی مصیبت نازل ہونے والی ہے جو بادشاہ کی تباہی کا سبب بنے گی اور وہ مصیبت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ہیں جن کی ولادت ہو چکی ہے۔ (روضۃ القیومیہ قیوم اول ص ۱۲۱)

اس طرح شیخ احمد سرہندی نے بادشاہ کے سارے خواب ملیا میٹ کر ڈالے، بادشاہ اپنے درج ذیل جن تین بنیادی مقاصد

۱۔ قومی حکومت کا قیام

۲۔ ہندوؤں سے مفاہمت

۳۔ اور متحدہ ہندوستان لے کر آگے بڑھا تھا۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے اپنے درج ذیل تین اسلامی مقاصد

۱۔ اسلامی حکومت کا قیام

۲۔ ہندوؤں سے عدم مفاہمت

۳۔ اور اسلامی ہند کی تعمیر کے پیش نظر اس کے افکار و نظریات کی شدت سے مخالفت کی اور خلفا و مریدین کو دین الٰہی کے قلع قمع کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ پروفیسر مسعود احمد لکھتے ہیں۔

> ''حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اکبر بادشاہ کے اس ایک قومی نظریہ (ہندو و مسلم اتحاد) کی سختی سے مخالفت فرمائی اور اپنے مکتوبات شریف کے

ذریعہ اس تحریک کی ہلاکت خیزی سے اعیان مملکت کو آگاہ فرمایا اور اصلاح کے لئے ان کی ترغیب وتشویق کی چنانچہ آپ کی مساعی جمیلہ سے دور اکبری کا ایک عظیم فتنہ خاک میں ملا دیا گیا، اسی لئے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

(مسعود احمد، فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۲۸ لاہور ۱۹۸۸ء)

علمائے سو نے اسلام کے تعلق سے جو عوام میں جو غلط فہمیاں پھیلا رکھی تھیں اس کا آپ نے ازالہ کیا اور فرمایا کہ اسلام میں تصوف اور شریعت جداگانہ چیزیں نہیں بلکہ دونوں ایک ہی ہیں، شریعت اصل ہے طریقت شریعت کے احکام کی اتباع کا ایک ذریعہ ہے، حقیقت اور طریقت شریعت محمدیہ ﷺ کی پہچان کے راستے ہیں۔

توحید و رسالت دونوں مسلمان کے ایمان کی بنیادیں ہیں، جاہل صوفیاء کی تعبیروں اور دنیادار علماء کی تاویلوں نے وحدۃ الوجود اور ہمہ اوست کے فلسفہ میں ولایت اور نبوت کو یکجا کر کے ولایت کے مقام کو نبوت سے بلند دکھلانے کی کوشش کی، مجدد الف ثانی نے وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کر کے یہ بتا دیا کہ کوئی ولی خواہ کتنا ہی بلند رتبہ رکھتا ہو کسی نبی کا ہم پلہ نہیں ہوسکتا۔

آپ نے ایک ہزار سال کے بعد اسلام کے زوال کی شرارت آمیز افواہ کے جواب میں فرمایا اسلام اور کفر کبھی ایک نہیں ہو سکتے، دربار اکبری کے دین الٰہی کے مقابلے میں محمد عربی ﷺ کے دین اسلام کو سامنے رکھا، آپ نے دربار کے اہل ایمان امراء کو جمع کر کے حقیقت اسلام سے باخبر کیا، اکبر کی کفریات کو جہانگیری دور میں ختم کیا، سجدہ کی روایات کو منسوخ کرایا، اور اس دین کے قلع وقمع کے لئے ارکان سلطنت جو دین اسلام سے محبت رکھتے تھے اپنے مکتوبات کے ذریعہ انہیں بیدار کیا اور ان کے اندر ہندو نواز روش کے خلاف اسلام کی برتری کا جذبہ پیدا کیا۔ اور جاہل صوفیاء مشائخ کی روحانی تربیت کے لئے ہم عصر دیندار علماء کی ایک ٹیم تیار کی اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکبر وجہانگیر کے بدعات وخرافات کے محلات کی دیواریں متزلزل ہوگئیں اور پہلے جیسا اسلامی اور مذہبی ماحول پھر عود

کر آیا، جاہل صوفیاء اور بے عمل علماء معاشرے کو تباہ کرنے سے پہلے ہی تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ (حاشیہ روضۃ القیومیہ قیوم اول ص ۲۶۳)

شیخ مجدد الف ثانی مکمل طور پر سنت نبوی کے عملی پیکر تھے، انھیں اتباع سنت کا حد درجہ پاس تھا، خورد و نوش، قیام وقعود، نشست و برخاست، ہر چیز میں سنت نبوی پیش نظر رہتی۔ لباس انتہائی سادہ ہوتا، ایک کرتا جس کے اوپر چاک ہوتا اور اس کے اوپر عبا، دستار سر پر لپیٹ لیتے، جیسا کہ سنت ہے اور شملہ دونوں کاندھوں کے درمیان پیٹھ پر پڑا رہتا۔ جب نیا لباس تبدیل کرتے تو پرانا لباس کسی خادم عزیز یا مہمان کو دے دیتے۔ سنت کے آداب اور اس کی باریک باتوں میں کسی چھوٹی سی چھوٹی چیز کو بھی ترک نہ کرتے۔ ایک بار کسی خادم سے فرمایا فلاں جگہ لنگیاں رکھی ہوئی ہیں جا کر کچھ لے آؤ وہ گیا اور چھ عدد لے آیا، آپ نے تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''ہمارے صوفی کو ابھی تک یہ خبر نہیں کہ جفت کے مقابلے میں طاق کو بہتر قرار دیا گیا ہے اس کی رعایت مسنون ہے الله وتر ويحب الوتر میں تو منھ دھوتے وقت بھی اس بات کا خیال رکھتا ہوں کہ پہلے داہنے رخسار پر پانی پڑے کیوں کہ تیامن داہنی جانب کو مقدم رکھنا بھی مسنون ہے''۔ (مکتوبات ج اص ۴۵۶ مکتوب ۳۱۳)

حضرت شیخ احمد سرہندی منصب تجدید احیائے دین پر فائز تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے ہزارہ کا مجدد بنا کر آپ کو دنیا میں مبعوث فرمایا۔ ملا عبدالحکیم سیال کوٹی نے سب سے پہلے آپ کو ''مجدد الف ثانی'' لکھا اور بعد میں سب اہل علم اور صوفیہ نے اسے قبول کیا۔ مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفۂ اعظم سید غلام علی شاہ دہلوی مجددی فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے آغاز میں ایک ایسا شخص مبعوث کرے گا جو دین کی تجدید کرے گا پس ہر سو سال بعد ہجری سنہ کے آغاز میں ایک مجدد پیدا ہوتا ہے چنانچہ جنید بغدادی، اور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی جیسے اہم مشائخ اور اولیائے کبار مجدد تھے، مجدد اور محی الدین دونوں کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔ پس گیارہویں صدی ہجری میں اللہ تعالیٰ

نے شیخ احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پیدا فرمایا اور آپ کو اس اعلیٰ رتبہ سے سرفراز فرمایا، چنانچہ مجدد الف ثانی، قلم ربانی، محبوب سبحانی اور امام ربانی شیخ احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے لقب ہیں''۔ (خزینۃ الاصفیاء (اردو) جلد۳ص۱۶۶لاہور۱۹۹۴ء)

مجدد الف ثانی کو اللہ رب العزت نے منصب ''قیومیت'' سے بھی سرفراز فرمایا تھا آپ فرماتے ہیں کہ

> ''ایک دن میں بعداز نماز ظہر مراقب بیٹھا تھا اور حافظ قرآن پڑھتا تھا، کہ ناگاہ میں نے اپنے اوپر ایک خلعت عالی نورانی پائی ایسا معلوم ہوا کہ یہ خلعت قیومیت ہے جو کہ خاتم الرسل کی وراثت اور متابع کے ذریعہ عطا کی گئی ہے، اتنے میں حضرت سید المرسلین خود تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے میرے سر پر دستار مبارک باندھی اور منصب قیومیت کی مبارک باددی''۔
>
> (تاریخ مشائخ نقشبندیہ، محمد عبدالرسول للٰہی ص۲۰۷لاہور۲۰۰۳ء)

قیوم اس دنیا میں حق تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہوتا ہے اقطاب وابدال اوتاد اس کے دائرے ظلال میں ہوتے ہیں وہ اہل دنیا کی توجہ کا مرکز ہوتا ہے خواہ انہیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو اہل دنیا کا قیام اس کی ذات سے ہوتا ہے۔طویل عرصہ کے بعد کسی عارف کو ذات الٰہی سے یہ منصب ملتا ہے''۔(مکتوب۷۹دفتر سوم)

شیخ احمد سرہندی کو اللہ تعالیٰ نے دنیا سے ان تمام برائیوں کے خاتمہ کے لئے پیدا کیا تھا جس سے اصل دین کی تصویر اکبر کے دین الٰہی کے ذریعہ مسخ ہو رہی تھی آپ نے دین اسلام کو برہمنیت اور وحدت ادیان کے بھنور سے نکال کر دوبارہ محمد عربی ﷺ کی تولیت میں دیا۔طریقت پر شریعت کی فوقیت و بالا دستی کو برقرار رکھا، وحدۃ الوجود کی آپ نے نئی توجیہ وتعبیر پیش کی اور وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کیا جو اس دور کے علماء وصوفیا دونوں کے لئے قابل قبول ہوا، اور اس دور میں اشراقیت، رواقیت، اور ویدانت ازم کی آمیزش سے جو عجب قسم کا فلسفیانہ تصوف پیدا ہو گیا تھا، کتاب وسنت اور سلف صالحین کے کردار

وعمل کی روشنی میں اس کی بیخ کنی کی اور سالک ومرید کے لئے لازم قرار دیا کہ ان کا کرادرو گفتار منہاج شریعت سے ہرگز جدا نہ ہو۔ اس عمل کو انجام دینے کے لئے آپ کو ہزار دقتوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا قلعہ گوالیار میں قید وبند کی صعوبتیں بھی جھیلنی پڑیں، لیکن وہ جبل مستقیم کی طرح اپنے مقاصد کی تکمیل میں اڑے رہے اور جہاں بھی رہے ان کی ذات گرامی سے ایمان ویقین کا اجالا پھیلتا رہا۔ آپ کی مسلسل کوششوں سے ۶۳ رسال کی عمر میں ۱۵/ اکتوبر ۱۴۰۵ء کو اکبر کے فوت ہوتے ہی دین الٰہی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ چوں کہ اس نئے دین کا اس نے اپنا کوئی جانشین نہیں بنایا تھا اس لئے اس کے فوت ہوتے ہی یہ مذہب بھی ختم ہو گیا البتہ اس دین کی بہت سی بدعات اور رسومات ایک عرصہ تک باقی رہیں جو جہانگیر کے آخری دور میں ختم ہوئیں۔

جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا جا چکا ہے کہ سجدۂ تعظیمی کو سلطان کے لئے لازم قرار دے دیا گیا تھا دور جہانگیری میں آپ کو اس فعل شنیع کے لئے مجبور کیا گیا مگر آپ ایسا کیوں کرتے آپ نے خدا کے علاوہ کسی کے سامنے سر جھکانے سے صاف انکار کر دیا اس کے پاداش میں جہانگیر کے حکم سے آپ کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا مگر بندۂ مومن جہاں بھی رہتا ہے نور ایمان سے اپنے گرد وپیش کو منور کئے رہتا ہے۔ کہنے کو تو آپ جیل میں تھے مگر آپ کی دینی ودعوتی سرگرمیاں میدان عمل کی طرح بدستور وہاں جاری رہیں، صرف گنہ گار آپ کے ہاتھوں گناہوں سے توبہ کرتے بلکہ غیر مسلم بھی اپنے مذہب سے تائب ہو کر نور اسلام سے اپنا سینہ منور کرتے۔ جب سلطان جہانگیر کو قید وبند کی روداد معلوم ہوئی تو اسے اپنے کئے پر بڑی ندامت ہوئی اور اس نے آپ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا جب اس کی خبر حضرت مجدد کو ہوئی تو آپ نے سلطان سے ملاقات کی یہ چند شرطیں تجویز کیں۔

۱۔ سجدۂ تعظیمی موقوف کیا جائے

۲۔ جو مساجد منہدم کی گئی ہیں دوبارہ ان کی تعمیر کرائی جائے

۳۔ گائے کے ذبیحہ کے امتناعی احکام منسوخ کئے جائیں

۴۔احکام شرع نافذ کرنے کے لئے قاضی،مفتی،اور محتسب مقرر کئے جائیں

۵۔جزیہ پھر سے جاری کیا جائے

۶۔بدعات کو روکا جائے اور احکام شرع نافذ کیا جائے

۷۔اس تنازعہ میں محبوس تمام لوگ رہا کئے جائیں

بادشاہ نے تمام شرطیں منظور کیں اور ملاقات کر کے آپ کو خلعت شاہی سے سرفراز کیا اور رہائی کا حکم دے کر حسب منشا زندگی گزارنے کا حکم دیا۔

(تاریخ مشائخ نقشبندیہ،عبدالرسول للّٰہی ص ۳۶۵ لاہور ۲۰۰۳ء)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات فرزند عطا فرمائے (۱) شیخ محمد فرخ (۲) شیخ محمد عیسیٰ (۳) شیخ محمد اشرف یہ تینوں حضرات ایام طفولیت ہی میں داغ مفارقت دے گئے۔(۴) خواجہ محمد صادق وصال بعمر ۲۵ رسال (۵) خواجہ محمد سعید (۶) ان میں پانچ صاحبزادگان حضرت مجدد کی حیات ہی میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ البتہ خواجہ محمد معصوم (وفات ۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء) اور خواجہ محمد سعید (وفات ۱۰۷۰ھ/۱۶۶۰ء) ان دو فرزندان گرامی نے شیخ احمد سرہندی کے مشن کو آگے بڑھایا اور بڑا نام پیدا کیا۔آپ کے خلفا و مریدین کے ذریعہ اس سلسلے کو ہند و بیرون ہند میں بڑا فروغ واستحکام حاصل ہوا۔شہنشاہ اورنگ زیب حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی کے مرید تھے جن کی تربیت آپ کے فرزند گرامی خواجہ سیف الدین (وصال ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۴ء) نے فرمائی۔ یہ انھیں مشائخ کی تربیت کا اثر ہے کہ آج بھی اورنگ زیب عالم گیر کا نام ''رحمۃ اللہ علیہ'' کے ساتھ بڑے ہی ادب واحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔انھوں نے اپنے دور حکومت میں نظام مصطفیٰ نافذ کیا اور دو لاکھ کے خرچ سے فتاوی عالمگیری مرتب کرائی جسے آج بھی فقہ حنفی کا عظیم انسائیکلو پیڈیا تسلیم کیا جاتا ہے۔سچ تو یہ ہے کہ قریباً وہ تمام اقدامات جو اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی سے متعلق تھے۔حضرت مجدد نے اپنے مکتوب میں ان تمام اقدامات کی پُر زور تبلیغ وتلقین فرمائی تھی۔ یہاں اس موقع سے شیخ محمد اکرام کا یہ جائزہ لکھنا غیر مناسب نہ ہوگا جو انھوں نے مغل سیاست وحکومت کے حوالہ سے قلم بند کیا ہے،وہ لکھتے ہیں

''بلاشبہ یہ کہنا زیادہ غلط نہ ہوگا کہ دور اکبری سے لے کر دور عالم گیری تک

حکومت کی مذہبی پالیسیوں میں جونشیب وفراز آتے رہے وہ بڑی حد تک حضرت مجدد اور آپ کی تعلیمات ہی کی وجہ سے آئے''۔
(ایس ایم اکرام، مسلم سویلیزیشن ان انڈیا پاکستان مطبوعہ لاہور ۱۹۶۱ء ص ۲۷۰)

حضرت شیخ مجدد الف ثانی نے اس بے دینی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے ہر طرح سے جد وجہد فرمائی، زبان وقلم سے دونوں سے اس کی بیخ کنی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ خلفا ومریدین کی فوج تیار کی جن کے ذریعہ ملک وبیرون ملک اس کے زہریلے اثرات سے لوگوں کو متنبہ کیا، کتابیں لکھ کر اہل علم کو اس کی در پردہ خرابیوں سے آگاہ کیا اس تعلق سے جو کتابیں منظر عام پر آئیں ان میں :

۱۔ مکتوبات امام ربانی کی تین جلدیں
۲۔ اثبات النبوۃ
۳۔ مبداء ومعاد
۴۔ مکاشفات غیبیہ
۵۔ معارف لدنیہ
۶۔ رد الرفضہ
۷۔ شرح رباعیات خواجہ بیرنگ
۸۔ رسالہ تعین ولاتعین
۹۔ رسالہ مقصود الصالحین
۱۰۔ رسالہ در مسئلہ وحدۃ الوجود
۱۱۔ آداب المریدین
۱۲۔ رسالہ جذب وسلوک
۱۳۔ رسالہ علم حدیث وغیرہ

ابو الفضل اور فیضی جو علم وفن میں یکتائے روزگار تھے ان دونوں نے قرآن کریم

کی تفسیر بے نقط لکھنے کے بارے میں سوچا مدد کے لئے مولانا جمال لاہوری تلوی کو بھی بلایا تفسیر ''سواطع الالہام'' لکھنے کا آغاز ہوا مگر چوں کی یہ کام بہت مشکل تھا اس لئے ان دونوں کو کافی مشکلات سے گذرنا پڑا کئی بار ایسا ہوا کہ جب ہزار کوششوں کے باوجود آیات قرآنی کی بے نقط تفسیر کے مفہوم کی صحیح ادائیگی نہ ہوتی تو مسئلہ کے حل کے شیخ مجدد کے پاس ان دونوں کی حاضری ہوتی اور آپ ان کی مدد فرماتے کبھی آپ نے بے نقط عبارت نہیں لکھی تھی مگر جب آپ نے لکھنا شروع کیا تو قلم توڑ ڈالے۔صاحب ''روضۃ القیومیہ'' لکھتے ہیں۔

''پھر تو ہر روز اس تفسیر بے نقط کے دفتر کے دفتر لکھے جانے لگے اس تفسیر کا اکثر حصہ یا تو حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف ہے، یا آپ کی مدد سے تصنیف ہوا ہے''۔(روضۃ القیومیہ قیوم اول ص ۱۲۸)

اس طرح مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے زبان وقلم کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ فرمائی اور اسے اکبر کی بے دینی سے محفوظ رکھا۔یہ ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جسے تاریخ انسانیت کبھی فراموش نہیں کرسکتی، آج جو ہمارے سامنے دین کی سچی تصویر ہے وہ آپ کی مجاہدانہ اور مجددانہ سرگرمیوں کا ہی ثمرہ ہے۔ایسے عالم ربانی کی خدمات جلیلہ کو جس قدر ممکن ہو عوام وخواص کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔اس تعلق سے ہندو پاک سے چھوٹی بڑی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔پروفیسر مسعود احمد مظہری کا شیخ مجدد پر کام انتہائی اہم ضرور ہے لیکن سچ تو یہ ہے جس قدر عظیم الشان ان کے کارنامے ہیں اس پیمانے پر ابھی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
علیہ الرحمة والرضوان

حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے لے کر حضرت شاہ ولی محدث دہلوی تک ایک ایسا زریں سلسلہ ہے جو روحانیت اور طریقت کے تاجدار ہونے کے ساتھ ساتھ دنیائے شریعت کے آفتاب و ماہتاب بھی تھے۔ ان حضرات کو دنیا کی نظروں سے اوجھل ہوئے اگرچہ صدیاں گذر گئیں لیکن ایسا لگتا ہے جیسے ابھی کل کی بات ہو۔ عرب ممالک میں اگرچہ تصوف کی بنیاد پڑی لیکن برصغیر میں جس طرح پھلنے اور پھولنے کے مواقع ملے اس سے ہر کوئی واقف ہے۔ حضرت شیخ علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور پھر عہد حاضر تک صوفیاء اور مشائخ نے جس طرح اس کی آبیاری فرمائی اس کے اثرات ہندوستان بھر میں محسوس کئے جا سکتے ہیں۔

شریعت طریقت کا پہلا زینہ ہے جب تک کوئی عالم، باعمل نہیں ہوگا طریقت کے اعلیٰ مدارج تک اس کی رسائی ممکن نہ ہو سکے گی اور نہ ہی صحیح معنوں میں وہ سنت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کا پاسدار ہو سکے گا۔ آج کے شکم پرست نام نہاد صوفیاء پر اسلاف کو قیاس نہیں کرنا چاہئے موجودہ دور میں تصوف کا صرف نام رہ گیا ہے حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہندوستان کے ان علمائے ربانیین میں سے ایک ہیں جن کے کارناموں نے ہندوستان کی سرزمین پر ملت اسلامیہ کو سر اٹھا کر جینے کا شعور بخشا اور شریعت و طریقت دونوں علوم کی ایسی آبیاری فرمائی جس کا فیضان رہتی دنیا تک ان شاء اللہ جاری و ساری رہے گا۔ حضرت شاہ ولی اللہ ان نابغہ روزگار ہستیوں میں سے ہیں جنہیں ہر مکتب فکر کے علماء نے اپنا رہبر اور پیشوا تسلیم کیا ہے۔ ایک شخص جداگانہ مکتب فکر رکھنے

والوں کا کیوں کر پیشوا بن سکتا ہے یہ بات بہر حال محل نظر ہے۔ آئندہ سطور میں اس راز سر بستہ کی طرف بھی اشارہ کیا جائے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد ماجد حضرت شاہ عبد الرحیم (وفات ۱۷۱۹ء) اور چچا حضرت شاہ ابو الرضا محمد دادا حضرت شیخ وجیہ الدین شہید اور خانوادہ کے دیگر افراد دنیائے شریعت وطریقت کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ حضرت شاہ عبد الرحیم کو حدیث وفقہ اور علوم قرآنیہ پر درک تو تھا ہی تصوف کی مشکل سے مشکل ترین کتابیں سالکان طریقت کو بڑی آسانی سے گھول کر پلا دیا کرتے تھے، حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی ''فتوحات مکیہ'' اور ''فصوص الحکم'' کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو ان کتابوں کو بر سر منبر بیان کر کے اس کے تمام مسائل کے اثبات کے لئے آیات واحادیث سے دلائل پیش کر دوں اور اس انداز سے بیان کروں کہ کسی کا کوئی شک باقی نہ رہے۔

(انفاس العارفین ص ۱۸۱، ۱۸۲)

حضرت شاہ عبد الرحیم کے مکتوبات وملفوظات کا مجموعہ بنام انفاس رحیمیہ اور سلسلہ نقشبندیہ کے معمولات ووظائف واوراد واشکال وغیرہ پر مشتمل" ارشاد رحیمیہ در طریق نقشبندیہ "دینی وعلمی یادگار ہیں۔ مگر افسوس یہ گراں قدر نگارشات غالبًا ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ''الدر الثمین'' میں حدیث نمبر ۲۲ کے تحت اپنے والد ماجد حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم کے معمولات کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔

> ''میں ایام مولود شریف میں آنحضرت ﷺ کے میلاد کا کھانا پکوایا کرتا تھا۔ ایک سال کچھ پاس نہ تھا بھنے ہوئے چنے تھے۔ میں نے ان کو غربا ومساکین میں تقسیم کیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے بھنے ہوئے چنے رکھے ہوئے ہیں آپ شاد وبشاش ہیں''۔
>
> (الدر الثمین ص ۶۱)

چچا حضرت شیخ ابو الرضا محمد فنا فی اللہ کے درجہ پر فائز تھے ''انفاس العارفین'' میں حضرت شاہ ولی اللہ نے ان کے تعلق سے ایک واقعہ درج کیا ہے۔ وہ اپنے چچا کے حوالہ سے

لکھتے ہیں۔

''ایک مرتبہ میں اپنے اسماء وصفات کی طرف متوجہ ہوا تو ننانوے ناموں سے بھی زیادہ پائے کچھ اور توجہ کی تو چار ہزار سے زیادہ پائے پھر اور تجسس کیا تو اپنے اسماء وصفات کی کوئی حد وشمار نہ پائی جب اس مقام پر پہنچا تو اس حالت میں اپنی ذات کو دیکھا کہ میں کائنات کو بھی پیدا کر رہا ہوں اور مار بھی رہا ہوں۔ ارباب ولایت کبریٰ پر ایسی حالتیں اکثر گذرتی رہتی ہیں

(انفاس العارفین ص ۲۱۷)

حضرت شاہ ولی اللہ جس پائے کے بزرگ تھے اس کا اندازہ ان کی ملفوظات، مشاہدات اور تصنیفات سے لگایا جا سکتا ہے، شاہ صاحب کی ولادت حضرت شاہ عبدالرحیم کے گھر عمر کے اس مرحلے میں ہوئی جس میں توالد وتناسل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، مگر ایک شیخ ربانی کی نظر کرم آپ کے والد ماجد پر ہوئی اور حضرت شاہ صاحب عالم وجود میں تشریف لائے اس اجمال کی تفصیل آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم خود اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

''میں ایک دفعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار اقدس کی زیارت کرنے کے لئے گیا آپ کی روح مبارکہ مجھ پر ظاہر ہوئی اور مجھ سے فرمایا کہ شیخ عبدالرحیم عنقریب تمہارے گھر ایک فرزند رشید پیدا ہوگا تم اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا اس وقت میری زوجہ عمر کے اس حصہ میں پہنچ چکی تھی جس میں اولاد کا پیدا ہونا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید اس سے مراد بیٹے کا فرزند یعنی پوتا ہے میرے اس وہم پر آپ فوراً مطلع ہو گئے اور فرمایا۔ میرا یہ مقصد نہیں بلکہ یہ فرزند (جس کی بشارت دی گئی ہے) خود تمہاری صلب سے ہوگا۔ کچھ عرصہ بعد دوسرے عقد کا خیال پیدا ہوا اور اسی سے کاتب الحروف فقیر ولی اللہ پیدا ہوا۔ میری پیدائش کے وقت والد ماجد کے ذہن سے یہ واقعہ اتر گیا اس لئے انھوں نے ''ولی اللہ''

نام رکھ دیا کچھ عرصہ بعد جب انھیں یہ واقعہ یاد آیا تو انھوں نے میرا دوسرا
نام "قطب الدین احمد" رکھا۔

(انفاس العارفین ص ۱۱۰ مطبوعہ مکتبۃ الفلاح دیوبند)

اس واقعہ سے کئی باتیں معلوم ہوئیں، پہلی بات تو یہی کہ مزارات اولیاء کے لئے سفر کرنا جائز ہے خود حضرت شاہ عبد الرحیم چل کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی بارگاہ میں پہنچے۔ دوسری بات یہ کہ اولیاء اللہ کو بعد وصال بھی خدا کی عطا سے علم غیب حاصل ہوتا ہے، خواجہ صاحب نے کئی سال قبل ہی فرزند کی بشارت دی اور اسی پر بس نہیں بلکہ اس میں شاہ عبد الرحیم کو جب کچھ تردد ہوا تو خطرات قلب پر آگاہی حاصل کرتے ہوئے اسے بھی دور کر دیا۔

حضرت سید نا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کی نسل سے دو بزرگ بہاء الدین اور شمس الدین سرزمین ایران سے ترک وطن کر کے ہندوستان آئے ہندوستان آنے کے بعد بہاء الدین فاروقی قبۃ الاسلام بدایوں کے منصب افتا پر فائز ہوئے انھیں کی نسل میں قاضی عماد الدین بدایونی آتے ہیں جن کی اولاد میں علامہ فضل امام فاروقی خیر آبادی (وفات ۱۸۲۸ء) اور علامہ فضل حق خیر آبادی (وفات ۱۸۶۱ء) آتے ہیں، معقولات کی دنیا میں جو اپنے زمانے میں یگانۂ روزگار رہوئے۔

دوسرے بھائی شمس الدین نے دہلی سے قریب تیس میل کی دوری پر شہر رہتک کو وطن کے طور پر منتخب کیا یہ شہر پہلے صوبہ پنجاب کا حصہ تھا اب صوبہ ہریانہ کا اہم شہر ہے۔ اپنے علمی کمالات کی بنا د پر آپ اس شہر کے مفتی مقرر رہوئے۔ اس خانوادہ کے مشاہیر میں حضرت شیخ وجیہ الدین شہید اور حضرت شیخ عبد الرحیم محدث دہلوی (وفات ۱۷۱۹ء) آتے ہیں۔

حضرت شیخ وجیہ الدین انتہائی بہادر، متقی پرہیزگار تھے یہی شاہ عبد الرحیم کے والد اور شاہ ولی اللہ کے دادا تھے۔ شیخ وجیہ الدین کا دین داری کا عالم یہ تھا کہ بقول شیخ عبد الرحیم روزانہ قرآن مجید کے دو پارے تلاوت کرتے تھے اور سفر وحضر اور غمی وخوشی میں بھی اس معمول کو ترک نہیں کرتے تھے۔ بڑھاپے میں بینائی کم ہو جانے کی وجہ سے جلی خط میں

لکھا ہوا قرآن حکیم اپنے ساتھ رکھتے تھے جسے وہ سفر میں بھی اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے۔ یہ تفصیل شاہ ولی اللہ نے اپنی تصنیف الامداد فی مآثر الاجداد میں دی ہے جو ''انفاس العارفین'' میں شامل ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم کے والد ماجد شیخ وجیہ الدین ملازمت کے سلسلہ میں آگرہ میں قیام پذیر تھے اس لئے شاہ عبدالرحیم کا بچپن اپنے والد کے پاس آگرہ ہی میں گذرا اور انھیں کے زیر سایہ ابتدائی تعلیم بھی ہوئی اور اپنے برادر بزرگ شاہ ابوالرضا محمد اور مرزا زاہد ہروی اور خواجہ خورد فرزند خواجہ باقی باللہ سے منتہی کتابوں کا درس لیا۔ شاہ صاحب کئی خوبیوں سے آراستہ تھے۔ علم وفضل، تقویٰ وتدین اور بصیرت واستقامت سے مزین اور حب جاہ ومال سے بے نیاز تھے۔ اشاعت علم دین کے لئے دہلی مہندیان میں عہد عالم گیری میں آپ نے ایک مدرسہ قائم کیا جو مدرسہ شاہ عبدالرحیم پھر ''مدرسہ رحیمیہ'' سے مشہور ہوا۔

حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی کو حضرت سید عبداللہ اکبر آبادی خلیفہ حضرت سید آدم بنوری خلیفہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی سے بیعت وارادت اور اجازت وخلافت حاصل تھی۔ حضرت سید ابوالقاسم اکبر آبادی قادری اور حضرت سید عظمت اللہ اکبر آبادی چشتی کے ذریعہ دوسرے مشہور سلاسل کا فیضان بھی آپ کو حاصل تھا۔ ۱۱۳۱ھ میں وصال ہوا،

حضرت قطب الدین احمد ولی اللہ محدث دہلوی کی ولادت قصبہ پھلت (مظفر نگر) میں حضرت شاہ عبدالرحیم کے گھر بتاریخ ۴ رشوال المکرّم ۱۱۱۴ھ مطابق فروری ۱۷۰۳ھ کو ہوئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے والد ماجد اور اس دور کے جید اساتذہ سے اکتساب فیض کیا، دینی وسماجی علوم وفنون میں نابغۂ روزگار اور یکتائے زمانہ ہوئے۔ روحانی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ سلسلہ نقشبندیہ جس کی داغ بیل ہندوستان میں حضرت خواجہ باقی باللہ نے ڈالی اور شیخ احمد سرہندی نے جسے پروان چڑھایا اسی سلسلہ کی ترویج واشاعت حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادہ نے فرمائی۔ شاہ صاحب کو تصوف سے خاندانی وابستگی کے ساتھ ساتھ تجرباتی اور علمی وعملی وابستگی بھی ہے تعلیم دین سے فراغت کے بعد اپنے والد ماجد

اور نامور صاحب نسبت بزرگ حضرت شاہ عبدالرحیم سے بیعت کی اور سلسلہ نقشبندیہ کی باضابطہ تعلیم حاصل کر کے خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے۔شاہ صاحب دادیہالی اور نانیہالی خاندان جو اہل دل اور اہل علم کا خاندان رہا ہے اسی فضا میں پلے بڑھے، مدرسہ کی تعلیم سے فراغت کے بعد اگلے دو برسوں میں اسباق نقشبندیہ اور اعمال صوفیہ میں تکمیل ومہارت حاصل کی۔

پیدائش کی ساتویں سال آپ نے قرآن مجید حفظ مکمل کر لیا تھا۔اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے علم حدیث وتفسیر وفقہ واصول فقہ وعلم کلام وادب ونحو وصرف وطب وفلسفہ وغیرہ پڑھا۔مشکوٰۃ المصابیح، شمائل ترمذی اور صحیح بخاری کے کچھ حصے حضرت مولانا شاہ افضل سیالکوٹی سے پڑھ کر بعمر پندرہ سال ۱۷۱۷ء میں علوم وفنون متداولہ سے رسمی استفادہ وتکمیل سے فارغ ہو گئے۔عمر کی پندرہویں سال والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہو کر نقشبندی مشائخ کے اشغال میں مصروف ہوئے۔حضرت شاہ ولی اللہ نے ۱۷۳۱ء میں حرمین شریفین کا سفر کیا اور اس دیار مقدس میں چودہ ماہ تک مقیم رہ کر وہاں کا فیضان حاصل کرتے رہے۔''انسان العین فی مشائخ الحرمین'' میں آپ نے وہاں کے علماء ومشائخ وفقہا ومحدثین سے اپنے تعلق واستفادہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔وہاں کے مشائخ میں آپ حضرت شیخ ابوطاہر کردی مدنی سے بے حد تاثر تھے ان سے آپ نے پچاس مجالس میں از اول تا آخر بخاری شریف کو پڑھا۔شیخ کردی غایت درجہ آپ سے محبت فرماتے۔علم حدیث کی بیش بہا دولت کے ساتھ شیخ نے شطاریہ، سہروردیہ، شاذلیہ، رفاعیہ، حدادیہ اور مدنیہ وغیرہ کی اجازت جو ان کو اپنے والد محترم شیخ ابراہیم کردی قدس سرہ (اپنے زمانہ کے مشہور صوفی ومحدث) سے ملی تھی۔حضرت اقدس کو عطا فرمائی اور خرقہ وکلاہ منبر نبوی کے قریب آپ کے سر پر باندھا۔۱۵رشعبان المعظم ۱۳۴۴ھ کو مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ کیا اور ماہ رمضان میں متعدد عمرہ کئے اور آخر عشرہ میں بیت اللہ کے سامنے مجد حرام میں اعتکاف کیا اور اسی جگہ آپ نے ایک رسالہ مسمّی بہ ''فیوض الحرمین'' تحریر فرمایا جس میں وہ تمام حالات و واردات اور حقائق ومعارف واسرار وغوامض وحرمین شریفین میں آپ پر وارد ہوئے تھے

بیان فرمائے ہیں۔

حرمین شریفین سے چودہ ماہ بعد واپسی پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حسب سابق مدرسہ رحیمیہ دہلی کے طلبہ کو درس دینے میں مصروف ہو گئے اور تصنیف و تالیف کی خدمت بھی انجام دیتے رہے آپ کا ایک عظیم اور بے مثال کارنامہ ''فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن'' (فارسی)۱۷۳۸ھ) ہے جسے ہندوستان میں ترجمہ قرآن کے باب آغاز سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ کے کچھ دیگر رسائل و کتب اس طرح ہیں۔

۱۔ حجة الله البالغه

۲۔ الفوزالكبير فى اصول التفسير

۳۔ تاويل الاحاديث فى قصص الانبياء

٤۔ المسویٰ (عربى شرح موطا امام مالك)

٥۔ المصفیٰ (فارسى شرح موطا امام مالك)

٦۔ شرح تراجم ابواب البخارى

۷۔ ازالة الخفا عن خلافة الخلفاء

۸۔ فيوض الحر مين

۹۔ الانصاف فى بيان سبب الاختلاف

۱۰۔ عقد الجيد فى احكام الاجتهاد والتقليد

۱۱۔ الدر الثمين فى مبشرات النبى الامين

۱۲۔ انفاس العارفين

۱۳۔ القول الجميل

١٤ ۔الانتباه فى سلاسل اولياء الله

۱٥۔ العقيدة الحسنة

۱٦۔ النوادر من احاديث سيد الاوائل والاواخر

۱۷۔ الطاف القدس

۱۸۔ التفهيمات الالٰهية

۱۹۔ الذكر الميمون

۲۰۔ مآثر الاجداد

حضرت شاہ صاحب ان تمام معمولات پر سختی سے کار بند تھے جو ان کے دادیہالی اور نانیہالی خاندان میں پہلے سے رائج تھے، نذر و نیاز، عرس و فاتحہ، ختم خواجگان، تصور شیخ، کشف و کرامت، زیارت قبور، انعقاد محفل میلاد، صلوٰۃ وسلام،، اہتمام بارہ ربیع الاول اور شفاعت و توسل، اوراد و اشغال، دعائے حرز یمانی اور دعائے سیفی، بیعت و اجازت، خرقہ پوشی، خلافت و سجادگی وغیرہ ایسے کئی ایک خانقاہی مراسم تھے جن پر حضرت شاہ صاحب سختی سے کار بند تھے، دعویٰ بغیر دلیل نہ رہ جائے اس لئے نمونے کے طور پر شاہ صاحب کے کچھ معمولات کی نشاندھی کی جارہی ہے۔ عام طور شاہ کے نام نہاد متبعین و پیروکار یہ کہتے ہیں کہ شاہ صاحب نے فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد ان تمام خانقاہی مراسم سے توبہ کر لیا تھا لہٰذا دلیل کے طور پر ان ملفوظات سے اقتباس پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی جو شاہ صاحب کے آخری دور میں ان کے بھانجہ شاہ محمد عاشق پھلتی نے مرتب کئے ہیں اور شاہ صاحب نے بالاستیعاب جس کا مطالعہ کیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے سبھی فرزندان گرامی قدر آپ کے دینی و علمی وارث اور جلیل القدر علمائے دین ہیں علم حدیث میں بھی ان حضرات کا پایہ بہت بلند ہے۔ ایک فرزند جن کا نام نامی اسم گرامی محمد تھا کم سنی ہی میں انتقال کر گئے جو آپ کی پہلی زوجہ محترمہ مسماۃ فاطمہ بنت شیخ عبید اللہ پھلتی کے بطن سے تھے۔ دیگر چار فرزندوں کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں۔

۱۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی

(ولادت ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۵ء وفات ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء)

۲۔ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی

(ولادت ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء (وفات ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء)

۳۔حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی

(ولادت ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء وفات ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء)

۴۔حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی

(ولادت ۱۱۷۰ھ/۱۷۵۶ء وفات ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء)

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی عہد مغل میں ہندوستان ہی کے نہیں بلکہ عالم اسلام کے مجدد تھے۔آپ بارہویں صدی ہجری کے آخر میں صاحب علم وفضل وزہد وتقویٰ مشہور دیار واطراف تھے۔اور تیرہویں صدی ہجری کے آغاز میں ان کا طوطی ہندوستان میں بولتا تھا اور ساری عمر دینی خدمت، درس وتدریس افتاء وتصنیف وعظ وپند اور حمایت دین میں گذار دی ان کی تصنیف ''تحفہ اثنا عشریہ'' اپنے موضوع پر بڑی اہم تصنیف ہے اس شان کی اب تک اس موضوع پر کوئی تصنیف نہیں لکھی گئی۔

(الفوز الکبیر ترجمہ اردو ص ۶ مجلس برکات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وہ واحد شخصیت ہے جسے ہر مسلک کے ماننے والے علماء نے اپنا قائد تسلیم کیا ہے اور اپنے عقائد ونظریات کی تائید میں ولی اللہی اقوال پیش کئے ہیں۔صاحب نزہۃ الخواطر (الاعلام) نے مفتی عنایت احمد کاکوروی کے حوالے سے لکھا ہے:

"ان الشيخ ولى الله مثله كمثل شجره طوبىٰ اصلها فى بيته ، وفر عها فى كل بيت من بيوت المسلمين فما من بيت ولا مكان من بيوت المسلمين وامكنتهم الا وفيه فرع من تلك الشجرة لا يعرف غالب الناس اين اصلها"۔

(عبدالحیٔ رائے بریلوی، الاعلام جلد ۶ ص ۴۱۸)

(شاہ ولی اللہ کی مثال شجر طوبیٰ کی طرح ہے کہ تنہ ان کے گھر میں ہے اور اس کی شاخیں تمام مسلمانوں کے گھروں تک پہنچی ہوئی ہیں مسلمان کا کوئی گھر اور ٹھکانا ایسا نہیں جہاں اس کی ٹہنی نہ پہنچی ہو، اکثر لوگوں کو خبر نہیں کہ

اس ٹہنی کی جڑ کہاں ہے۔)

کتب تصوف کے، مطالعہ سے حضرت شاہ صاحب کے جن عقائد ونظریات کا پتا چلتا ہے اس سے تو یہی ثابت ہو رہا ہے کہ شاہ صاحب اسی مسلک کے حامی تھے جس کی ترجمانی اور نشر واشاعت اس دور میں علمائے اہل سنت و جماعت بالفاظ دیگر سنی بریلوی علماء کر رہے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب علم غیب۔ حاضر وناظر، تصرف واختیار، میلا دشریف، احیائے موتی، نذر و نیاز، عرس وفاتحہ زیارت قبور اور استمد اد واستعانت کے سلسلے میں بہت واضح اپنا موقف رکھتے تھے۔ ان میں بعض پر ان کا اور بعض پر ان کے اباء واجداد کا عمل تھا۔ جسے شاہ صاحب نے نہ صرف اپنی کتابوں میں بیان کیا بلکہ ان پر عمل کرنے کی خود کوشش بھی کی۔ ذیل میں ان کی ان تصانیف سے جن کا تعلق کتب تصوف سے ہے بلا تبصرہ کچھ عبارتیں بطور شہادت پیش کی جا رہی ہیں۔ ممکن ہے کہ ان عبارتوں کو ہمارے بعض محققین الحاقی کہیں تو اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو کسی قدر مقالہ کے آخر میں کی گئی ہے جس سے تمام شکوک و شبہات زائل ہو جائیں گے۔

تصرفات اولیاء

شاہ صاحب کے کتب تصوف میں **انفاس العارفین** اور اب **القول الجلی** کو بڑی شہرت ملی **انفاس العارفین** کے مترجم جناب سید محمد فاروق قادری نے اسے ولی اللہی تصوف کی معرکۃ الآرا کتاب قرار دیا ہے۔ مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۱۷ء کا مطبوعہ نسخہ اس وقت راقم کے سامنے ہے۔ اس نسخہ کے ص ۲۵ پر شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد کے پیر و مرشد حضرت خلیفہ ابو القاسم اکبر آبادی کا تذکرہ کیا ہے۔ اس تذکرہ میں شاہ صاحب ایک واقعہ درج کرتے ہیں۔

> ''حضرت خلیفہ ابو القاسم سفر حج میں جہاز کے اندر اپنے ساتھیوں کو اولیاء اللہ کے بلند مقامات اور ان کے کرامات کا بیان کر رہے تھے کہ بات طی الارض یعنی چشم زدن میں دور دراز مقامات کو طے کرنے اور مشی بر آب یعنی پانی پر قدم سے چلنے کی بات چل پڑی تو جہاز کے کپتان نے ان

کرامات سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ ایسے جھوٹ کے طومار بہت سے
سننے میں آئے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی یہ سن کر خلیفہ ابوالقاسم کی
غیرت ایمانی جاگ اٹھی رہا نہ گیا اور سمندر میں چھلانگ لگا دی یہ دیکھ کر
لوگوں نے کپتان کی ملامت کی اور کپتان خود بھی اس بات پر نادم ہوا کہ
میرے انکار کی وجہ سے فقیر ہلاک ہو گیا اور آپ کے رفقاء بھی آپ کی
جدائی سے غمگین ہونے لگے کہ حضرت خلیفہ نے آواز دی کہ رنجیدہ نہ ہوں
میں بخیر وعافیت ہوں اور پانی کی سطح پر سیر کر رہا ہوں یہ منظر دیکھ کر اہل
جہاز اور کپتان حضرت کے نیازمندوں میں شامل ہو گئے''۔

(انفاس العارفین ص ۲۵ مطبوعہ ۱۹۱۷)

علم غیب

علم غیب کے تعلق سے بھی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا عقیدہ بھی بالکل واضح تھا اس سلسلے میں ان کے نظریات وہی تھے جو اس دور کے اکابر سنی علماء کا تھا اس کا اعتراف شاہ صاحب نے ''فیوض الحرمین'' میں ان الفاظ میں کیا ہے

العارف ينجذب الى حيز الحق فيصير عند الله فيتجلى
له كل شئى (فيوض الحر مين ص ٦١)

اس طرح کی اور بھی دوسری عبارتیں ان کی تصانیف میں پائی جاتی ہیں جس سے پتا چلتا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی ذات مبارکہ تو بہت ہی ارفع واعلیٰ اور بلند وبالا ہے۔ عام انسانوں میں جب کوئی بندہ ترقی کر کے بارگاہ خداوندی کے قریب ہو جاتا ہے تو اس پر ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔ اس تعلق سے صرف دو واقعات ان کے والد ماجد کے ولی اللہی تصوف کی مستند کتاب انفاس العارفین کے حوالے سے ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

''میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن عصر کے وقت میں مراقبہ
میں بیٹھا تھا کہ غیبت کی کیفیت طاری ہوئی میرے لئے اس وقت کو

چالیس ہزار برس کے برابر کر دیا گیا۔ اس مدت میں آغاز آفرینش سے روز قیامت تک پیدا ہونے والی مخلوق کے احوال و آثار کو مجھ پر ظاہر کر دیا گیا''۔ (انفاس العارفین ص ۳۶)

حضرت شاہ صاحب اپنے والد ماجد کا ہی ایک دوسرا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''حضرت والد ماجد ایک مرتبہ حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی کے گھر گئے تو انھوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ حضرت کی خدمت میں شربت گلاب پیش کرو، وہاں دو بوتلیں رکھی تھیں لڑکے نے بڑی بوتل چھوڑ دی اور چھوٹی بوتل لاکر پیش کر دی حضرت والد ماجد نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ بیٹے بڑی بوتل کیوں چھوڑ آئے وہ بھی لے آؤ''۔ (انفاس العارفین ۵۲)

حاضر وناظر

حاضر وناظر کے تعلق سے بھی ان کا عقیدہ کافی مستحکم تھا۔ وہ صرف سرکار دوعالم ﷺ کو ہی صرف نہیں حاضر وناظر جانتے تھے بلکہ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر اولیاء اللہ کے بھی حاضر وناظر ہونے پر عقیدہ رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ایک اپنے والد ماجد کا عقیدہ بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

''ماہ رمضان میں ایک دن میری نکسیر پھوٹ پڑی تو مجھ پر ضعف طاری ہوگیا۔ قریب تھا کہ میں کمزوری کی بنا پر روزہ توڑ دوں مگر رمضان کے روزہ کی فضیلت کے ضائع ہونے کا غم لاحق ہوا اسی غم میں قدرے غنودگی طاری ہوئی تو حضرت پیغمبر ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے مجھے لذیذ اور خوشبودار زردہ عطا کیا ہے پھر انتہائی خوش گوار اور ٹھنڈا پانی بھی مرحمت فرمایا ہے میں نے سیر ہوکر پیا۔ میں اس غنودگی کے عالم سے نکلا تو بھوک اور پیاس بالکل ختم ہو چکی تھی عقیدت مندوں نے احتیاطاً میرے ہاتھوں کو دھوکر پانی کو محفوظ کرلیا اور تبرکاً اس سے روزہ افطار کیا''۔

(انفاس العارفین ص ۳۸)

اسی کتاب میں حضرت شاہ صاحب ایک دوسرا واقعہ بھی اپنے والد ماجد ہی کے تعلق سے نقل فرماتے ہیں۔

''محمد فاضل نے چاہا کہ اپنے بیٹے کو اجمیر بھیج دے اور راستے کی بدامنی کے پیش نظر وہ خود بھی اس کے ساتھ جانا چاہتا تھا۔ جب مجھ سے رخصت ہونے آیا تو میں نے کہا کہ تمھارے جانے کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہ بحفاظت واپس آجائے گا ہاں البتہ واپسی پر اجمیر سے دو منزل ادھر ڈاکو قافلہ پر حملہ کریں گے مگر اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے ہاں البتہ اسے سمجھا دیجئے کہ اُس وقت اپنی بہل الگ ایک طرف کھڑی کردے جب وہ وقت آیا تو حضرت والا اس طرف متوجہ ہوئے اور توجہ کے دوران آپ کے بدن پر ملال ظاہر ہوا حاضرین نے سبب پوچھا تو فرمایا کچھ دنوں کے سخت سفر نے تھکا دیا ہے جب وہ لڑکا واپس آیا تو بیان کیا کہ وہاں ڈاکو آئے ہوئے تھے میں نے اپنی بہل کو ایک طرف کردیا وہاں حضرت والا مثالی صورت میں موجود تھے ڈاکوؤں نے پورے قافلے کو لوٹا مگر میری بہل محفوظ رہی۔'' (انفاس العارفین ص ۵۷)

اس واقعہ کو ذکر کرنے بعد مفتی جلال الدین احمد امجدی اپنی کتاب ''بزرگوں کے عقیدے'' میں لکھتے ہیں۔

''سرکار دوعالم ﷺ کا مدینہ شریف سے جان لینا کہ دہلی میں حضرت شاہ عبد الرحیم کو انتہائی بھوک و پیاس کے سبب بہت کمزوری پیدا ہوگئی ہے اور پھر حضور ﷺ کا ان کو کھانے پینے کے لئے خوشبودار زردہ اور خوشگوار ٹھنڈا پانی مرحمت فرمانا اور خود حضرت شاہ عبد الرحیم کا اجمیر شریف سے دو منزل ادھر ڈاکہ پڑنے کو دہلی میں بیٹھے ہوئے دیکھنا اور عین وقت پر محمد فاضل کے بیٹے کی حفاظت کے لئے مثالی صورت میں پہنچ جانا یہ سب حاضر وناظر کا کام ہے لہٰذا حضرت شاہ ولی اللہ نے ان

واقعات کو لکھ کر اپنا یہ عقیدہ ثابت کر دیا کہ حضور سید عالم ﷺ حاضر و ناظر ہیں بلکہ اولیاء اللہ بھی حاضر و ناظر ہوتے ہیں''۔

(جلال الدین احمد امجدی، بزرگوں کے عقیدے ص۳۲۵ دہلی ۱۹۹۳ء)

احیاء موتیٰ (مُردوں کی زندگی)

اللہ کے نیک بندے اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں اور وقت ضرورت دنیا والوں سے باتیں بھی کرتے ہیں اس تعلق سے دو تین واقعات شاہ صاحب کی تصانیف میں ملتے ہیں اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مردوں کی قبروں کی زندگی کے جواز کے تعلق سے ان کا موقف بالکل آج کے علمائے اہل سنت و جماعت کی طرح تھا۔ اس لئے انھوں نے ان واقعات کو اپنی تصانیف میں جگہ دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے۔

''جن دنوں اورنگ زیب اکبر آباد میں تھا یہ محتسب لشکر مرزا زاہد ہروی سے کچھ اسباق پڑھتا تھا۔ اس بہانے میں اپنے والد کے ہمراہ اکبر آباد گیا سید عبداللہ بھی سید عبدالرحمٰن کی رفاقت کے سبب وقت وصال موجود تھے۔ وہاں انھیں ایک عارضہ ہو گیا اور رحمت حق سے واصل ہوئے انھوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے مسکینوں کے قبرستان میں دفن کرنا تاکہ کوئی پہچان نہ سکے چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا میں بھی اس دن شدید بیمار تھا جنازہ کے ساتھ جانے کی سکت نہیں تھی جب میں تندرست ہوا اور چلنے پھرنے کی طاقت پیدا ہوئی تو ایک ایسے شخص کے ساتھ جو ان کے جنازہ و دفن میں موجود تھا زیارت و برکت کے لئے ان کے مزار مبارک کی طرف چل پڑا یہ ان کی آخری وصیت کا کمال تھا کہ میرے ساتھی کافی غور و خوض کے باوجود بھی ان کی قبر نہیں پہچان سکے۔ بالآخر اندازے سے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا میں وہاں بیٹھ کر قرآن مجید پڑھنے لگا میری پشت کی طرف سے سید صاحب نے آواز دی کہ فقیر کی قبر ادھر ہے لیکن جو کچھ شروع کر چکے ہو اسے وہیں تمام کر لو اور اس کا ثواب اس قبر والے کو

بخشد و۔ جلدی مت کرو جو کچھ پڑھ رہے ہو اسے انجام تک پہونچاؤ۔
تھوڑی دیر سوچ کر کہنے لگا کہ میں غلطی پر تھا حضرت سید صاحب کی قبر
تمھارے پیچھے ہے میں اس سمت ہو کر بیٹھا اور قرآن مجید پڑھنا شروع کیا
اسی اثنا میں دل گرفتہ اور غمگین ہونے کے سبب اکثر مقامات پر قواعد
قرآت کی رعایت نہ کر سکا قبر میں سے آواز آئی کہ فلاں فلاں جگہ پر تساہل
سے کام لیا ہے قرآت کے معاملے میں حزم واحتیاط کی ضرورت ہے۔
(انفاس العارفین ص۱۴)

اللہ کے یہ برگزیدہ بندے نہ کہ صرف اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں بلکہ وہ تصرف کے ذریعہ عام انسانوں کی مدد بھی کر سکتے ہیں۔ اس طرح کا ایک واقعہ خود میرے والد ماجد کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''جب میرے والد ماجد مکہ معظّمہ پہنچے تو حضرت امام حسن کو خواب میں
دیکھا حضرت نے شاہ صاحب کے سر پر ایک چادر ڈالی اور ایک قلم عنایت
کیا اور فرمایا یہ میرے نانا (ﷺ) کا قلم ہے اس کے بعد فرمایا ٹھہرئیے
امام حسین بھی تشریف لا رہے ہیں جب وہ تشریف لائے تو انھوں نے قلم
کو تراش کر والد ماجد کے ہاتھ میں دیا اسی وقت نسبت باطن اور تقریر کا اتنا
رنگ بدل گیا کہ جن لوگوں نے (شاہ صاحب سے) پہلے استفاضہ کیا تھا
وہ سابقہ نعمت کا احساس تک نہیں کرتے تھے۔
(ملفوظات شاہ عبد العزیز ص۸۲ مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۳۱۴ھ)

زیارت قبور

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی زیارت قبور کو امر مستحسن سمجھتے تھے وہ ہر پریشانی کے وقت زیارت مزارت اولیاء کا مشورہ دیتے تھے۔ '' انفاس العارفین'' کے ص ۱۰۷ پر یہ عبارت آج بھی موجود ہے۔

''اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا با صحاب القبور''۔
(انفاس العارفین ۱۰۷)

(جب تم کسی معاملہ میں الجھ جاؤ تو اصحاب قبور سے استعانت کرو)

حضرت شاہ صاحب اور ان کے آباو جداد کا اس پر عمل تھا کہ وہ بزرگان دین کے مزارات پر حاضری دینے اور ان سے استفادہ واستعانت کو جائز سمجھتے تھے حضرت شاہ صاحب کا مکتوب المعارف میں ایک خط شائع ہوا ہے جس کی عبارت یہ ہے۔

''جب میں حضرت میاں شاہ حبیب اللہ جیو کے مزار اقدس پر پہنچا اور فاتحہ پڑھ کر لطائف کی طرف متوجہ ہو گیا تو کیا دیکھتا ہوں میرے سامنے ایک نور ہے اور اس کے بالمقابل ایک دوسرا نور ہے جو مزار انور سے ظاہر ہوا ہے تھوڑی دیر میں یہ دونوں نور باہم مل کر ایسے ہو گئے جیسے پانی حباب ٹوٹنے کے بعد یا لڑی گرہ کھلنے کے بعد۔ اس منظر سے میں انتہائی مسرور ومحظوظ ہوا''۔

(شاہ ولی اللہ دہلوی، مکتوب المعارف ص ۱۵ مطبع مطلع الانوار سہارنپور)

مزارات کی حاضری اور وہاں سے حاصل ہونے والے فیوض وبرکات کے تعلق سے ذکر شاہ صاحب نے اپنی تصانیف میں متعدد مقامات پر کیا ہے۔ الدر الثمین میں لکھتے ہیں کہ

''میں نے مدینہ منورہ میں مکمل سات مہینے قیام کئے علم ظاہر میں وہاں کے علماء سے استفادہ کیا اور علم باطن میں روضہ مقدسہ کی جاروب کشی کی۔ حضرات اہل بیت اطہار کے روضہ مقدسہ کی زیارت اور وہاں پر مراقبات سے مجھے بے حد روحانی فائدہ حاصل ہوا۔

فمن یو مئذ انشرح صدری للتصنیف فی العلوم الشرعیة والحمد لله (اسی دن سے میرا سینہ کھل گیا علوم شریعت کی تصنیف میں)

(الدر الثمین ص ۵۷ سہارنپور ۱۹۵۴ء)

اس کا اعتراف حضرت شاہ صاحب نے فیوض الحرمین میں بھی کیا ہے۔ جب میں نے اہل بیت اطہار کے قبور کی زیارت کی تو مجھ پر ایک خاص طریقہ کا

اظہار ہوا جو اولیاء اللہ کا طریقہ ہے۔

حضرت شاہ صاحب اپنے والد ماجد کے مزار سے جس طرح مستفیض ہوئے اس کا انھوں نے برملا اعتراف اپنے فرزند حضرت شاہ عبدالعزیز سے بھی کیا ایک دن انھوں نے اپنے فرزند کو مخاطب کر کے فرمایا:

''ہمارے والد جب دنیا سے آخرت کو منتقل ہوئے تو ہماری عمر تمھاری اس عمر کی طرح تھی اور میرے چھوٹے بھائی میاں کی عمر رفیع الدین کی سی عمر تھی میں آپ کے مزار شریف پر آپ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا کرتا تھا پھر مجھ پر راہ حقیقت کھلی ان حکایات کے بعد آپ نے آگاہ کیا کہ میری رحلت کا زمانہ قریب آ گیا ہے''۔

(القول الجلی ص۲۶۳ دہلی ۱۹۸۹ء)

اپنی اس نصیحت میں شاہ صاحب حضرت شاہ عبدالعزیز کو شاید یہ بتلانا چاہتے تھے کہ مجھے جو یہ نعمت ملی ہے اس کی ابتدا والد ماجد کے مرقد مبارک سے ہوئی اور اس کا اتمام سرکار دوعالم ﷺ کے روضہ مبارکہ پر ہوا۔

حضرت شاہ صاحب نے زیارت حرمین شریفین کے علاوہ بزرگان اور مشائخ طریقت کے مزارات کی زیارت اور ان سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے متعدد شہروں اور ممالک کا سفر بھی کیا جن مشائخ کی بارگاہ میں حاضری دی اور اکتساب فیض کیا ان میں حضرت ابوذر غفاری، مولانا روم، شیخ محی الدین ابن عربی، حضرت خواجہ معین چشتی اجمیری، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، بوعلی شاہ قلندر پانی پتی، حضرت نظام الدین اولیاء، مخدوم زکریا بہاء الدین ملتانی، شیخ محمد غوث گوالیاری، شاہ رکن عالم، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، شمس الدین ترک، شاہ جلال الدین، حضرت موسیٰ سدا سہاگ، شیخ حسیب اللہ، مخدوم جمال الدین، شیخ ابوالفتح، شیخ ابوالفضل، جیسے نہ جانے کتنے اہم مشائخ کبار کی قبروں کی زیارت کی ہے اور ان سے استفادہ کیا ہے۔

مختصر یہ کہ محافل عرس کا انعقاد، بارہ ربیع الاول، اور شہادت امام حسین رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے مواقع پر خصوصی مجالس کا انعقاد اور انواع و اقسام کے طعام پکوانا، ایصال ثواب کرنا اور التزام کے ساتھ مقررہ تاریخوں پر کرنا، موئے مبارک کی زیارت کے لئے حد درجہ اہتمام کرنا، مزارات پر مراقبے کرنا اوران سے اکتساب فیوض و برکات، چلے، مکاشفے، تعویذ، جھاڑ پھونک، اہل بیت اطہار سے خصوصی ارادت کے واقعات سے شاہ صاحب کی ساری کتابیں اور ملفوظات القول الجلی بھری ہوئی ہے۔

درج بالا عبارت سے یہ بات مترشح ہے کہ اصل بات تو مزارات پر حاضری، ان سے استمداد، اکتساب فیوض و برکات اور کشف قبور وغیرہ ہے۔ جن پر شاہ عبد الرحیم سے لے کر شاہ عبد العزیز تک سارے بزرگ عامل رہے اور اس قسم کے واقعات سے ان کی تمام کتابیں آراستہ ہیں۔ باقی رہا مزار کو مستقل حاجت روا سمجھنا تو کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اسے شرک نہ سمجھتا ہو۔

میلاد و فاتحہ

ماہ ربیع الاول شریف کی ۱۲ تاریخ کو میلاد شریف منعقد کرنا، کھانا پکوانا، نذر و نیاز دلوانا اور غربا و مساکین میں کھانا تقسیم کرانا اس کا رواج خاندان ولی اللہی میں پہلے سے ہی تھا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے الدر الثمین میں حدیث نمبر ۲۲ کے تحت اپنے والد ماجد حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم کے معمولات کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔

> ''میں ایام مولود شریف میں آنحضرت ﷺ کے میلاد کا کھانا پکوایا کرتا تھا ایک سال کچھ پاس نہ تھا بھنے ہوئے چنے تھے میں نے ان کو غربا و مساکین میں تقسیم کیا میں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے بھنے ہوئے چنے رکھے ہوئے ہیں آپ شاد و بشاش ہیں''۔
>
> (شاہ ولی اللہ، الدر الثمین ص ۶۱)

یہ معمول صرف آپ کے آباء و اجداد کا ہی نہیں تھا خود شاہ صاحب بھی ۱۲ ربیع الاول شریف کو ایک مبارک اور مقدس دن کے طور پر منایا کرتے تھے القول الجلی میں اس کی صراحت شاہ صاحب کے الفاظ میں اس طرح موجود ہے۔

''قدیم طریقہ کے مطابق ۱۲/ربیع الاول کو میں نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور آنحضرت ﷺ کی کچھ نیاز تقسیم کی اور آپ کے مبارک بال کی زیارت کرائی۔ تلاوت کلام پاک کے دوران ملاء اعلیٰ کا ورود ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی روح پُرفتوح نے اس فقیر اور اس سے محبت کرنے والوں کی طرف بہت التفات فرمائی اس وقت میں نے دیکھا کہ ملاء اعلیٰ (فرشتوں کی ٹولی) اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی جماعت نیازمندی اور عاجزی کی بنا پر بلند ہورہی ہے (عروج کررہی ہے) اور اس کیفیت کی برکتیں اور اس کی لپٹیں حاضر ہورہی ہیں''۔ (القول الجلی ص ۷۴)

درج بالا عبارت سے بالکل صاف ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحب خاص ۱۲/ربیع الاول کو سرکار دوعالم ﷺ کی فاتحہ اور نیاز دلواتے اور نیک بخت حاضرین کو موئے مبارک کی زیارت کراتے۔ میلاد رسول ﷺ کی خوشی میں شیرینی تقسیم کرتے بلاشبہ ان کے اس عمل سے خود اور ان کے حاضرین محفل کے درجات بلند ہوتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ سرکار دوعالم ﷺ کا فاتحہ تو کرتے ہی تھے۔ حضرات ائمہ اہلِ بیت اطہار کا بھی فاتحہ کراتے تھے القول الجلی کے مرتب نے اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب کا ایک ملفوظ نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

''عاشورہ کے ایام میں حضرات ائمہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف سے مکرر ارشاد ہوا کہ ان حضرات کی فاتحہ کرائی جائے چنانچہ ایک دن شیرینی منگوائی گئی اور قرآن مجید کا ختم کر کے فاتحہ دلائی گئی جس سے حضرات ائمہ اطہار کی ارواح طیبہ میں خوشی اور مسرت کے آثار ظاہر ہوئے''۔ (القول الجلی ص ۸۰،۸۱)

میلاد اور اس کے فیوض و برکات کے تعلق سے حضرت شاہ صاحب نے اپنا ایک واقعہ فیوض الحرمین میں ان الفاظ میں درج کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

''جب میں آنحضرت ﷺ کے مولد مبارک میں تھا میلاد شریف کے دن

اور لوگ بھی جمع تھے درود شریف پڑھتے اور معجزے بیان کرتے تھے جو ولادت کے وقت ظاہر ہوئے تھے اور وہ مشاہدے جو نبوت سے پہلے ہوئے تھے تو میں نے دیکھا کہ اک بارگی انوار ظاہر ہوئے میں نہیں کہتا کہ اِن آنکھوں سے دیکھا اور نہ یہ کہتا ہوں کہ روح کی آنکھوں سے دیکھا فقط خدا جانے کہ کیا امر تھا اِن آنکھوں سے دیکھا کہ روح کے؟ پس تامل کیا تو معلوم ہوا کہ نوران ملائکہ کا ہے جو ایسی مجلسوں پر موکل ہیں اور میں نے دیکھا کہ انوار ملائکہ اور اور انوار رحمت دونوں ملے ہوئے ہیں''۔

(فیوض الحرمین، شاہ ولی اللہ ص ۲۷ مطبع احمدی مدرسہ عزیزی دہلی)

القول الجلی کے مولف فرماتے ہیں۔

''حضرت اقدس نے فرمایا کہ بارہویں ربیع الاول کو حسب دستور قدیم میں نے قرآن پڑھا اور آنحضرت کی نیاز تقسیم کی اور موئے مبارک کی زیارت کی اثنائے تلاوت ملاء اعلیٰ حاضر ہوئے اور آنحضرت کی روح پُرفتوح نے اس فقیر نیز فقیر کے دوستوں کی طرف نہایت التفات فرمایا اس وقت میں نے دیکھا کہ ملاء اعلیٰ (فرشتوں کی ٹولی) اور مسلمانوں کی ایک جماعت کا دائرہ ہے جو نیازمندی اور عاجزی کی بنا پر عروج کر رہی ہے اور برکات ونفحات اس سے نزول کر رہے ہیں۔ثم وثم''۔

(القول الجلی ص ۹۸)

درج بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ میلاد شریف منعقد کرنا اس میں درود شریف کا ورد اور معجزات کا ذکر کر کے رسول مقبول ﷺ کی یاد تازہ کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ایسی مبارک محفلوں میں من جانب اللہ رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور سامعین پر خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

عرس مبارک

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی اور

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا عرس سراپا قدس بڑے اہتمام سے منایا کرتے تھے اور صرف عرس ہی نہیں بلکہ فاتحہ سوئم اور چہلم کا بھی اہتمام کیا کرتے تھے۔شاہ صاحب کے مجموعہ ملفوظات القول الجلی نامی کتاب میں اس کا ذکر بڑی تفصیل سے موجود ہے۔ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت شاہ صاحب اپنے والد کی قبر اطہر کے پاس خاموش بیٹھے تھے کہ اچانک آپ کو الہام ہوا کہ یہ بات لوگوں تک پہونچا دو۔

''یہ فقیر چند نسبتیں رکھتا ہے ایک نسبت سے ولی اللہ فرزند عبدالرحیم ہے اور ایک نسبت سے انسان ہے اور ایک نسبت سے حیوان اور ایک نسبت سے نامی اور ایک نسبت سے جسم اور ایک نسبت سے جوہر اور ایک اعتبار سے وہ موجود ہے۔اس اعتبار سے میں پتھر بھی ہوں اور درخت بھی ہوں، گھوڑا بھی اور ہاتھی بھی اونٹ بھی اور بھیڑ بھی۔آدم کو اسماء کی تعلیم میں تھا، نوح کا طوفان جو اٹھا اور ان کی کامیابی کا سبب بنا وہ میں تھا۔ابراہیم پر جو گلزار ہوا وہ میں تھا موسیٰ کی تورات میں تھا۔عیسیٰ کا مردہ کا زندہ کرنے میں تھا۔مصطفےٰ ﷺ کا قرآن میں تھا۔سب تعریف اللہ رب العزت کے لئے ہے''۔

(القول الجلی ص ۳۶)

آپ کے محترم چچا حضرت شیخ ابوالرضا کا عرس بھی بڑے اہتمام کے ساتھ منایا جاتا تھا۔اس عرس کے فیوض و برکات سے حضرت شاہ ولی اللہ بھی مستفیض ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

''حضرت شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے عرس کی رات کو ان کے مقبرہ میں لوگوں کی بھیڑ اور نغمہ سرائی کا ہنگامہ برپا تھا۔لوگ اپنے شوق اور وجد میں مصروف تھے میں عشاء کے بعد اپنی مسجد شریف میں بیٹھا تھا کہ نور کا ایک ٹکڑا میرے پاس آیا اور آواز آئی کہ وہاں ذوق وشوق اور روح مبارک کی کرامات کا جو کچھ ظہور ہوا ہے وہ سب مل کر اس صورت میں ہو گئے ہیں جو آپ کو ارسال کیا گیا ہے۔اس دوران نفس ناطقہ کا اثر تمام عالم میں ظاہر

ہوا اور یہ بات واضح کی گئی کہ وہ نور اسی منبع کا تابع ہے''۔

(القول الجلی ص ۱۰۱)

حضرت شاہ صاحب نے نہ یہ کہ صرف اپنے اباءواجداد کا عرس کیا ہے۔ بلکہ دیگر اولیاء اللہ کے اعراس میں بھی شرکت کی اور ان کی ارواح سے استفادہ کیا ہے۔ القول الجلی کے مرتب لکھتے ہیں۔

''حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حضرت مخدوم جمال الدین قدس سرہ کے عرس کے دن موضع پھلاودہ قبر شریف کی زیارت کے لئے گئے۔ وہاں بہت بھیڑ تھی۔ آپ کی قبر شریف کو چومنے میں لوگ کثرت سے مصروف تھے۔ آپ نے تھوڑی دیر وہاں توقف کیا پھر مقبرہ سے باہر آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا جب تک انسان زندہ رہتا ہے جس قدر بھی وہ اللہ کی یاد کرتا ہے اس کو ترقیات حاصل ہوتی ہیں اور جسمانی تعلق کی وجہ سے بشریت اور عالم اسلام کی بندھنوں کی وجہ سے پوری طرح چھٹکارا نہیں پا سکتا اور جب وہ اس جہاں سے رخصت ہو جاتا ہے اس وقت اس کو بشریت کے عوارض سے پوری طرح نجات حاصل ہو جاتی اور اس پر لاہوتی صفت غالب آ جاتی ہے لہٰذا لوگ اس کی طرف جھکتے ہیں''۔ (القول الجلی ص ۳۸۸)

حضرت شاہ صاحب نے دیگر مشائخ کرام کے اعراس میں شرکت بھی کی اور ان سے روحانی فیوض و برکات حاصل کئے۔

ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب مخدوم جمال الدین قدس سرہ کے عرس کے موقع پر ان کی قبر شریف کی زیارت کو موضع بھلاوہ تشریف لے گئے وہاں لوگوں کا ایک انبوہ عظیم تھا اور ایک کثیر ہجوم ان کی قبر کو بوسہ دے رہا تھا مگر حضرت نے منع نہ فرمایا بلکہ وہاں تھوڑی دیر کھڑے رہے اس کے بعد مقبرے کے اندر سے باہر آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا:

''جب تک آدمی قید حیات میں رہتا ہے اور اس میں ہر چند یاد حق کرتا ہے اور ترقیات کرتا ہے لیکن یہ بہ سبب تعلق جسمانی اس کو بشریت ناسوتیت

سے کلی طور پر نجات میسر نہیں ہے اور جب اس عالم سے انتقال کر گیا تو اس
وقت بشریت سے مکمل طور پر نجات حاصل ہو کر صفت لاہوتیت غالب
آجاتی ہے لہٰذا وہ مسجود خلائق بن جاتا ہے۔(القول الجلی ص ۴۹۵)

حضرت شاہ صاحب نے اصل عبارت میں جملہ کا اختتام ''لہٰذا مسجودمی شود'' پر کیا ہے جس کا ترجمہ سطور بالا میں ''جھکتے ہیں'' سے کیا گیا ہے۔ یہ شان مسجودیت کسی نیک بندے کو خداوند عالم کا قرب حاصل کرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وہ برگزیدہ بندے جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور جن کا دیکھنا سننا پکڑنا چلنا سب اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوتا ہے۔ ایسے برگزیدہ بندوں کی محبت اللہ تعالیٰ عوام کے دلوں میں ڈال دیتا ہے پھر عوام کے دل خود بخود اس کی طرف جھکتے ہیں۔ یہی ہے شان مسجودیت ہے جو اولیاء اللہ کو فنا فی اللہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔

کشف

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کشف بزرگ تھے مستقبل میں پیش آنے والے چیزوں سے آگاہی انھیں قبل از وقت ہو جایا کرتی تھی۔ اس کشف کا اظہار جا بجا ان کی تصانیف میں درج ذیل عبارتوں سے ہوتا ہے۔ مشہور نقشبندی بزرگ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحب کے کشف کے تعلق سے ایک قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

''مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا صحیح کشف عطا کیا ہے کہ روئے زمین کی حالت
مجھ سے پوشیدہ نہیں سب کچھ ہاتھ کی ہتھیلی کی لکیروں کی طرح مجھ پر عیاں
ہے''۔(شاہ غلام علی دہلوی مقامات مظہری ص ۳۴ مطبع احمدی ۱۲۶۹ھ)

حضرت شاہ صاحب نے اپنی اولاد کے تعلق سے لکھا ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے لطف سے یہ اولاد جو مجھ عنایت کی ہیں سب
نیک بخت ہیں اور ان پر ایک طرح کی فرشتگی کا ظہور ہوگا اور غیبی تدبیر کا
تقاضہ ہے کہ دو افراد پیدا ہوں جو سالہا سال مکہ اور مدینہ میں علوم دین کی

ترویج کریں اور وہیں کی وطنیت اختیار کرلیں ماں کی طرف سے ان کا رشتہ مجھ سے ہوگا''۔ (القول الجلی ص۲۳۹)

شاہ صاحب کا یہ کشف بالکل سچ ثابت ہوا حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ رفیع الدین اور حضرت شاہ عبدالقادر یہ تینوں حضرات بہ ظاہر اور بہ باطن فرشتہ تھے جن دو افراد کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ سالہا سال مکہ اور مدینہ میں رہ کر دین کی خدمت کریں اس تعلق سے نواب صدیق حسن خاں کا یہ ریمارک قابل توجہ ہے وہ فرماتے ہیں۔

''مصداق ایں آگاہی بہ ظاہر وجود ہر دونواسئہ شاہ عبدالعزیز دہلوی است مولوی محمد اسحاق و محمد یعقوب کہ از دہلی کردہ در مکہ اقامت نمود سالہا سال بہ احیائے روایت حدیث بہ اہل عرب وعجم پرداختند''۔

(نواب صدیق حسن اتحاف النبلاء ص۴۳ مطبع نظامی کانپور ۱۳۸۸ھ)

الانتباہ شاہ صاحب کشف قبور کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں۔

''چوں در مقبرہ درآید دوگانہ برروح آں بزرگوار ادا کند اگر سورۂ فاتحہ یاد باشد در اول رکعت بخواند و در دوم اخلاص والا ہر دو رکعت پنج بار اخلاص بخواند و بعد قبلہ را پشت دادہ بنشیند و یک بار آیۃ الکرسی وبعضے سورتہا کہ در وقت زیارت می خوانند چنانچہ سورۂ ملک وغیرہ ذالک بعد قل گوید پس از فاتحہ یازدہ بار سورۂ اخلاص بخواند وختم کند تکبیر گوید و بعدہ ہفت کرہ طواف کند و دراں تکبیر بخواند و آغاز از راست و بعدہ طرف پایان رخسار نہد و بیاید نزدیک روئے میت بنشیند بگوید یارب بست و یک بار و بعد اول طرف آسمان بگوید یاروح۔''

(جب مقبرہ میں داخل ہوتو دو رکعت اس بزرگ کی روح کے لئے ادا کرے اگر سورہ فتح یاد ہوتو پہلی رکعت میں پڑھے اور دوسری بار میں اخلاص پڑھے اور اگر سورۂ فتح یاد نہ ہوتو دونوں رکعتوں میں پانچ پانچ دفعہ سورۂ اخلاص پڑھے اس کے بعد قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھ جائے اور

ایک دفعہ آیت الکرسی اور وہ سورتیں پڑھے جو عموماً زیارت کے وقت پڑھی جاتی ہیں۔ مثلاً سورۂ ملک وغیرہ اس کے بعد قل پڑھے اور فاتحہ کے بعد گیارہ دفعہ سورۂ اخلاص پڑھ کر ختم کرے اور تکبیر کہے اس کے بعد سات دفعہ طواف کرے اور تکبیر پڑھتا جائے دائیں طرف سے شروع کرے پاؤں کی طرف رخسار رکھے اور میت کے منھ کے قریب بیٹھ جائے اور اکیس دفعہ یارب کہے پھر آسمان کی طرف رخ کر کے یاروح کہے)

(رسائل شاہ ولی اللہ۔ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۱۶۱ دہلی ۲۰۰۹ء)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب کشف بزرگ تھے، مستقبل میں پیش آنے والی چیزوں سے انھیں قبل از وقت آگاہی ہو جایا کرتی تھی یہ اس کشف کا اظہار جابجا ان کی تصنیف میں مختلف عبارتوں سے ہوتا ہے۔

ختم خواجگان

حضرت شاہ ولی اللہ کے معمولات میں ختم خواجگان بھی تھا جو بزرگان دین کا ایک پسندیدہ عمل ہے۔ جب کوئی مشکل گھڑی آئے تو اس موقع سے اپنے متوسلین کو شاہ صاحب ختم خواجگان پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں اور اس کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''ختم تمام کند وبر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند''۔ (الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۱۰۰)

(اس طرح ختم پورا کرے اور کچھ مٹھائی پر خواجگان چشت کے نام کی فاتحہ پڑھے)

القول الجلی میں ہے۔

''ایک شخص نے فوج جمع کر کے پھلت پر چڑھائی کر دی اور تمام مویشی ہنکا لے گیا بعض برادران وطن ان مویشیوں کو چھڑانے کے لئے اس کے پاس گئے اور یہ خبر مشہور ہوگئی کہ اس ظالم نے ان سب کو قید کر لیا ہے۔ اور کل پھر دوبارہ کثیر فوج لے کر لوٹ مار کرے گا۔ اس خبر رقت اثر سے تمام

اہل قصبہ پریشان اور مضطرب ہوگئے اور قصہ حضرت مرشدی قبلہ گاہی کے حضور میں عرض کیا حضرت قبلہ گاہی نے وقت عشاء فرمایا کہ اس آفت ومصیبت کے دفعیہ کے لئے تمام لوگ نماز استخارہ پڑھ کر ختم خواجگان پڑھیں ہم نے آپ کے فرمانے کے مطابق اٹھ کر وضو کیا اثنائے نماز میں نے دیکھا کہ قصبہ کے چاروں طرف بہت مضبوط و مستحکم دیوار کھنچی ہے جس میں کوئی آمد ورفت کا راستہ نہیں ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد اس واقعہ کو حضرت قبلہ سے عرض کیا فرمایا کہ اب اطمینان ہوگیا اور یہ معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اس قصبہ کو شامل حال ہے۔ چنانچہ صبح کو وہ تمام لوگ جو گئے تھے صحیح سلامت واپس آ گئے اور اس ظالم نے پھر قابو نہ پایا۔

(القول الجلی ص ۴۸۱)

فاتحہ ونذر ونیاز

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اپنی تصنیف میں غوث اعظم اور دیگر مشائخ کرام کے فاتحہ اور نذر ونیاز کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں خیال رہے کہ شاہ صاحب کے نام نہاد متبعین کے یہاں کسی کو غوث کہنا شرک ہے شاہ صاحب صرف غوث ہی نہیں بلکہ غوث الثقلین کے لئے فاتحہ کی شرط لگا رہے ہیں۔ ایک ورد کا ذکر کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> ''لا الہ الا اللہ دس دفعہ ہر نماز کے بعد پڑھے ہر روز صبح کی نماز کے بعد گیارہ دفعہ یا اللہ یا واحد، یا احد، یا جواد، افتحنی منك بفتح خير انك علىٰ كل ما تشاء قدير پڑھے یہ ورد پنجشنبہ کو اس طرح شروع کرے کہ:
>
> بعد قرآة الفاتحة لغوث الثقلين قدس سره ومشائخ السلسلة من السابقين والاحقين كما اشرطه المشائخ ''

(پہلے غوث الثقلین اور آپ سے پہلے اور بعد والے مشائخ کی فاتحہ پڑھے جیسا کہ مشائخ سلسلہ نے شرط مقرر کی ہے)۔

(الانتباہ ص ۲۵ مطبع احمدی متعلق مدرسہ عزیزی دہلی ۱۳۱۱ھ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صرف عملی طور ہی نہیں تصوف سے وابستہ رہے بلکہ علمی طور بھی جوانھوں نے تصوف کی خدمت اور اس کی نشر واشاعت فرمائی ہے وہ بھی متصوفانہ ادب کا گراں قدر سرمایہ ہے۔ یوں تو شاہ صاحب کی تصانیف کی طویل فہرست ہے لیکن موضوع تصوف پر ان کی درج ذیل نگارشات بڑی خصوصیت کی حامل ہیں۔

۱۔انفاس العارفین

یہ سات مختلف رسائل کا مجموعہ ہے جس میں پہلے دو رسائل بوراق الولایة، اور شوارق المعرفة شاہ صاحب کے والد گرامی حضرت شاہ عبد الرحیم اور عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد کے حالات ملفوظات، کشف وکرامات اور معمولات پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح الامداد فی مآثر الاجداد اپنے خاندانی بزرگوں کے حالات، عطیة الصمدیه فی انفاس المحمدیه شیخ محمد پھلتی کے حالات زندگی اور النبذة الابریزیه جد اعلیٰ مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی کے بارے میں لکھے ہیں، آخری دو رسائل مشائخ حرمین کے تذکرے اور شاہ صاحب کے اپنے حالات سے متعلق ہیں۔

بظاہر تو اس کتاب کی حیثیت ایک تذکرہ کی ہے لیکن درحقیقت یہ کتاب علم شریعت ومعرفت کا خزینہ اور حکمت اور دانش کا ایسا گنجینہ ہے کہ جس میں تاریخ، فقہ، تصوف، کلام اور عقائد کے سیکڑوں مسائل باتوں ہی باتوں میں حل کر دیئے گئے ہیں، بجا طور پر خاندان ولی اللہی کے فکر تصوف کا اس کتاب کو صحیح ترجمان کہا جاسکتا ہے اور یہ کتاب بقول مولانا عبید اللہ سندھی شاہ ولی اللہ کے فلسفہ وتصوف کی روح ہے۔

(شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان۔ عبید اللہ سندھی ص ۲۱۵ سندھ ساگر اکیڈمی لاہور)

۲۔القول الجمیل فی بیان سواء السبیل

یہ کتاب اصول طریقت اور اس سے متعلق موضوعات پر مشتمل ہے یہ وہ اصول

اور قواعد ہیں جنھیں ہم نے اپنے سلسلہ نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ کے مشائخ سے حاصل کیا ہے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو میں نے اس کتاب کا نام القول الجمیل فی بیان سواء السبیل تجویز کیا ہے اللہ کی ذات ہی میرے لئے کافی اور بہتر کارساز ہے اور گناہوں سے اجتناب اور نیکیوں کی توفیق اسی کے فضل ہی سے ممکن ہے۔

اس کتاب میں سلسلہ عالیہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کے اوراد وظائف اور اشغال و مراقبہ کی تعلیم موجود ہے۔ ساتھ ہی مختلف مراحل کے طالبین تصوف کے لئے ہدایت نامہ بھی ہے اور خاندانی وظائف و معمولات بھی لکھ دیئے گئے ہیں جیسا کہ انہوں نے خود لکھا ہے کہ یہ اوراد و وظائف ان کے اور ان کے خاندان کے معمولات رہے ہیں، جن سے فائدہ پہنچا اور جو تقرب الی اللہ اور سیر فی اللہ کا ذریعہ بنے۔

۳۔ القول الجلی فی آثار ولی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حالات میں یہ پہلا اور آخری مستند ملفوظ ہے آپ کی حیات میں آپ کے حکم سے قلم بند کیا گیا جس کو حضرت لفظاً لفظاً بہ نظر غائر ملاحظہ اور اپنے قلم خاص سے اصلاح حذف و اضافہ فرماتے رہے، القول الجلی کی تالیف پر مخلص و عاشق مولف کو شاہ صاحب فرط انبساط میں دعائیں بھی دیتے رہے۔ اس کے مولف شاہ صاحب کے ماموں زاد بھائی، نسبتی بھائی، ، سمدھی، رفیق طفلی، شریک درس، شاگرد، مسترشد اور خلیفہ تھے۔ مختصر یہ کہ یہ اس شخص کی تالیف ہے جو شاہ صاحب کے کمالات وفضائل کا وارث اور امین تھا، ان کی زندگی کا ہر دور جس کی نظر میں تھا۔ القول الجلی کے اقوال ''قول فیصل'' کی حیثیت رکھتے ہیں اور ایک کسوٹی ہیں جس سے حضرت کے صحیح اور واقعی نظریات کا سراغ ملتا ہے، اس ملفوظ کی روشنی میں حضرت شاہ صاحب کی تعلیمات اور عملی زندگی کا صحیح نقشہ اور ہو بہو اصل تصویر سامنے آتی ہے۔

۴۔ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ

حضرت شاہ ولی اللہ کی تصنیف قرب الٰہی، تزکیہ نفس کے اصولوں اور جو سلاسل

ہندوستان میں رائج اور مشہور ہیں ان پر مستند اور منفرد کتاب ہے۔ اس میں ہزاروں مشائخ کے سلسلے اور اسناد بیان کی گئی ہیں اس سے اندازہ کرنا چاہئے کہ شاہ صاحب مشائخ کے سلسلوں اور ان کی نسبتوں کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ سلسلہ قادریہ، سلسلہ نقشبندیہ، سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ سہروردیہ کے اوراد و اذکار، خصائص اور ان کی ابتدا سے متعلق بحثیں ہیں ان سلاسل کے قدیم شجروں کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ یہ سلسلے کہاں ملتے ہیں، مشائخ نقشبندیہ کے اصول ومعمولات کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اسی میں شیخ تاج الدین سنبھلی کا ایک رسالہ بھی شامل ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ

> ''مشائخ نقشبندیہ کا عقیدہ وہی ہے جو اہل سنت و جماعت کا عقیدہ اور طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مستقل بندگی (دوام عبودیت) عبادت ادا کرنے کے بغیر متصور ہی نہیں اس سے مراد یہ ہے کہ سالک ہمیشہ حق سبحانہ تعالیٰ کے حضور میں رہے اس میں غیر کے شعور کا دخل تک نہ ہو۔ (الانتباہ ۱۱۷)

مختصر یہ کہ اس تصنیف میں سلسلہ نقشبندیہ کے وظائف اور اوراد دوران ذکر وساوس وخطرات کا ذکر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مشائخ نقشبندیہ کے وصول الی اللہ کے طریقے، تصور شیخ، فناء بقا، آداب ظاہری وباطنی سے متعلق بحثیں ہیں۔ کتاب کے آخر میں سلسلہ نقشبندیہ کی اہمیت کے تعلق سے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد اور دیگر مشائخ نقشبندیہ کے کچھ مکتوب درج کئے گئے ہیں۔

۵۔ الدر الثمین فی مبشرات سید المرسلین

عالم کشف ومشاہدہ اور رویاء میں آنحضرت ﷺ سے روایت حدیث اور اکتساب فیض کے موضوع پر منفرد کتاب ہے۔ اس کتاب کے متعلق سے شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

> ''احادیث مبارکہ میں سے یہ چالیس حدیثیں ہیں جو عالم خواب میں یا آپ کی روح مبارکہ کے مشاہدہ کی حالت میں آپ سے روایت کی گئی ہیں میں نے انھیں اس رسالے میں جمع کر دیا ہے۔ ان میں کچھ حدیثیں

ایسی ہیں جنھیں کسی واسطہ کے بغیر براہ راست ذات اقدس سے میں نے
اخذ کیا ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں کہ آپ کی روایت میں میرے اور
آنحضور ﷺ کے درمیان صرف دو یا تین واسطے ہیں ۔ میں نے اس کا
نام الدر الثمين فى مبشرات النبى الامين تجویز کیا ہے۔
(الدر الثمین ص۱۹۲ (رسائل شاہ ولی اللہ، کتب خانہ امجدیہ دہلی)

اس کے علاوہ اور بھی رسائل ہیں جن کی تفصیل شاہ ولی اللہ کی تصنیفات میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی اس قدر تصوف سے علمی اور عملی وابستگی کے باوجود ایسے لوگوں کا شاہ صاحب کو اپنا پیشوا بنانا جو نہ منکر تصوف بلکہ تصوف اسلام کے کھلے دشمن ہیں اور جو تصوف پسند ہیں ان کا خون بہانا ان کے نزدیک جائز و مباح ہے ایک معمہ ہے نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا ذیل کے سطور میں اس معمہ کو حل کرنے کوشش کی گئی ہے۔

جیسا کہ آغاز گفتگو میں راقم نے بتایا تھا کہ حضرت شاہ صاحب کی وہ واحد شخصیت ہے جسے ہر مسلک کے لوگ اپنا پیشوا مانتے ہیں ۔لیکن اس مذہبی پیشوا کے دینی عقائد اور مذہبی رجحانات جس کا سطور بالا میں ذکر ہوا اس سے یہ بات طے کرنے میں شاید اب دشواری نہ ہو کہ حضرت شاہ صاحب ہر مکتب فکر کے پیشوا نہیں بلکہ صرف اور صرف مسلک اہل سنت و جماعت کے علمبردار تھے ۔ ان کے معمولات و معتقدات اُس دور میں وہی تھے جس پر اِس دور میں مسلک اہل سنت و جماعت کے افراد سختی سے گامزن ہیں اور اہل سنت و جماعت وہی گروہ ہے جس کی سچی تعبیر اس دور میں ''بریلویت'' سے کی جاتی ہے ۔ اپنے ان عقائد و نظریات کی بنا پر حضرت شاہ صاحب بلا شبہ سنیوں کے پیشوا و قائد تھے ۔ اس کھلی حقیقت کے باوجود کس طرح دوسرے مکاتب فکر کے لوگوں نے انھیں اپنا پیشوا تسلیم کیا محل نظر ہے؟ اس سلسلہ میں جہاں تک راقم السطور کا مطالعہ کام کر رہا ہے وہ وہی ہے جس کی طرف اشارہ دہلی کے مستند عالم دین حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

حضرت شاہ اولیا للہ اور آپ کے صاحبزادوں کی تالیفات میں تحریف کا سلسلہ تقریباً ڈیڑھ سو سال سے رائج ہے۔

مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے یہ بات یوں ہی نہیں کہی بلکہ انھوں نے اپنے اس قول کی تائید میں حضرت شاہ رفیع الدین کے نواسے مولانا سید ظہیر الدین احمد کا وہ قول پیش کیا ہے جو انھوں نے سو سال قبل فرمایا تھا۔

''آج کل بعض لوگوں نے بعض تصانیف کو اس خاندان کی جانب منسوب کر دیا ہے اور درحقیقت وہ تصانیف اس میں سے کسی کی نہیں اور بعض لوگوں نے جو ان تصانیف میں اپنے عقیدے کے خلاف بات پائی تو اس پر حاشیہ جڑا اور موقع پایا تو عبارت کو تغیر و تبدل کر دیا''۔

(شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ص ۱۴۱)

شاہ صاحب اور ان کے خانوادہ کے بعض افراد کی تصانیف میں تحریف اور الحاقات کا ہی اثر ہے کہ آج ہر مسلک کے لوگ انھیں اپنا پیشوا ماننے پر مصر ہیں ورنہ آپ سنجیدگی کے ساتھ سوچئے کہ جس کا پورا خاندان خالص سنی صحیح العقیدہ ہو وہ کس طرح ہر مکتب فکر کا پیشوا ہو سکتا ہے۔ مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی حیات تک شاہ صاحب کی تمام تصانیف تحریف و الحاق اور تغیر و تبدل سے محفوظ تھیں جس زمانہ میں وہابی تحریک کا زور ہوا۔ اسی دور میں یہ سارے کام ہوئے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے جس کا اظہار مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی نے القول الجلی کے مقدمہ میں شرح و بسط کے ساتھ ان لفظوں میں کیا ہے۔

''افسوس ہے مولانا اسماعیل کے پیروان اس کام (تحریف) میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحریرات و مکتوبات حضرت شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن اور ان کی کتابیں، حضرت مجدد الف ثانی ان کی اولاد حضرت غلام علی حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلوی کے احوال میں خوب ہی تحریف کر کے محمد بن عبدالوہاب

نجدی اور مولانا اسماعیل دہلوی کا ہمنوا سب کو قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ اس کتاب القول الجلی کو ان لوگوں سے محفوظ رکھے'' (القول الجلی ص۵۵۲)

شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان کے مصنف مولانا حکیم محمود احمد برکاتی نے تو یہاں تک لکھا ہے۔

''شاہ صاحب کے مصنفات کو نایاب کر کے دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اپنے مصنفات کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور اپنے نظریات کی تبلیغ شاہ صاحب کے نام سے کی گئی''۔

(محمود احمد برکاتی، شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ص ۱۴۱ دہلی ۱۹۹۲ء)

جن کتابوں میں تحریفات ہوئی ہیں اس کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔ بعض تحریفات کی نشاندھی بھی کی گئی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی طرف بعض اپنی تصانیف کا نہ صرف انتساب کیا گیا ہے بلکہ تحریفات وتغیرات بھی کئے گئے اور اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی بعض اہم تصانیف میں حکم قرآن" لا تلبسوا الحق بالباطل کی خلاف ورزی کرتے ہوئے الحاق بھی کیا گیا۔ جس کی طرف اشارہ حضرت شاہ رفیع الدین کے پوتے حضرت سید ظہیر الدین احمد نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

صرف جعلی کتابیں ہی نہیں بلکہ الحاقات بھی ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر شاہ صاحب کی تفہیمات کی یہ عبارت پیش کی جاسکتی ہے جو ان کی ساری تعلیمات میں ہمارے محققین کو سب سے پہلے نظر آتی ہے۔ حالانکہ شاہ صاحب کے دوسرے نظریات سے وہ کوئی لگا نہیں کھاتی۔

''کل من ذهب الی بلدة اجمیر ا والی قبر سالار مسعود او ماضاها ها لاجل حاجة یطلبها فانه اثم اثما اکبر من القتل والزنا الیس مثله الامثل ما کان بعبد المصنوعات او مثلا من کان یدعو اللات والعزی"۔

(تفہیمات الٰہیہ ج ۲ تفہیم ۳۴ ص ۴۹ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد)

قطع نظر اس بات کے کہ فی الواقع یہ بات درست ہے کہ نہیں مگر اتنا مسلم ہے یہ مذکورہ عبارت خود شاہ صاحب کی تحریر جو زیارت قبور کے تعلق سے حجة اللّٰه البالغہ مترجم مولانا عبدالرحیم کلاچوی جلد ۲ ص ۲۵۹ لاہور اور قبرستان میں داخل ہونے کے جو آداب القول الجمیل میں اور اصحاب قبور سے استمداد کا جو طریقہ سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز نے کمالات عزیزی میں ص ۴۴۷ مطبوعہ سعید کمپنی ادب منزل میں لکھا ہے اس سے متصادم ہے۔ جہاں تک رہی اس عبارت کی صداقت کا معاملہ تو اس سلسلے میں صرف مولانا شاہ ابوالحسن زید ندوی کا تبصرہ برمحل ہوگا وہ لکھتے ہیں۔

> ''شاہ ولی اللہ کی عبارت میں اس باطل کا ملانے والا شریعت مطہرہ کے اصول وقواعد سے بے بہرہ ہے اس کو یہ معلوم نہیں کہ کسی فعل کے ثواب کو یا گناہ کو فرض قطعی کے ثواب سے یا حرام قطعی کے گناہ سے زیادہ اور بڑا قرار دینا صرف اللہ اور اللہ کے رسول کا کام ہے کوئی دوسرا اس کا بیان نہیں کر سکتا اس شخص کو نہیں معلوم کہ قتل کرنے اور زنا کرنے کے گناہ کا منکر کافر ہے اور اجمیر شریف اور بہرائچ شریف کسی حاجت کے لئے جانے والا اگر کہتا ہے کہ اس میں گناہ نہیں تو وہ کافر نہیں ہے''۔
>
> (القول الجلی کی بازیافت ص ۱۴)

آج کل دیکھا یہ گیا ہے کہ بعض دانشور طبقہ شاہ ولی اللہ کے مسلک کو دیوبندی مکتب فکر سے جوڑنے کی ہر ممکن جدوجہد کرتا ہے اور بانگ دہل یہ کہتا ہے کہ دیوبندی مکتب فکر کے علماء کے معتقدات وہی ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے تھے۔ حالانکہ یہ ان حضرات کی انتہائی غلط فہمی ہے۔ مسلک دیوبند کا ولی اللہی مسلک سے دور کا بھی واسطہ نہیں اس سلسلہ میں اپنی ذاتی رائے قائم کرنے کے بجائے بہتر ہوگا کہ ایک مستند عالم دین کی تحریر پیش کر دی جائے تا کہ حقیقت ارباب حق کے سامنے واضح ہو جائے۔ حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری استاد دارالعلوم دیوبند فرزند حضرت مولانا انور شاہ کشمیری دیوبندیت کے تعلق سے فرماتے ہیں۔

''میرے نزدیک دیوبندیت خالص ولی اللہی فکر بھی نہیں اور نہ کسی خاص خانوادہ کی لگی بندھی فکر دولت ومتاع میرا یقین ہے کہ اکابر دیوبند جن کی ابتداء میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ اکبر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہے۔ پھر آگے چل کر وہ لکھتے ہیں۔

''یہ دیوبندیت کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کے بجائے مذکورہ بالا دو عظیم انسانوں سے کرتا ہوں اس میں شک نہیں کہ ہماری حدیث کا سلسلہ حضرت شاہ صاحب پر ہی منتہی ہوتا ہے اور آج ہندو پاک میں حدیث وقرآن کے جو زمزمے سنے جاتے ہیں ان میں خانوادہ ولی اللہی کا براہ راست دخل ہے اس لئے ان کی خدمات جلیلہ کا انکار نہیں ہوسکتا تاہم کم از کم مجھے تو شاہ صاحب اور دیوبند میں فرق نمایاں اور واضح نظر آتا ہے جس کے بعد دیوبندیت کو ولی اللہی فکر کا ایک سرچشمہ قرار دینے میں مجھے تامل ہے''۔

(مسلک دیوبند کیا ہے ماہنامہ البلاغ کراچی ص ۴۹ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ)

حضرت شاہ صاحب کی متعدد تصانیف بطور خاص کتب تصوف میں توسل، استمداد، تصرف، علم غیب، حاضر وناظر، بزرگان دین کے اعراس، میلاد وفاتحہ، نذر ونیاز، اطلاع خواطر، زیارت قبور، الغرض مسلک صوفیہ صافیہ سے بھری پڑی ہے۔ اس سلسلہ میں انفاس العارفین کے مترجم مولانا محمد فاروق ایم اے کا دوٹوک فیصلہ لکھنا مناسب ہوگا انھوں نے شاہ صاحب کے مسلکی رجحانات اور صوفیاء کے معمولات کا انفاس العارفین میں وضاحت کے ساتھ ذکر کر کے لکھا ہے۔ میں نے یہ چند حوالہ جات صرف اس لئے پیش کئے ہیں تا کہ اہل علم کی توجہ اس طرف مبذول کرا دی جائے کہ ان باتوں کو محض بریلویت کی توہم پرستی کہہ کر شرک وبدعت قرار دے دینا تو رسمی سی بات ہے لیکن ذرا سوچئے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شاہ عبد الرحیم، شیخ ابو الرضا، سراج الہند مولانا شاہ عبد العزیز کیا یہ سارے کے سارے محدثین، اور علمائے حق شرک وبدعت کے عقائد واعمال پر کار بند تھے اگر ایسا

نہیں؟ تو پھر کیوں بریلوی علماء کو شرک و بدعت کا مرتکب گردانا جاتا ہے جو اپنے اکابر حضرت شیخ عبدالحق دہلوی، شیخ نورالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی روش پر گامزن ہیں؟۔

حضرت شاہ صاحب کی علمی اور عملی زندگی کا اصل چہرہ یہی تھا جو ان کتابوں کی روشنی میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا اس روشنی میں بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب کا یہ مسلک وہی سلف صالحین اور صوفیہ کا مسلک ہے جس پر امت مسلمہ کا سواد اعظم اجتماعی طور پر عمل پیرا ہے۔ اس روشن حقیقت کے باوجود پھر شاہ صاحب کے تعلق سے متضاد نظریات جو پائے جارہے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے اس تعلق سے انفاس العارفین کے مترجم سید محمد فاروق شاہ القادری کا یہ تبصرہ برمحل ہوگا وہ فرماتے ہیں۔

> ''شاہ ولی اللہ پر دو محاذوں سے کام شروع ہوا ایک طرف بعض کتابیں اپنی طرف سے لکھ کر ان کے نام کے ساتھ منسوب کی گئیں، ان کی بعض کتابوں میں الٹ پھیر یعنی الحاقات کئے گئے اس کی تفصیلات آپ کے خاندان کے ایک فرد اور آپ کی کتابوں کے ناشر سید ظہیرالدین احمد کی داخلی شہادت اور ڈاکٹر محمد ایوب قادری کے تحقیقی مضامین میں موجود ہیں راقم السطور نے بھی آج سے پچیس برس قبل انفاس العارفین کا ترجمہ شائع کرتے وقت مقدمے میں اس پر تفصیلی بحث کی تھی۔
>
> دوسری طرف شاہ ولی اللہ کی دعوت الی القرآن والسنہ، رجوع الی المشائخ والصوفیاء، بیداری روحانیت، اور استحکام نسبت کی عظیم الشان تحریک کو شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی اس تحریک کے دوش بدوش کھڑا کرنے کی مہم زوروں پر ہے جس میں شریعت کی ایک ایسی تعبیر پیش کی گئی ہے جسے امت مسلمہ کے اجتماعی فکر نے آج تک قبول نہیں کیا ہے۔ (رسائل شاہ ولی اللہ ص ۱۵)

حضرت شاہ صاحب کی کتابوں میں الحاق وتحریف اور ان کی جانب مصنوعی

کتابوں کی انتساب کا سلسلہ ان کے پردہ فرمانے کے بعد سے ہی شروع ہو گیا تھا حکیم سید احمد برکات ٹونکی، نواسۂ حضرت شاہ رفیع الدین اور جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز مولوی سید ظہیرالدین عرف سید احمد ولی اللٰہی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

''مولوی صاحب کی تیسری اہم خدمت یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے اسلاف کرام کی کتابیں شائع کیں بلکہ ایک مہم ان حضرات کے خلاف بھی چلائی جو اپنے افکار ونظریات کی اشاعت کے لئے شاہ ولی اللہ اور ان کے اخلاف کے نام استعمال کر رہے تھے۔ اور ان بزرگوں کی طرف وہ کتابیں منسوب کر رہے تھے جو درحقیقت ان کی نہیں تھیں یا ان کی کتابوں میں اپنی طرف سے اضافات کر رہے تھے''۔

مولوی سید احمد ولی اللٰہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ

''اور بعض لوگوں نے جو ان کی تصانیف میں اپنے عقیدے کے خلاف بات پائی تو اس پر حاشیہ جڑ دیا اور موقع پایا تو عبارت کو تغیر وتبدل کر ڈالا''

الغرض شاہ صاحب کے مصنفات کو نایاب کر کے دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اپنے مصنفات کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور اپنے نظریات کی تبلیغ شاہ صاحب کے نام سے کی گئی۔

خون دل خون تمنا خون شوق آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا

مولوی صاحب نے ایک فہرست بھی دی ہے جو کتابیں جعلی ان کی طرف منسوب ہوئی ہیں یا جن کتابوں میں تحریف ہوئی اور ان کے اصل نسخے لائبریریوں سے غائب کر دیئے گئے۔ جو جعلی کتابیں ان کی طرف یا ان کے خانوادہ کی طرف منسوب کی گئیں۔

۱۔تحفۃ الموحدین مطبوعہ اکمل المطابع دہلی منسوب بہ حضرت شاہ ولی اللہ

۲۔البلاغ المبین مطبوعہ لاہور منسوب بہ حضرت شاہ ولی اللہ

۳۔تفسیر موضح القرآن مطبوعہ خادم الاسلام منسوب بہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی

۴۔ملفوظات مطبوعہ میرٹھ منسوب بہ حضرت مولانا عبدالعزیز

۵۔اشارۂ مستمرہ پہلی بار مولوی فضل الرحمان استاذ جامعہ ملیہ دہلی نے ۱۹۳۶ء مکتبہ عربیہ قرول باغ دہلی سے شائع کیا۔

٦۔قول سدید کے نام سے ایک رسالہ شاہ صاحب کے نام سے شائع ہوا جس میں عدم تقلید کی تلقین وتائید کی گئی ہے۔

۷۔قرة العينين فی ابطال شهادة الحسين

اس کتاب میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ شاہ ولی اللہ نے حضرت امام حسین کی شہادت کا رد کیا ہے۔

۸۔جنة العالية فی مناقب معاوية

مکمل رسائل وکتب تصنیف کر کے شاہ ولی اللہ کی طرف منسوب کر دینے کے علاوہ ایک ہلاکت خیز حرکت یہ کی گئی کہ شاہ صاحب کی تالیفات میں جابجا ترمیم واضافہ اور تحریف بھی کر دی گئی۔محرف کتابیں یہ ہیں۔

۹۔تاویل الاحادیث

۱۰۔ همعات

حیدر آباد سندھ سے ۱۹٦۴ء میں طبع ہوئی اس کے حواشی کے اختلاف نسخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس رسالہ کے مطبوعہ ومخطوطہ نسخوں میں نمایاں اختلافات ہیں۔

۱۱۔عقد الجيد

عقد الجید کا اردو ترجمہ مولانا محمد احسن نانوتوی نے سلك مروارید کے نام سے ۱۳۰۹ھ میں شائع کیا تھا۔اس رسالہ کے آخری اوراق میں ایک جگہ فتح القدیر کا اقتباس ہے۔اس پر حاشیہ میں مولانا محمد احسن نانوتوی لکھتے ہیں۔

> قلمی نسخے میں انجام اس رسالہ کا اس نقطہ پر ہے، فتح القدیر کی عبارت آخر کتاب تک اس نسخہ میں نہیں ہے، معلوم نہیں خود مولف نے بعد کو بڑھائی یا کسی اور نے''۔

۱۲۔ تحفه اثنا عشريه

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی یہ تصنیف بھی الحاق سے محفوظ نہ رہ سکی لکھنؤ سے ایک صاحب نے شاہ صاحب کو خط لکھا جس میں تحفہ میں بعض ایسے الفاظ وعبارت کا حوالہ دیا جو شاہ صاحب نے لکھے ہی نہیں چنانچہ شاہ عبدالعزیز نے اس خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

اگر تحفہ اثنا عشریہ کے کسی نسخہ میں ایسی عبارتیں ہیں تو وہ کسی نے اپنی طرف سے بڑھا دی ہوں گی کیوں کہ روافض کے مذہب کی بنیاد شروع ہی سے فتنہ انگیزی اور مکر وکید پر ہے یہ کام بھی انہوں نے ہی کیا ہوگا۔

کسی کتاب میں تحریف والحاق انتہائی برا کام ہے، اس برے کام کو کس نے انجام دیا یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ دہلی کے مشہور نقشبندی مجددی عالم حضرت مولانا ابوالحسن زید فاروقی (وفات ۱۹۹۳ء) کے اس فیصلہ پر اس بحث کا اختتام کر رہا ہوں وہ فرماتے ہیں۔

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں کئی جگہ اس فعل قبیح (تحریف والحاق) کی برائی بیان فرمائی ہے۔ افسوس ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی پیروان اس کام میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ غلام علی، حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلوی اور دیگر اکابر کے احوال میں بہت سی تحریفات کر کے محمد بن عبدالوہاب نجدی اور مولوی اسماعیل دہلوی کا ہم نواسب کو قرار دیا ہے۔''
(القول الجلی کا مقدمہ اور اختتامیہ از شاہ ابوالحسن زید فاروقی مطبوعہ شاہ ابوالخیر اکیڈمی چتلی قبر دہلی ۱۹۸۹ء)

ان تفصیلات کے لکھنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی شخصیت نکھر کر بے داغ عوام وخواص کے سامنے آجائے تا کہ ان کی اولاد اور خاندان کے عقائد و نظریات کو انھیں پر قیاس کر کے یہ ثابت کیا جا سکے کہ شاہ ولی محدث دہلوی اور ان کے خاندان نے اسی مسلک کی پیروی کی جو اسلاف کا مسلک رہا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
علیہ الرحمۃ والرضوان

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے چار نامور فرزندوں میں سب سے بڑے تھے اور یہی دراصل آپ کے نائب اور جانشین تھے۔ بارہویں صدی ہجری کے آخر میں صاحب علم وفضل اور عابد شب زندہ دار کی حیثیت سے دیار واطراف میں مشہور تھے اور تیرہویں صدی ہجری کے آغاز میں ان کا طوطی ہندوستان میں بولتا تھا اور ساری عمر دینی خدمت کی درس وتدریس، افتاء وتصنیف اور پند وموعظت میں بسر کی۔

والد ماجد ہی کی طرح حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تصوف کے ارتقاء اور ترویج واشاعت میں بھر پور حصہ لیا، روزانہ وعظ وتبلیغ کی محفل گرم ہوتی جس میں ہر طبقہ کے لوگ شامل ہوتے ایک مرتبہ درمیان وعظ آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی سیرت کا ذکر فرمایا کہ سامعین پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ ہر شخص چشم پُرنم سے سوال کر بیٹھا کہ حضرت اس دور میں بھی ایسی صفات کے حامل لوگ موجود ہیں۔ المومن ینظر بنور القلب مومن دل کی نگاہ سے دیکھتا ہے آپ نے فرمایا ہاں سوندھ کے میاں راج شاہ ہیں جب ان کی آمد دہلی ہوگی تو آپ لوگوں کو زیارت سے مشرف کرایا جائے گا۔ چنانچہ جب وہ دہلی تشریف لائے تو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فرمایا:

> ''اے لوگو جن بزرگ کے بارے میں بتانے کا وعدہ تم سے کیا تھا وہ یہی ہیں ہندوستان کی خوش قسمتی ہے کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سیرت کے حامل حضرات اب بھی موجود ہیں اور وہ آپ کی ذات ہے کہ

قدرت نے ایسی مقدس روحوں کو پیدا کیا''۔

(تذکرہ صوفیائے میوات ص۵۳۳)

حضرت شاہ عبد العزیز نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی اس کا اثر آپ کی طبیعت پر پڑنا لازمی تھا والد ماجد شاہ ولی اللہ اور ان کے شاگرد رشید شاہ محمد عاشق پھلتی کی خدمت اور صحبت میں آپ کا بچپن گذرا ان دونوں شخصیتوں نے تصوف میں جو نمایاں کردار ادا کیا وہ تمام چیزیں حضرت شاہ عبد العزیز کی نگاہوں کے سامنے تھیں، اس لئے شاہ عبد العزیز کا مزاج بچپن سے ہی متصوفانہ تھا امرا و روسا کی مجالس سے ہمیشہ نفرت رہی مگر غربا و مساکین سے محبت اور ہمدردی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، لہو ولعب سے آپ کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا، اخلاق مندی، عجز وانکساری، اور خندہ پیشانی کے ساتھ آپ ہر ایک سے پیش آیا کرتے تھے۔ تصوف کی آپ نے اپنی تصنیف کے علاوہ ملفوظات میں جس طرح تشریح فرمائی ہے اس سے عوام کا تصوف کی طرف اور خدا سے محبت کا والہانہ جذبہ بڑھا ہے، شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص ان اولیائے کرام سے محبت کرتا ہے جو اخلاق اللہ سے متصف ہوتے ہیں تو وہ دراصل خدا کی ہی محبت ہے چنانچہ شاہ صاحب ایک سائل کے اس سوال کہ خاصان خدا سے محبت کرنے کو جو اخلاق اللہ سے متصف ہیں خدا کی محبت کہہ سکتے ہیں جب کہ وہ محبت خالصتاً للہ ہو تو آپ نے فرمایا بے شک۔

(ملفوظات شاہ عبد العزیز ص۴۲ پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز لمیٹڈ کراچی ۱۹۶۰ء)

حضرت شاہ عبد العزیز نے صرف اس تعلق سے پند و موعظت ہی صرف نہیں فرمائی بلکہ جو متصوفانہ معمولات تھے شاہ صاحب اس پر سختی سے کار بند تھے اور جس طرح مزارات اولیاء سے استمداد و استعانت کا معمول ان کے خاندان میں تھا اس پر شاہ عبد العزیز بھی سختی سے کار بند تھے اور نہ صرف کار بند تھے بلکہ خلق خدا کو مزارات اولیاء سے استمداد کا طریقہ بھی بتاتے ہیں، فرماتے ہیں۔

''اگر کسی کی قبر سے استمداد حاصل کرنا چاہے تو اس ولی کی قبر کے سرہانے کی جانب قبر پر انگلی رکھے اور شروع سورۂ بقرہ سے مفلحون تک پڑھے پھر

ولی کے پاؤں کی جانب آمن الرسول آخر سورہ تک پڑھے، پھر کہے اے
میرے فلاں حضرت میں فلاں کام کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا اور التجا
کرتا ہوں آپ بھی دعا کریں سفارش کے ذریعہ سے میری مدد کریں پھر
قبلہ کی طرف منھ کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کے لئے دعا کرے''۔
پھر شاہ صاحب فرماتے ہیں استمدادان اولیاء کرام سے مانگنی چاہئے جن
کا کمال مشہور ہو''۔(شاہ عبدالعزیز اور عقائد اہل سنت ص ۹)

حضرت شاہ عبدالعزیز اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرح فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے مزارات پر حاضری دیا کرتے تھے۔اور فرمایا کرتے تھے ولی اللہ کی قبر پر حاضری اسلام میں نجات کا ایک اہم ذریعہ ہے ایک روز شاہ صاحب نے اپنے ایک طالب علم سے ارشاد فرمایا کہ تم حضرت شاہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے مزار پر جاؤ تازہ وضو کر کے اول نماز مغرب ادا کرو اور بعد دو رکعت نماز ادا کرو اور اس میں مختلف سورتیں پڑھو ایک بلی آئے گی لیکن تم اپنی نماز پوری کر لینا،سلام پھیرنے کے بعد اس بلی کو پکڑ کر ذبح کر کے کپڑے میں لپیٹ کر ہمارے پاس لے آنا چنانچہ طالب علم نے بموجب ارشاد آپ کے حکم پر عمل کیا جب بلی کو حضرت کے روبرو کھولا کپڑا ہٹا کر دیکھا تو وہ تمام طلا ہے ،دوسرے روز طالب علم نے پھر ایسا کیا اس روز کچھ نہ ہوا تو یہ امتحان تھا اس طالب علم پر کہ اس ولی کے مزار پر حاضری دینے کی ترغیب دینا تھی کیوں کہ یہ طالب علم کشف قبور اولیا کا منکر تھا، شاہ صاحب نے اپنی کتب میں مختلف مواقع پر قبور اولیاء پر حاضری کی ترغیب دی اور قبروں پر حاضری کے بعد قبروں کا طواف اور قبروں پر سجدہ کرنے سے منع فرمایا۔

(ملفوظات (کمالات عزیزی)ص۲۳۳)

حضرت شاہ عبدالعزیز نے قبروں کا بوسہ لینے کی اجازت دینے کے علاوہ قبروں پر چادر غلاف اور پھول ڈالنے کی بھی اجازت دی ہے اور احادیث کے ذریعہ اپنے اس قول کو بھی مستند کیا ہے۔جہاں تک رہی بات قبر پر خوشبو لگانے کی تو اس سلسلے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں ''کہ میت کے کفن میں کافور وغیرہ خوشبو کی چیزیں شرعاً ثابت ہیں اور دفن کے

بعد میت قبر کے اندر رہتی ہے البتہ یہ چیزیں قبر پر رکھنے سے اس میت کی مشابہت جدید میت کے ساتھ ہوتی ہے تو احتمال یہ ہے کہ خوشبو کی چیزیں قبر پر رکھنے سے میت کو سرور ہوتا ہے اس واسطے کہ اس حالت میں روح کو خوشبو سے لذت حاصل ہوتی ہے اور روح تو باقی رہتی ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دینے کے بعد دل میں یہ یقین ہو کہ شفا اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے لیکن اپنے نیک بندوں کے وسیلہ سے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر ہمیشہ ایسا جم غفیر ہوتا کہ لوگ ہر قسم کی بیماری میں مبتلا ہو کر جب مزار پر آتے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحت یاب ہو کر واپس جاتے اسی طرح اصحاب کہف کی قبروں سے یا ان کے نام مبارک کے وظیفہ سے یا ان کی قبروں کے پاس جو مسجد ہے اس میں نفل پڑھنے سے بیماروں کو شفا حاصل ہوتی ہے۔

''ملفوظات عزیزی'' میں ایک واقعہ یہ بھی درج ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بوعلی شاہ قلندر دہلی میں مقیم تھے مکھیاں نہایت کثرت سے پیدا ہو گئیں اور لوگ ان سے تنگ آ گئے سب نے شیخ کی طرف رجوع کیا زیادہ اصرار کے بعد آپ نے مکھیوں کے نام ایک خط لکھا اور شہر کے دروازہ پر اس کو آویزاں کر دیا لوگ کہتے ہیں کہ مکھیاں جوق در جوق جانے لگیں۔

(ملفوظات عزیزی ص ۱۴۳)

حضرت شاہ صاحب اعراس بزرگان دین میں شرکت کو نہ صرف جائز سمجھتے تھے بلکہ اس میں بہ نفس نفیس شریک بھی ہوتے تھے ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب شیخ عبد العزیز شکر بار کے عرس کی تقریب میں شریک ہوئے اور شاہ غلام سادات بھی وہاں موجود تھے انھوں نے قوالوں کو طلب کیا جب قوالوں نے قوالی پڑھی تو دونوں پر وجد طاری ہو گیا۔

پھر شاہ صاحب شیخ عبد القادر جیلانی کے عرس کے بارے میں فرمانے لگے،

> ''گیارہ تاریخ کو لوگ حضرت غوث اعظم کے مزار پر بادشاہ اور اکابرین شہر مزار مبارک پر جمع ہوتے ہیں بعد نماز عصر کلام پاک کی تلاوت ہوتی

ہے، پھر نعت خوانی، آپ کے فضائل اور کرامات بیان کی جاتی ہیں اور یہ
سب کچھ بلا مزامیر ہوتے ہیں اور مغرب تک یہ سلسلہ قائم رہتا ہے، اس
کے سجادہ نشین، مریدین اور اہل مجلس حلقہ بنا کر کھڑے ہوتے ہیں، ذکر
بالجہر کرتے ہیں پھر معاملات سے فارغ ہو کر لنگر شیرینی جو کچھ موجود ہوتا
ہے اس پر نیاز کر کے تقسیم کرتے ہیں۔(ملفوظات عزیزی س ۱۲۷)

تصوف صرف یہی نہیں کہ ہمیشہ یاد الٰہی میں مستغرق رہے بلکہ یہ بھی تصوف ہے بندگان حق کی خدمت میں لگا رہے جیسا کہ صوفیاء کا معمول ومشغلہ رہا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کسی سفر میں تھے آپ کے ساتھ آپ کا ایک مرید بھی تھا مگر اس کا معمول تھا کہ جب وہ راستہ چلتا تو کنکریاں چلتے وقت راستہ سے علاحدہ کرتا جاتا مرید کا یہ عمل دیکھ کر شاہ صاحب نے فرمایا۔

''بھائی کب تک یہ تکلیف کرو گے پھر یہ بھی فرمایا کہ حدیث میں اس کا بڑا
ثواب ہے، کانٹوں کے دور کرنے کے سبب ایک مرد کی بخشش ہوگئی تھی''
(ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۴۴)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ایمان، اسلام اور احسان میں احسان کو بہت اہم گردانتے ہیں وہ فرماتے ہیں ان تینوں میں ہر ایک کا علاحدہ علاحدہ خاصہ ہے جو شخص اسلام یعنی ظاہری طاعت کا پابند ہو تو اس کا مال اور اس کی عزت پادشاہ اور طعن کرنے والوں سے محفوظ رہیں گی اور جو شخص اسلام اور ایمان دونوں رکھتا ہے اس کو نجات نصیب ہوگی اور جو شخص احسان کے مرتبہ تک پہنچ جائے اس کو اللہ تبارک تعالیٰ کی قربت نصیب ہوگی کہ احسان ایمان کا کامل مرتبہ ہے۔(ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۷۵)

حضرت شاہ عبدالعزیز اپنے ملفوظات میں اک سائل کے جواب میں فرماتے ہیں

''اولیائے کرام کی قدم بوسی اور ان کی زیارت کو جانا جائز ہے مکروہ نہیں
۔۔۔۔ ماں باپ اور اولیاء کی تعظیم کرنا درست ہے''۔
(ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۹۰)

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پیری و مریدی کے قائل تھے وہ خود سلسلہ نقشبندیہ میں مرید تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے ایک سائل نے ان سے دریافت کیا کہ:

ایک شخص کو بزرگوں سے مرید کرنے کی اجازت حاصل ہے اور مرید کو اس کے حوصلے کے مطابق شریعت و طریقت کے احکام کی تعلیم بھی دیتا ہے تو اس شخص سے مرید ہونا درست ہے یا نہیں؟

حضرت شاہ صاحب سائل کے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''مرید ہونا اس شخص سے درست ہے اس میں پانچ شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ کتاب وسنت کا علم رکھتا ہو خواہ خواندہ ہو خواہ کسی عالم سے دریافت کر کے علم حاصل کیا ہو۔

۲۔ اس میں عدالت اور تقویٰ کی صفت پائی جاوے اور کبیرہ گناہ سے پرہیز کرتا ہو اور صغیرہ گناہ پر اصرار نہ کرتا ہو۔

۳۔ اس کو دنیا سے بے رغبتی ہو اور آخرت کے امور کی طرف راغب ہو اور طاعات موکدہ ہمیشہ ادا کرتا ہو اور صحیح احادیث میں جو اذکار وارد ہیں اس میں بھی ہمیشہ مشغول رہتا ہو۔

۴۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو یعنی نیک عمل کرنے کے لئے حکم کرتا ہو اور برے اعمال سے منع کرتا ہو۔

۵۔ مشائخ سے یہ امور حاصل کئے ہوں اور معتد بہ صحبت ان حضرات کے ساتھ رکھی ہو۔ تو جب یہ شروط کسی شخص میں متحقق ہوویں تو اس سے مرید ہونا درست ہے۔ چنانچہ القول الجمیل فی بیان سواء السبیل میں تفصیل ان شروط کی مذکور ہے۔

(فتاویٰ عزیزی جلد دوم ص ۲۴۲ مطبع مجیدی کانپور)

بزرگان دین کی روحوں سے استمداد کو بھی حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی جائز سمجھتے ہیں وہ ''فتاوی عزیزی'' میں لکھتے ہیں۔

''بزرگوں کی روح سے استمداد کرنے کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم یہ ہے کہ اس طریقہ سے زندہ بزرگان دین سے بھی استمداد کرتے ہیں اور وہ طریقہ یہ ہے کہ یہ سمجھے کہ ان بزرگوں کی دعا جلد قبول ہوتی ہے اور اکثر قبول ہوتی ہے اور اس خیال سے کہ ان کو اپنے مطالب کی درخواست کے لئے واسطہ قرار دیوے اور صرف یہ سمجھے کہ یہ بزرگان دین صرف واسطہ اور بمنزلہ آلہ کے ہیں اور اس کے سوا اور کوئی دوسرا خیال نہ کرے کہ معاذ اللہ یہ بزرگان دین قادر مطلق ہیں بلکہ ان کو صرف بمنزلہ عینک کے سمجھے اور یہ بلاشبہ جائز ہے۔

اور دوسری قسم یہ ہے کہ مستقل طور پر اپنی مراد بزرگان دین سے چاہے اور یہ سمجھے کہ مراد حاصل کرا دینے میں یا خود مراد پوری کرنے میں ان کو بالاستقلال اختیار ہے اور یہ جانے کہ یہ بزرگان حق تعالیٰ کے قرب کا ایسا مرتبہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر اپنی مرضی کے تابع کر سکتے ہیں اور یہی طریقہ ہے کہ عوام جس طریقہ سے استمداد کرتے ہیں یعنی عوام اسی طریقہ سے بزرگان دین وغیرہ سے مدد چاہتے ہیں اور یہ طریقہ خاص شرک ہے۔

(فتاوی عزیزی جلد دوم ص ۲۴۵)

حضرت شاہ عبد العزیز بزرگان دین کی قبروں پر خوشبو رکھنے اور پھول ڈالنے کو بہتر سمجھتے تھے اس مسئلہ کے تعلق سے ایک سائل کے جواب میں فرماتے ہیں۔

> ''حدیث میں وارد ہے کہ ہمارے نبی ﷺ ایک مرتبہ دو قبر کے پاس گزرے اور ان دونوں قبر کی میت پر عذاب کیا جاتا تھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں میت پر عذاب کیا جاتا ہے ایسی چیز کی وجہ سے کہ ان پر شاق نہ تھی پھر خرمے کے درخت کی ایک شاخ طلب فرمائی اور اس کو درمیان سے شق فرمایا اور ایک ایک نصف دونوں قبر پر رکھ کر فرمایا یخفف عنهم العذاب مالم ییبسا یعنی تخفیف کیا جاوے گا ان

دونوں میت کا عذاب جب تک یہ دونوں حصے شاخ کے خشک نہ ہوں گے اور اس حدیث کی مراد میں علماء میں باہم اختلاف ہے، بعضے علماء نے کہا ہے کہ یہ امر صرف وقت کی تعیین کے لئے وقوع میں آیا کہ اس وقت تک عذاب میں تخفیف کی جاوے گی یعنی یہ حکم خاص ان ہی دونوں میت کے حق میں تھا، عام نہیں ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حکم عام ہے جب کوئی شخص ایسا کرے گا تو جب تک شاخ خشک نہ ہو گی عذاب میں تخفیف ہو گی اس واسطے کہ سبز شاخ تسبیح کرتی ہے اور تسبیح کی مقاربت تخفیف عذاب کے لئے باعث ہوتی ہے چنانچہ کانٹا اور گھانس وغیرہ جو قبر پر جم جاوے تو اگر وہ سبز ہووے یعنی تازہ ہووے تو اس کو وہاں سے نکالنا مکروہ ہے اس واسطے کہ جب تک یہ چیزیں تر رہتی ہیں تسبیح کرتی ہیں اور اس تسبیح سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اور میت کو انس ہوتا ہے ۔چنانچہ آنحضرت ﷺ نے خرمے کے درخت کی تازہ شاخیں قبر پر سرہانے کی جانب رکھ کر فرمایا امید ہے کہ جب تک یہ دونوں شاخیں خشک نہ ہوں گی ان کی تسبیح کی برکت سے اس سے میت کے عذاب میں تخفیف رہے گی اور اسی وجہ سے بعضے علماء نے بہتر جانا ہے کہ پھول قبر پر رکھا جاوے لیکن یہ بھی کہا ہے کہ اگر اس پھول کی قیمت بطور صدقہ کے دیویں اور اس کا ثواب اس میت کو پہنچاویں تو یہ زیادہ بہتر ہو گا اور جو کچھ قبر پر جمے اور پھر وہ خشک ہو جاوے تو وہ نکالدینا مکروہ نہیں۔(فتاویٰ عزیزی جلد دوم ص ۲۵۱)

حضرت شاہ عبد العزیز کا معمول تھا کہ نماز جمعہ کے واسطے جب جامع مسجد تشریف لے جاتے تو عمامہ آنکھوں پر رکھ لیتے ایک شخص فصیح الدین نامی جو اکثر حضور میں حاضر رہتے تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت اس کی کیا وجہ ہے جو آپ اس طرح رہتے ہیں تو آپ نے اپنی کلاہ اتار کر ان کے سر پر رکھ دی کلاہ پہنتے ہی وہ بے ہوش ہو گئے جب دیر میں افاقہ ہوا عرض کیا کہ سو سوا سو شکل آدمی کی تھی اور کوئی ریچھ کوئی بندر اور کوئی خنزیز کی شکل کا

تھا اور اس وقت مسجد میں پانچ چھ ہزار آدمی تھے حضرت نے فرمایا کہ میں کس کی طرف دیکھوں اسی باعث سے نہیں دیکھتا''۔(ملفوظات (کمالات عزیزی) ص۲۳۷)

حضرت شاہ عبدالعزیز صوفی اور متکلم کی حیثیت سے جو خدمت انجام دی ہے وہ قابل تقلید ہے آپ کے فتاوی میں تصوف کے بے شمار مسائل اور امور کا حل موجود ہے، آپ نے طریقہ قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ کی اصل حقیقت اور ان کے طریقہ ہائے سلوک وغیرہ کی پوری تشریح بیان کی ہے، توحید وجودی اور توحید شہودی کی تشریح اور ان میں اختلاف آرا کو بھی واضح کیا ہے اس کے علاوہ بہت سے مسائل تصوف کو سلجھایا گیا ہے۔

(عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، ثریا ڈار ص۳۱۴ لاہور ۱۹۹۱ء)

شاہ صاحب علم تصوف کے تعلق سے اپنی ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ علم تصوف نہایت دقیق علم ہے جس کو یہ علم حاصل ہو گیا اس کے سامنے کتاب صدرا وغیرہ کی کچھ حیثیت نہیں۔(ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص۲۶)

شاہ صاحب بلاشبہ تصوف میں یگانۂ روزگار تھے اور اس موضوع سے متعلق انہوں نے جو خدمت انجام دی ہے آج کے دور میں جو ان کے نام نہاد متبعین ہیں ان کے لئے قابل عمل اور لائق تقلید ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے کثرت مشاغل کے باوجود پرورش لوح وقلم کی بھی طرف توجہ فرمائی اور مختلف علوم وفنون پر متعدد کتابیں قلم بند کیں تصوف میں عوارف المعارف اور رسائل نقشبندیہ تصنیف فرمائیں اور دوسرے رسالے بھی لکھے۔

یہاں ہم نے صرف حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے فرزند عزیز حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی عملی زندگی اور ان کی تصانیف کے حوالے سے صرف بات کی ہے ورنہ ان کے مریدین ومتوسلین کی ایک بھاری تعداد ہے جنہوں نے ان حضرات کی سرپرستی میں تصوف کی آبیاری کی اور سلسلہ نقشبندیہ جس سے شاہ ولی اللہ اور ان کا پورا خاندان وابستہ تھا فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔اگر تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کی جائے تو وہ بہت ساری غلط فہمیاں شاہ صاحب اور ان کے خانوادہ کے عقیدہ ومسلک اور تصوف دوستی

کے تعلق سے جو ان کے نام نہاد متبعین اور تصوف اسلام کے معاندین نے سماج میں پھیلا رکھی ہیں اسے دور کی جاسکتی ہے۔ القول الجلی کی اشاعت نے اس سلسلہ میں کلیدی کردار ادا کیا ہے جب ان ملفوظات کی روشنی میں شاہ صاحب کا اصل چہرہ سامنے آیا تو فیصلہ کرنے میں دشواری ہونے لگی کہ یہ شاہ ولی اللہ وہی ہیں جنہیں تصوف مخالف کی حیثیت سے پیش کیا جاتا رہا یا کوئی اور؟ کہتے ہیں حقیقت چھپانے کی لاکھ کوشش کی جائے اور اس پر منوں مٹی ڈال دی جائے مگر حقانیت وصداقت کا ایک جھونکا ہی اس گرد کو فضاؤں میں بکھیر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ کچھ اسی طرح شاہ صاحب کی شخصیت کے ساتھ بھی ہوا اور افسوس تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ ان لوگوں نے ہی کیا جو انھیں اپنا مذہبی پیشوا اور دینی رہنما کہتے ہوئے نہیں تھکتے تھے۔ جو کچھ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادہ کے علمانے نہیں لکھا یا جو ان کا عمل نہیں تھا اس کی تشہیر کرنا اور جو ان کا نظریہ تھا اور جس پر وہ زندگی بھر عمل پیرا رہے اس کو چھپانا یہ کہاں کہ دیانت داری ہے؟ اگر ان معاندینِ تصوف کے دلوں میں ذرا بھی خوف الٰہی ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہیں کرتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو تمام سلاسل کی اجازت وخلافت حاصل تھی لیکن سلسلہ نقشبندیہ کے معمولات اور اوراد وظائف سے والہانہ لگاؤ تھا، سلسلہ نقشبندیہ کے تعلق سے حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔

> ''یوں تو سلسلہ نقشبندیہ کی کئی شاخیں ہیں مگر ہندوستان میں یہ سلسلہ بالخصوص دو ذریعوں سے پھیلا ہے ایک خواجہ محمد باقی کے ذریعہ سے اور دوسرا امیر ابوالعلیٰ کے حوالے سے۔ ماوراء النہر کے علاقے میں یہ سلسلہ مخدوم اعظم مولانا خواجگی کے ذریعہ سے مشہور ہوا۔ رسائل تصوف کے مطابق طریقہ نقشبندیہ کا مشہور ترین سلسلہ جامیہ ہے اس طریقہ کے اشغال واوراد بھی زیادہ تر اسی سلسلے سے منقول ہوئے ہیں۔
>
> پھر خواجہ محمد باقی کے حوالے سے اس سلسلے کی کئی لڑیاں ہیں ان میں دو بہت مشہور ہیں ایک شیخ محمد معصوم کی لڑی اور دوسری شیخ آدم بنوری کی ان

دونوں کے یہاں متقدمین کے اوراد واشغال کے علاوہ مزید اشغال واوراد بھی ہیں۔ اس فقیر کو ان تمام شعبوں میں اور شاخوں کے ساتھ صحیح ارتباط اور نسبت حاصل ہے چنانچہ مجھے اس سلسلے میں بیعت، صحبت، تلقین، اشغال، اجازت اور خرقہ اپنے والد گرامی شیخ عبدالرحیم سے ہے والد گرامی کو اس سلسلہ کے چار مشائخ سے ارتباط حاصل تھا سید عبداللہ اور دوسرے میر ابوالقاسم اکبرآبادی تیسرے خواجہ خورد ولد خواجہ محمد باقی چوتھے امیر نور العلیٰ خلف میر ابوالعلیٰ''۔

(رسائل شاہ ولی اللہ ص ۱۱۴ کتب خانہ امجدیہ دہلی ۲۰۰۹ء)

شاہ صاحب کو سلسلہ نقشبندیہ جن مشائخ کے توسل سے پہنچا ان کی ترتیب اس طرح قائم کی جاسکتی ہے۔

شاہ صاحب کو سلسلہ نقشبندیہ ملا ان کے والد شیخ عبدالرحیم سے انہیں سید عبداللہ اکبرآبادی سے انہیں شیخ آدم بنوری سے انہیں شیخ احمد سرہندی سے انہیں خواجہ باقی باللہ سے انہیں خواجہ محمد امکنگی سے انہیں خواجہ محمد درویش سے انہیں مولانا محمد زاہد سے انہیں خواجہ ناصر الدین عبیداللہ احرار سے انہیں مولانا یعقوب چرخی (چرخ غزنی کا نواحی گاؤں) سے انہیں علاء الدین عطار سے انہیں خواجہ بہاء الدین محمد نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ سے۔

اس طرح حضرت شاہ ولی اللہ نے سلسلہ نقشبندیہ کے اوراد واشغال اور اس سلسلہ کے مشائخ وبزرگان دین کی تعلیمات کو حرز جان بنایا اور تمام عمر اسی کی روشنی میں زندگی بسر کرتے رہے۔

حضرت شیخ العالم شیخ نورالدین نورانی ریشی کشمیر

علیه الرحمة والرضوان

ہندوستان، صوفیوں، سنتوں، رشیوں اور منیوں کا ملک ہے، بنگال کی کھاڑی سے لے کر کنیا کماری تک جتنے صوفیاء، مشائخ اور اولیائے کرام و بزرگان دین آسودہ خواب ہیں ان کی تفصیل ایک جگہ کہیں دستیاب نہیں اہل قلم نے اپنی سہولت اور معلومات کے مطابق ان مشائخ کے حالات قلم بند کئے ہیں، بعض قلم کاروں نے سلاسل طریقت کو موضوع قلم بنایا ہے اور بعض نے صاحبان سلاسل کو، صوفی کسی علاقے کا ہو، کوئی سی زبان بولنے والا ہو، اور کسی بھی سلسلۂ طریقت سے وابستہ ہو ایک چیز جو سب میں قدرے مشترک ہے وہ بندوں کا نہ صرف خدا سے رشتہ استوار کرنا ہے بلکہ ان کے دلوں سے کدورتوں اور نفرتوں کو دور کر کے خدا اور سول کی محبتوں سے اسے شاد و آباد کرنا ہے، یہی تزکیۂ نفس ہے جسے پیغمبر اسلام احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں ویُزکّیھِم کے ذریعہ شامل کیا گیا ہے، اسی نبوی مشن کی صوفیا و مشائخ زندگی بھر تعلیم دیتے رہے اور اپنے مریدین و متوسلین کے قلوب کو مزکّیٰ و مصفیٰ بنانے کی ہر ممکن جدو جہد کرتے رہے، بندگان حق کو اوامر کا پابند بنانا اور نواہی سے دور رکھنا ہی ان صوفیا و مشائخ کی زندگی کا اولین مقصد تھا، اپنے اسی مقصد کو فروغ دینے کے لیے انھوں نے پہلے مجاہدے اور عبادت و ریاضت کے ذریعہ اپنی اصلاح فرمائی، پھر رضائے الٰہی کے حصول کی ہر ممکن جدو جہد میں لگ گئے، انھوں نے بندگان حق کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور ہر اس تعلیم سے انھیں آراستہ کرنے کی کوشش کی جس سے اخوت و بھائی چارہ، پیار و محبت، صلح و آشتی، امن و شانتی اور عدم تشدد کی فضا ہموار ہو، یہ انھیں حضرات کی تعلیمات کا ثمرہ ہے کہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی آج بلا تفریق مذہب و ملت لوگ ان کی

درگاہوں، خانقاہوں اور آستانوں میں مودبانہ خمیدہ سر نظر آتے ہیں، اور انھیں وہاں قلبی اطمینان اور روحانی سکون ملتا ہے جو ہزاروں درہم ودنانیر خرچ کرنے کے بعد بھی میسر نہیں اور ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ بندہ وہاں پہنچنے کے بعد ذکر الٰہی میں مشغول ہوجاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ اطمینان قلب کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب یہی وہ مقصد تصوف ہے جس کا پرچم ان صوفی سنتوں اور رشیوں ومنیوں نے زندگی بھر بلند رکھا۔ ترک دنیا ہو یا خواہشات نفس کی مخالفت، تزکیہ نفس ہو یا تصفیہ قلب کا عمل، مقصود سب کا ایک ہے، اسی مقصد کی اشاعت وتبلیغ کے لیے صوفیا مشائخ کے قافلے سینٹرل ایشیا اور دوسرے عرب ممالک سے ہندوستان کی سرزمین پر اترے اور یہاں کی مرکزی مقامات کو اپنی داعیانہ سرگرمیوں کا مرکز بنایا، ان میں ہر سلاسل کے صوفیا ومشائخ شامل تھے، خواجہ معین الدین چشتی اجمیر، سیدنا سیف الدین عبد الوہاب جیلانی ناگور راجستھان، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور قاضی حمید الدین ناگوری دہلی، سید سالار مسعود غازی بہرائچ، اور سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھا اتر پردیش، شیخ علی ہجویری لاہور، شیخ شہاب الدین جگجوت بہار حضرت قمیص قادری بنگال، شیخ شرف الدین بلال عرف بلبل شاہ، میر سید علی ہمدانی، علیہم الرحمۃ والرضوان نے کشمیر کو اپنی شبانہ روز داعیانہ مساعی سے اپنے اپنے خطوں اور علاقوں کو اسلام کی روشنی سے نہ صرف منور کیا بلکہ پیار ومحبت اور امن وشانتی کا ایسا گہوارہ بنادیا جب تک وہ حضرات بقید حیات رہے ایک گھاٹ پر شیر اور بکری کے پانی پینے کا ماحول بنا رہا۔ ان نفوس قدسیہ کے پردہ فرمانے کے بعد لوگوں نے ان کی تعلیمات سے جب دوری اختیار کی اور ان کے پیغام محبت کو لوگوں نے فراموش کردیا جس کے نتیجے میں وطن عزیز ہندوستان نفرت وتشدد، قتل وغارت گری، کا گہوارہ بن گیا، صلح وآشتی کی جگہ دہشت گردی نے لے لی، پیار ومحبت کو نفرت وعداوت نے اپنی بانہوں میں دبوچ لیا، ایک انسان دوسرے انسان کے لیے جو کسی زمانے میں مسیحا ہوا کرتا تھا اب وہی ان کے لیے ''عدو مبین'' ثابت ہو رہا ہے۔ کہیں ذات پات کا بھید بھاؤ، کہیں خاندانی بالا دستی اور کہیں باہمی منافرت نے ہندوستانی سماج کو تہس نہس کرڈالا ہے۔ آج کے دور میں جب کہ

مادیت نے انسانوں کو بری طرح اپنے چنگل میں جکڑ رکھا ہے، ان صوفیا و مشائخ کی روحانی تعلیمات کو پھر سے عام و تام کرنے کی ضرورت ہے۔

شیخ العالم نے ریشیت یا صوفیائے کرام نے تصوف کا جو پرچم ہندوستان کی سرزمین پر بلند کیا یہ کوئی نئی اور انہونی شئے نہیں یہ وہی ''احسان'' ہے جس کے بارے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے جواب میں فرمایا تھا کہ احسان یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی اس طرح عبادت کرے کہ وہ یہ سمجھے کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ ممکن نہیں تو کم از کم یہ تصور کرے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے، یہی تصوف کی اصل ہے جس کی شرح میں ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور ہزاروں لکھی جائیں گی جن لوگوں نے احسان پر مضبوطی کے ساتھ عمل کیا، خوبصورتی کے ساتھ اس پر گامزن رہے، نماز پڑھی تو تمام اس کے محاسن کے ساتھ خدا کے سامنے سجدہ ریز ہوئے، کسی دینی عمل میں ریاکاری اور ذرہ برابر بھی نمائش کا شائبہ نہیں رہا، ہر عمل مخلصانہ تھا، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

رَضِیَ اللّٰہ عَنھُم وَرَضُوا عَنه ذٰلِكَ لِمَن خَشِیَ رَبَّه (البینة ۔۸)

(اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی یہ اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے)

بعد کے علمانے اسی کو بنیاد بنا کر تصوف کے مسائل بیان کئے اور برملا اس کا اعلان کیا کہ تصوف کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے۔ حضرت محدث محمد صدیق غماری نے ایک استفتا کے جواب میں لکھا ہے۔

> ''رہا یہ سوال کہ تصوف کی بنیاد کس نے ڈالی تو جان لو کہ اس کی بنیاد وحی آسمانی ہے، جیسا کہ دین محمدی میں جو کچھ ہے سب کی بنیاد وحی الٰہی نے ڈالی ہے، بلاشبہ تصوف وہی ہے جسے حدیث شریف میں احسان کہا گیا ہے، احسان دین کے تین ارکان میں سے ایک رکن ہے''۔
>
> (الانتصار لطریق الصوفیہ ص۶)

سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری نے اس کا سرا اول البشر

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے جوڑا ہے انھوں نے لکھا ہے کہ تصوف کی ابتدا پر غور کرو گے تو اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ہی پاؤ گے اس عالم میں پہلے صوفی حضرت آدم (صفی اللہ) علیہ السلام ہیں۔ ان کے ذریعہ یہ سلسلہ آگے بڑھا تو حضرت شیث علیہ السلام تک پہنچا آپ نے انھیں خلافت بھی سپرد کی، چنانچہ نسلاً بعد نسل اسی طریقہ پر عمل ہوتا رہا اور تصوف کی دولت ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کو یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہی۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ صوفی صافی اول حضرت آدم علیہ السلام کی خلوت در انجمن کے لیے خانہ کعبہ کی بنیاد پڑی یعنی دنیا میں پہلی خانقاہ، کعبۂ مکرم ہے، اس سے پہلے کسی خانقاہ کا وجود نہ تھا، خرقہ و خانقاہ کی اصل حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے قائم ہوئی۔

(مکتوبات صدی مکتوب نمبر۲۲ ص ۱۷۱)

انبیا و مرسلین کے ذریعہ جب یہ سلسلۂ تصوف نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تصوف کے بنیادی عنصر تزکیہ نفس کو بعثت کے بنیادی مقاصد میں شامل کر لیا اور فرمایا هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیْنَ رَسُولاً مِّنهُم یَتلُوا عَلَیهِم آیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الکِتٰبَ وَالحِکْمَۃَ یعنی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا بنیادی مقصد دعوت الی اللہ اور کتاب وحکمت کی تعلیم کے علاوہ تزکیۂ نفس وتصفیۂ قلب بھی تھا، اس لیے انھوں نے اپنی زندگی کو پوری دنیا کے انسانوں کے لیے ایسا ماڈل بنا کے پیش کیا جس میں کہیں نقطہ رکھنے کی گنجائش نہیں تھی، اسی وجہ سے قرآن کریم نے اس آیت وَلَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُولِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ کے ذریعہ تمام انسانوں کو رسول اکرم کی زندگی کو نمونہ بنانے کا حکم دیا جس کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ تصوف کی جڑیں قرآن وسنت سے بہت مربوط اور مستحکم ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت دائرہ تصوف سے خارج نہیں، کچھ مخصوص صحابہ کرام میں صوفیانہ صفات بدرجہ اتم پائے جاتے تھے، چوں کہ تزکیہ نفس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا بنیادی مقصد تھا، اس لیے جب غریب و نادار صحابہ کرام مدرسہ صفہ سے وابستہ ہوئے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کی اسی طرح تربیت فرمائی اور وہ صحابہ بھی عسرت وتنگ دستی کے باوجود عبادت الٰہی

اور مجاہدۂ نفس میں انہماک کے ساتھ مصروف عمل رہے، ان کے شبانہ روز حالات کو دیکھ کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جنت کی بشارت سنائی اور فرمایا:

''اے اصحاب صفہ تمہیں بشارت ہو پس میری امت میں جو لوگ ان صفات سے متصف ہوں گے جن سے تم متصف ہو اور ان پر رضا مندی سے قائم رہیں گے تو وہ بیشک جنت میں میرے ہم نشین ہوں گے''۔

جن صحابہ و تابعین نے ایمان و عمل کے ساتھ دین کے اس تیسرے رکن ''احسان'' کو سختی کے ساتھ اپنی زندگی میں داخل کیا اور رضائے الٰہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا وہ صحابہ کرام ہمیشہ مسجد نبوی کے چبوترے پر ہی صبح و شام کرتے، مسلسل عبادت و ریاضت کی وجہ سے صدق و صفا اور توکل و رضا کے ایسے پیکر ہو گئے تھے جن کی مثالیں دی جانے لگی تھیں، ایسے ہی لوگوں کو صوفیائے کرام کا پہلا گروہ تسلیم کیا جاتا ہے، تصوف کا پہلا دور انھیں حضرات پر مشتمل تھا۔ تصوف کا دوسرا دور جو ایک سو سال کی مدت پر پھیلا ہوا ہے اس دور میں حضرت اویس قرنی اور حضرت حسن بصری جیسے اہم حضرات تابعین کا نام آتے ہیں تیسرا دور تبع تابعین پر مشتمل ہے اس دور کا آغاز ۱۵۱ھ/۷۶۸ء سے شروع ہو کر ۳۵۰/۹۶۱ء پر ختم ہوتا ہے، اس دور کے مشائخ میں حضرت فضیل بن عیاض حضرت ابراہیم بن ادہم اور حضرت رابعہ بصریہ، حضرت ذوالنون مصری جیسے اہم مشائخ کرام کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ تصوف کا تیسرا اور چوتھا دور تصوف کے لیے انتہائی اہم تھا۔ چوتھے دور ہی میں تصوف نے باضابطہ ایک فن کی شکل اختیار کر لی اور تصوف کے موضوع پر فارسی زبان میں سب سے پہلی کتاب '' شیخ علی ہجویری کے نوک قلم سے "کشف المحجوب" کی شکل میں منظر عام پر آئی۔ اور پانچویں صدی ہجری کے دوران تصوف کی تدوین اور بھی وسیع پیمانہ پر ہوئی، اس دور میں اسلاف کے متعلق حکایات اور ان کی تصانیف کے اقتباسات کا قیمتی اضافہ کیا گیا۔

ہندوستان میں دوسری صدی ہجری ہی سے اشاعت اسلام کی غرض سے مشائخ کرام کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے شیخ بوعلی سندھی وہ ہندوستانی بزرگ ہیں جن سے حضرت بایزید بسطامی نے توحید اور فنا کے مباحث معلوم کیے، تیسری صدی ہجری میں حسین

منصور الحلاج (شہادت ۳۱۰ھ/۹۲۲ء) ہندو پاک تشریف لائے، پانچویں صدی ہجری میں شیخ علی بن عثمان ہجویری (وفات ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) غزنہ سے ہندوستان تشریف لائے اور لاہور میں مستقل سکونت اختیار کی، حضرت شیخ علی ہجویری کے بعد پوری ایک صدی تک دنیائے تصوف میں سناٹا چھایا رہا، پھر چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں ایران اور عراق سے چار سلسلے ہندوستان آئے اور یہ چاروں سلاسل چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور فردوسیہ جنوبی بھارت میں داخل ہوئے چھٹی صدی ہجری میں خواجہ فریدالدین عطار (وفات ۶۲۸ھ/۱۲۳۱ء) نے برصغیر میں پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھا، پرتھوی راج کے دور حکومت میں خواجہ شیخ معین الدین چشتی اجمیری اور ان کے ہمراہ قطب الہند فرزند غوث اعظم سیدنا شیخ سیف الدین عبدالوہاب جیلانی ہندوستان تشریف لائے اور ان دونوں حضرات میں اول الذکر نے اجمیر اور موخر الذکر نے ناگور میں قیام کیا، آٹھویں صدی ہجری ہی میں حضرت عبدالرحمن بلال عرف بلبل شاہ اور شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی صوفیا و مشائخ ایک جماعت کے ساتھ تبلیغ دین کے لئے کشمیر تشریف لائے۔

کشمیر جنت نظیر ہندوستان کا ایسا خوبصورت صوبہ ہے جو اپنی خوبصورتی کی بنیاد پر پوری دنیا میں ضرب المثل ہے اس صوبہ کا نام کشمیر کیوں رکھا گیا اس سلسلے میں ارباب علم و دانش کے مختلف نظریات ہیں، ڈاکٹر غلام محی الدین، ''آزاد کشمیر ایک سیاسی جائزہ'' میں لکھتے ہیں۔

> ''وادی کشمیر جو اس سے پہلے ''ستی سر'' جھیل کہلاتی تھی اس کا پانی خارج کر کے اس کا نام ''کاسمیرا'' رکھا گیا ''کا'' سے مراد پانی اور 'میرا'' سے مراد ایسی جگہ ہے جس کا پانی ہوا سے نکال دیا گیا ہو، کاسمیر سے مراد ایسی جگہ جس کا پانی خارج کر دیا گیا ہو'۔ (آزاد کشمیر ایک سیاسی جائزہ ص۱۲)

> ایک اور توضیح کے مطابق

> ''کشمیر دو لفظوں ''کس'' اور ''میر'' کا مرکب ہے، ''کس'' سے مراد نالہ اور'' میر'' سے مراد پہاڑ ہے، کسمیر کا مطلب پہاڑوں اور نالوں کا ملک۔ ایک

تیسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ قوم کاش نے سب سے پہلے اس جگہ کو آباد کیا ہے
جس کے سبب اس خوبصورت وادی کا نام ''کاشمیر'' پڑا ہے''۔
(آزاد کشمیر ایک سیاسی جائزہ ص۱۲)

کشمیر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں خواہ کتنے ہی اختلافات ونظریات کیوں نہ ہوں لیکن اس صوبہ کی سر سبزی وشادابی اور حسن وخوبصورتی کے بارے میں تمام مورخین اور ارباب فکر ونظر اس بات پر متفق ہیں کہ۔

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است ہمین است وہمین است

صوبہ کی اسی خوبصورتی کی وجہ سے اس کی تعریف میں اہل زبان نے مختلف قصائد اور متعدد نظمیں لکھی ہیں۔ محمد الدین قادری نے اپنی کتاب ''روضۃ الابرار'' میں عربی زبان کا ایک قطعہ

كانت الكشميرُ وساكنُها جناتُ عدنٍ هي للمومنين
قد كتب الله علىٰ بابها ساكنها كان من الآمنين

(کشمیر مومنوں کے لیے جنت ہے اور اس کے باشندے ہر طرح مامون ہیں)

درج کر کے یہ لکھا ہے کہ اس قطعہ کی نسبت سلسلہ سہر وردیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی طرف کی جاتی ہے۔ (روضۃ الابرار ص۷)

اس شہر کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ طوفان نوح، اس شہر پر پہلے ہندو راجہ قابض تھے، پھر برسوں بعد یہ شہر مسلمانوں کے زیر نگیں آیا اس خیال کی تائید نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کے ان جملوں سے ہوتی ہے جسے انھوں نے ''ریاض المرتاض'' نامی کتاب میں درج کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''یہ شہر (کشمیر) طوفان نوح کے بعد سے آباد ہے اس شہر پر پہلے رایان ہند کی حکومت تھی اور تقریباً چار ہزار تین سو سال اس شہر پر ان کا تسلط رہا۔ ۷۳۵ھ/۱۳۲۵ء میں یہ شہر سلطان شمس الدین التمش کے ہاتھوں فتح

ہوا اور تقریباً دو سو سال اس خاندان کی اس شہر پر حکومت رہی۔۹۶۰ھ/۱۵۵۲ء میں شہر قو چکاں جو شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے ان کے قبضے میں چلا گیا۔۹۹۴ھ/۱۵۸۵ء میں اس شہر پر اکبر اعظم کا قبضہ ہو گیا۔ ۱۱۶۶ھ/۱۷۵۲ء میں احمد شاہ درانی نے اس شہر پر قبضہ کر لیا۔۱۲۳۲ھ/۱۸۱۸ء میں اس شہر پر سکھ قابض ہو گئے اور ان کا قبضہ مسلسل ۲۷ سال رہا۔ یہاں تک کہ فتح لاہور کے بعد ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں یہ شہر گلاب سنگھ کے سپرد ہو گیا''۔(ریاض المرتاض ص۳۴)

انیسویں صدی کے آخر میں ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں جو تبدیلی رونما ہوئی وہ ارباب سیاست سے مخفی نہیں اس سیاسی اُتھل پتھل کے نتیجے میں کبھی اس پر مسلمان برسر اقتدار رہتے اور کبھی یہ شہر ہنود کے ہاتھوں میں چلا جاتا۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی مذکورہ بالا رائے سے بعض مورخین نے اختلاف کیا ہے اور لکھا ہے کہ کشمیر پر مسلمانوں کا قبضہ آٹھویں صدی ہجری کی دوسری دہائی کی ابتدا میں ہی ہو چکا تھا۔محمد بن قاسم کے بارے میں ملتا ہے کہ اس نے ۷۱۱ھ/۷۱۳ھ کے درمیان سندھ اور زیریں پنجاب پر قبضہ کیا،اس کے بعد ملتان سے آگے بڑھ کر اپنا لاؤ ولشکر لے کر مملکت کشمیر کی سرحد تک جا پہنچا۔

اس کے علاوہ جب ہشام بن عمر تغلبی (وفات ۱۵۷ھ/۷۷۳ء) کو خلیفہ منصور نے سندھ کا والی مقرر کیا،تو اس نے بھی کشمیر پر حملہ کیا اور کوہستان ہمالیہ کے جنوبی دامن تک پہنچ گیا اور البلاذری کے قول کے مطابق اس نے کشمیر فتح کر لیا وہ لکھتا ہے۔

وجّه الی جنةِ الهندِ فافتحَ قشمیراً(فتوح البلدان ص۴۳۱)

(وہ ہندوستان کی جنت کشمیر کی طرف متوجہ ہوا اور اسے فتح کر لیا)

ان تفصیلات سے پتا چلتا ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی میں اگر چہ بعض صوبوں پر نہیں لیکن بعض حصوں پر مسلم حکمراں قابض ہو چکے تھے۔چوں کہ افواج میں اولیاء اور صلحا بھی ہوتے تا کہ فتح وکامرانی کے بعد کفر وشرک کے دلدل میں پھنسے اللہ کے بندوں کو توحید

الٰہی کے پرچم تلے لائیں اور انھیں محاسن اسلام سے آراستہ کریں، اشاعت دین حق سے متعلق اولیائے صالحین و بزرگان دین کا یہ داعیانہ اور مبلغانہ عمل ملک پر فتح و کامرانی کا پرچم بلند کرنے کے بعد شروع ہو جایا کرتا تھا۔ اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے حافظ عماد الدین ابن کثیر (وفات ۷۷۴ھ/۱۳۷۲ء) نے اموی افواج اور ان کی فوجی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"وکان فی عساکرِهم وجیوشِهم فی الغزوِ الصالحونَ الاولیاءُ والعلماء مِن کبارِ التابعین فی کلِ جیشٍ منهم شِرذمة عظیمة ینصرُ اللهُ بهم دینَه"

(البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۸۷)

(امویوں کے افواج و عساکر میں جنگ کے دوران اولیائے صالحین اور علما ہوتے تھے، ہر فوجی دستے میں ان بزرگوں کی ایک بڑی جماعت ہوتی تھی جن کی بدولت اللہ اپنے دین کو کامیابی عطا کرتا تھا)

کشمیر میں مسلم حکمرانوں نے قدم رکھتے ہیں اس خطہ پر قبضہ جمانے کی کوششیں تیز کر دی تھیں، مگر ان کی کوششیں اس وقت بار آور ہوئیں جب ۷۲۰ھ/۱۳۲۲ء میں ریخچن شاہ سریر آرائے سلطنت ہوا، اس شخص نے اپنی حکمت عملی سے پورا کشمیر اپنے زیر نگیں کر لیا تھا وہ بودھ مذہب کا پرستار ضرور تھا مگر وہ در پردہ اس مذہب سے بیزار بھی تھا، اس لیے کسی دوسرے مذہب کو اپنانے کی فکر میں تھا اور اس سلسلے میں دوسرے مذاہب کے علماء سے مل کر اس مذہب کی اچھائیاں اور برائیاں جاننے کی فراق میں بھی رہتا، اس سلسلے میں اس نے بیشتر مذاہب کے علماء سے ملاقاتیں بھی کیں مگر وہ علماء اپنے کردار و گفتار سے اسے مطمئن نہ کر سکے، پھر اس کی بے چینی اور بڑھ گئی اور صراط مستقیم کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگا بالآخر اس نے:

''اس شخص کا مذہب قبول کرنے کا فیصلہ کیا جسے وہ صبح دیکھے گا، پہلا شخص جو اس کے سامنے آیا وہ بلبل شاہ تھا، جو عبادت میں مصروف تھا وہ فوراً اس کے پاس گیا اور اس کے مذہب کے خاص اصول دریافت کیے اور پھر

انھیں قبول کرلیا''۔(کشمیر سلاطین کے عہد میں حاشیہ ص ۵۵)

رنچن شاہ کے اسلام قبول کرتے ہی کشمیری حکومت کا نقشہ ہی بدل گیا، کئی ایک بادشاہ پے در پے اپنے اراکین حکومت کے ساتھ داخل اسلام ہوئے، اس طرح باقاعدہ طور پر اسلام اپنی تمام تر تشخصات کے ساتھ کشمیر میں پھیلنا شروع ہوگیا، اس لیے بعض مورخین نے لکھا ہے کہ چودہویں صدی عیسوی میں حضرت بلبل شاہ علیہ الرحمہ کے ہاتھوں اسلام کی داغ بیل سرزمین کشمیر میں اس وقت پڑی جب رنچن شاہ اپنے عمائدین حکومت کے ساتھ اسلام سے مشرف ہوا۔ اس کا اسلامی نام صدر الدین تجویز ہوا، مگر اچانک حضرت شیخ بلبل شاہ اور سلطان صدر الدین دونوں یکے بعد دیگرے انتقال کرگئے اس لیے یہ سلسلہ کچھ وقت کے لیے پھر رک گیا، یہ بات اگر چہ مسلّم ہے تاہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ کشمیر کی سرزمین اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی رسم ورواج سے ناآشنا نہ تھی، جیسا کہ''نگارستان کشمیر'' کے مصنف نے لکھا ہے۔

''کلش دیو کے عہد میں وج برور (جو سری نگر سے تیس میل کے فاصلے پر تھا) میں ایک مسلمان خاندان آباد تھا جو تاک کے نام سے مشہور تھا یہ لوگ تاجر تھے اس کے علاوہ اس خاندان کے لوگ اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز تھے۔
(نگارستان کشمیر ص ۳۰۷)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی بہت قدیم ہے، کیوں کہ کشمیر کے اکثر باشندے اہل تبت کی نسل سے ہیں اور تبت چین کا ہی ایک علاقہ ہے، اور ملک چین میں اسلام عہد رسالت ہی میں پہنچ چکا تھا اور وہاں کا بادشاہ تانک رسول اکرم ﷺ کے عہد ہی میں مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا، تبت کی آبادی بودھ مذہب اور اسلام دونوں کے ماننے والوں پر مشتمل تھی جنھیں''ارغوان'' کہا جاتا تھا، کشمیر میں ارغوان قوم کی آبادی تبتیوں کی نسل سے بڑھی پھیلی جیسا کہ''نگارستان کشمیر'' کے مصنف نے لکھا ہے۔

''کشمیر کے اکثر باشندے اہل تبت کی نسل سے ہیں جب چین وخراسان میں اسلام ساتویں صدی عیسوی میں آیا، پھر وہاں سے تبت اور تبت سے

کشمیر۔نسلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے سلسلے میں اگر
دوصدی فرض کر لیے جائیں جب بھی کشمیر میں اسلام کا داخلہ نویں صدی
عیسوی میں قرار ہونا پایا جاتا ہے''۔(نگارستان کشمیر ص ۳۶۸)

حضرت عبدالرحمٰن شرف الدین بلال عرف بلبل شاہ بحیثیت مبلغ اسلام کشمیر کی سرزمین پر قدم رکھنے والے پہلے شخص ہیں ان کا تعلق سلسلہ سہروردیہ سے تھا یہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے فیض یافتگان میں سے تھے،ان کی روحانی عظمت کے بارے میں صاحب ''روضۃ الابرار'' لکھتے ہیں۔

''از اکمل عرفائے وقت بود در تفرید و تجرید نادرۂ روزگار و مقبول حضرت کردگار بود، می فرمود کہ حق تعالیٰ مرا آں قوت دادہ است بے قُوت زندگانی بگزرانم، بہ ہمیں بدن عنصری بے مفارقت بدار البقا بردم وہمیں جسم را توانم تا ابدالاباد محفوظ دارم اما ایں ہرسہ امور موافق سنت نبوی نیست بنابریں مرتکب آں نمی شوم''۔(روضۃ الابرار ص ۱۱)

(ان کے زمانے میں تجرید و تفرید میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا مقبول بارگاہ الٰہی تھے،فرماتے تھے کہ اللہ نے مجھے ایسی طاقت بخشی ہے کہ میں بغیر کھائے پیئے زندہ رہ سکتا ہوں اور دار فانی کا سفر اپنے ظاہری جسم کے ساتھ کر سکتا ہوں اور اس جسم کو قیامت تک اسی طرح محفوظ رکھ سکتا ہوں مگر یہ تینوں چیزیں چوں کہ سنت رسول کے خلاف ہیں اس لیے میں ایسا نہیں کر سکتا)

حضرت بلبل شاہ کے ساتھ یہی وہ تائید الٰہی شامل حال رہی جس کے باعث کشمیر کی سرزمین ان کے روحانی فیوض و برکات کا مخزن بنی اور دین حق کے فروغ سے ایک نئی فضا ہموار ہوئی،جیسا کہ حضرت داؤد مشکاتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے۔

شد بہ کشمیر اول از دستش درخت دیں نہال
شیخ و مرشد عارف حق حضرت بابا بلال
(تذکرہ اولیائے ہند ص ۱۴۸)

حضرت بلبل شاہ کے علاوہ دیگر مبلغین بھی کشمیر آتے رہے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، تبلیغ دین کی غرض سے ۷۶۲ھ/۱۳۶۰ء میں حضرت سیدنا تاج الدین ہمدانی اپنے فرزند ارجمند حضرت سید حسن بہادر کے ساتھ تشریف لائے، حضرت سیدنا تاج الدین ہمدانی امیر کبیر سید علی ہمدانی کے چچیرے بھائی تھے انھوں نے کشمیر کی سرزمین پر اشاعت اسلام میں تن من دھن کی قربانی پیش کی ،وہ شہر خاص ''نوہٹہ'' میں مدفون ہیں۔ ۷۷۵ھ/۱۳۷۳ء میں حضرت سید حسین سمنانی سلطان شہاب الدین کے عہد حکومت میں پیر پنچال کے راستے سے کشمیر تشریف لائے، آپ نے بھی اس سرزمین پر احیائے اسلام کی ترویج کے لیے پوری جانفشانی سے کام لیا، آپ ''کالگام'' میں مدفون ہیں۔ حضرت میر سید علی ہمدانی بقول ٹی ڈبلیو آرنلڈ پہلی مرتبہ دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے سات سو سادات کے ہمراہ ۷۷۴ھ/۱۳۷۲ء میں کشمیر تشریف لائے، چار ماہ قیام فرمانے کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے دوبارہ واپسی کشمیر میں ۷۸۱ھ/ ۱۳۷۹ء میں ہوئی انھوں نے اپنے اس دورہ میں ڈھائی برس اشاعت دین حق کا اہم فریضہ انجام دیا، وادیٔ کشمیر میں اسلام کو رونق بخشی ،اسلامی قوانین جاری کر کے شریعت کے اوامر ونواہی سے شیدایان اسلام کو باخبر کیا، خواجہ سید میر علی ہمدانی کا روحانی تعلق سلسلہ کبرویہ سے تھا جس کے بانی آفتاب طریقت حضرت نجم الدین کبریٰ علیہ الرحمۃ والرضوان تھے۔ پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ رقم طراز ہیں۔

> ''مشہور روایت ہے کہ کشمیر کے پہلے مسلمان بادشاہ جس کا نام صدر الدین یا شمس الدین تھا چودھویں صدی عیسوی کے اوائل میں ایک درویش بلبل شاہ نامی کی تلقین سے اسلام قبول کیا اس کے بعد ۱۳۸۸ء میں شیخ علی ہمدانی کی کشمیر میں آمد ہوئی اور اسلام نے کشمیر میں ان کے ذریعہ بہت فروغ پایا، ان کے ہمراہ سات سو سادات تھے۔ جنھوں نے ملک کے دوسرے حصوں میں پھیل کر اسلام کی تبلیغ کی''۔ (دعوت اسلام ص ۲۸۹)

کشمیر کی سرزمین پر اسلام کا باضابطہ مکمل تعارف امیر کبیر سید علی ہمدانی ہی کی

ذات ستودہ صفات سے ہوا بقول ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر:

"کشمیر آنے والے تمام بزرگوں میں سید علی ہمدانی کامیاب ترین مبلغ ہیں ،سید علی ہمدانی کی آمد سے قبل کشمیری، اسلام سے متعارف ضرور تھے مگر ان کے دلوں میں عقیدۂ توحید ابھی راسخ نہ تھا"۔ (میر سید علی ہمدانی ص ۱۲۶)

حضرت میر سید علی ہمدانی کے کشمیر میں ورود مسعود کے وقت قلب وادی میں "ہندی ریشیت" کا صدیوں پرانا مضبوط اور راسخ ماحول موجود تھا جس میں اثر پذیر ہونے کے بجائے اثر انداز ہونے کی بھی قوت تھی، چنانچہ اولین مشائخ چشت نے خذ ما صفا ودع ماکدر پر عمل کرکے کچھ وقت تک اس کے ساتھ مصالحت بھی کی، جس نے بہت جلد کشمیر میں اسلام کے داخلے اور فوراً اس کی اشاعت کی راہ ہموار کرنے میں بڑی مدد فراہم کی، کچھ ہی مدت کے بعد یہی غیر مسلم ریشی اسلام کے کھلے داعی اور مبلغ بن گئے، ان ریشیان کشمیر میں جس نے اس سلسلے میں کلیدی کردار ادا کیا وہ شیخ العالم نور الدین نورانی ریشی تھے، سید محمد فاروق بخاری لکھتے ہیں۔

"خود حضرت شیخ نور الدین ریشی جو اپنے زمانے میں اس مقدس طبقہ کے سرخیل تھے حضرت میر محمد ہمدانی کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے، اس وقت ہر مذہب وملت کے تارک الدینا لوگوں کے لیے ریشیت کا دروازہ کھلا تھا مگر حضرت شیخ نور الدین نے حضرت میر محمد ہمدانی کی ملاقات کرنے اور ان کی ارادت اختیار کرنے کے بعد ریشیت کے لیے قبول اسلام لازمی شرط بن گئی، بلکہ حضرت شیخ نے خود ہی ریشیت میں اصلاح کا بیڑا بھی اٹھایا اور اسے احسان وسلوک سے ہمکنار کیا"۔

(ہمارا ادب (اولیا نمبر) ص ۲۷)

بعد کے دوسرے مبلغین ومشائخ بت پرستی کے مقابلہ میں خدا پرستی اور توہم پرستی کے مقابلہ میں رسالت کا پیغام لے کر کشمیر آئے وہ حضرت سید محمد رفاعی تھے جو ڈیڑھ سو بزرگان دین کے ہمراہ شوپیان کے راستے سے ۸۲۷ھ/۱۴۲۱ء میں کشمیر آئے تھے، آپ سید

احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد میں سے تھے مگر قادری نسبت رکھتے تھے۔ان کے علاوہ کشمیر میں داعیان اسلام کی ایک فہرست ہے جن میں وہ ریشیان کشمیر بھی شامل ہیں جن کے نام مسخ اور محرّف صورت میں آج بھی شیخ ریشی رحمۃ اللہ علیہ کے منظوم کلام میں موجود ہیں، بقول سید محمد بخاری: کشمیر کے مسلم مورخین اور اصحاب تراجم کی یہ بھی ایک خامی رہی ہے کہ انھوں نے انھی بزرگوں کے ساتھ اعتنا کیا ہے جو کشمیر تشریف لا کر یہیں مستقل طور پر اقامت گزیں ہوئے تھے اور جو حضرات یہاں تشریف لائے اور کچھ وقت گذار کر واپس لوٹ گئے ان کی طرف ہمارے مصنّفین نے کوئی توجہ نہ دی ان میں حضرت سید جلال الدین بخاری (مخدوم جہانیاں جہاں گشت) حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی اور حضرت سید محمد گیسودراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں واضح اشارے ملتے ہیں کہ وہ بھی کشمیر تشریف لائے تھے۔موخر الذکر دونوں بزرگ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کے رفقا میں سے تھے۔ (ہمارا داب اولیا نمبر ص ۲۱) ان تفصیلات کی روشنی میں مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ کشمیر میں اشاعت اسلام کا سہرا مسلم فاتحین کے سر نہیں جنھوں نے تیر تفنگ اور شان وشوکت کی بدولت کشمیر فتح کیا بلکہ اس کا سہرہ ان صوفیائے کرام اور بزرگان دین کے سر ہے جنھوں نے ظاہری بے سروسامانی کے عالم میں وہ محیر العقول کارنامے انجام دیئے جو ارباب سطوت نہ کر سکے، انھوں نے ہی لوگوں کے دلوں کو فتح کیا اور ان کے قلوب پر اپنی حکومت کی، مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی اس کا اعتراف ''عرب و ہند کے تعلقات'' نامی کتاب میں کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں۔

> ''کشمیر میں حملہ آوروں نے نہیں بلکہ مسلمان عالموں ، اور درویشوں کی تاثیروں نے مسلمانوں کے دلوں کو فتح کیا''۔
>
> (عرب و ہند کے تعلقات ص ۴۰۱)

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

حضرات گرامی ! ان تفصیلات کی روشنی میں مختلف ادوار میں کشمیر کے اندر جو تصوف کی جو سرگرمیاں رہی ہیں انھیں سلیم خان گمی کے بقول تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

دور اول: کشمیری تصوف افکار وتصورات یا اشغال واعمال کے کسی منضبط منطقی یا واضح دبستان کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ایسا مرکب ہے جس کے اجزا میں ناگ مت کی رسومات، برہمن مت کی عزلت پسندی، بدھ مت کی رہبانیت اور شیومت کی تصوریت شامل ہے۔

دور دوم: اس دور کا تصوف خالصتاً اسلامی تصوف ہے جو ایران کے صلحا واتقیا کے وعظ وتبلیغ کے طفیل خطہ فردوس (یعنی کشمیر) میں اشاعت پذیر ہوا اور دور اول کے سلبی متصوفانہ افکار وتصورات پر غالب آ گیا اس عہد کے صوفیائے کرام ومبلغین عظام میں حضرت سید شرف الدین بلال عرف بلبل شاہ اور سید ناشاہ میر سید علی ہمدانی علیہم الرحمۃ والرضوان سرفہرست ہیں۔

دور سوم: اس دور میں کشمیری تصوف کے بانی شیخ العالم نور الدین نورانی عرف نند رشی ہیں اصل یہی وہ دور ہے جس میں کشمیری مقامی تصوف پروان چڑھا۔ اس دور کا تصوف پہلے اور دوسرے دور کے متصوفانہ افکار وتصورات کی پیوند کاری اور آمیزش کا نتیجہ ہے اور یہی وہ اصل کشمیری تصوف ہے جو نہ تو بدھ مت یا ہندومت سے لگّا کھاتا ہے اور نہ خالصتاً اسلامی مذہب سے''۔ (کشمیری تصوف کا تاریخی پس منظر، چٹان لاہور ص ۹، ۲۳ر دسمبر ۱۹۶۳ء)

کشمیر کی سرزمین پر یکے بعد دیگرے کئی سلاسل طریقت آئے جس نے کشمیر کی سرزمین پر پہنچ کر اپنے فیوض وبرکات سے خطہ کشمیر کی حسین وسرسبز وادی کو مالا مال کر دیا، چودہویں صدی آتے آتے چھ سلاسل طریقت کشمیر کی سرزمین پر پائے جانے لگے تھے۔ قادریہ، سہروردیہ، کبرویہ، نقشبندیہ، نوربخشیہ، اور رشی سلسلہ، اول الذکر پانچ سلال طریقت تو ایران وترکستان سے یہاں پہنچے تھے لیکن موخر الذکر رشی سلسلہ کشمیر ہی کی پیداوار ہے، اس سلسلہ کا خمیر یہیں تیار ہوا اور یہیں اس کو فروغ حاصل ہوا۔ اسی قسم کا ایک نظریہ سلیم خاں گمی نے بھی قائم کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> ''چودہویں صدی عیسوی میں اسلام ریاست جموں وکشمیر کے کونے کونے میں پھیل چکا تھا اور تصوف کے چھ بڑے سلسلے استوار وقائم ہو چکے تھے، یہ چھ سلسلے قادریہ، سہروردیہ، کبرویہ، نقشبندیہ، نوربخشیہ اور رشی تھے، پہلے پانچ

سلسلوں کا منبع ایران اور ترکستان کی مملکتیں تھیں، لیکن موخر الذکر یعنی رشی سلسلہ تصوف خاص کشمیر سے متعلق تھا''۔

(کشمیری تصوف کا تاریخی پس منظر، پیام مشرق دہلی ص ۱۷، اکتوبر ۱۹۶۷ء)

رشی سلسلہ خالصتاً کشمیری ہے جیسا کہ سطور بالا میں مذکور ہوا کہ اس سلسلہ کا خمیر اسی سرزمین پر تیار ہوا اور یہیں اس کی نشو ونما ہوئی، بچپن کے مراحل سے گذر کر یہ سلسلہ یہیں نوجوان اور پھر جوان ہوکر تناور درخت کی شکل اختیار کر کے برگ وبار لانے لگا۔ لفظ رشی سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی تارک الدنیا ہوکر یاد خدا میں مشغول رہنے کے ہیں۔ رشی سے مراد وہ شخص ہے جو اپنا گھر بار چھوڑ کر کسی غار میں گوشہ نشین ہو کر عبادت الٰہی میں مصروف رہے۔ ابو محمد حاجی محی الدین احمدی ''تحائف الابرار'' میں لکھتے ہیں۔

''مراد از ریشی شخصے است کہ اولاد واز واج ومنال ومتاع وامتعہ واقمشہ وآراضی ومواشی وغیرہ راترک دادہ، زہد وریاضت وتقویٰ وعبادت ومحنت ہائے شاقہ بکار بر دو در کوہ غارہا سکونت نماید''۔ (تحائف الابرار ص ۸۷)

ریشیان کشمیر میں شیخ العالم حضرت نور الدین ریشی علیہ الرحمۃ والرضوان کا نام سرِ فہرست ہے، ان کے والد شیخ سالار دین راجگان کشتواڑ کے خانوادہ سے تھے، انھیں کے متدین گھرانہ میں عید قرباں کے دن موضع کیموہ میں ۷۷۹ھ/۱۳۷۷ء میں نور الدین نورانی کی ولادت ہوئی۔ ''تحائف الابرار'' کے مصنف لکھتے ہیں۔

زہجرت سید عالم ازیں دار ... کہ بُد ہفتاد وہفصد نہ پدیدار
زہے آں شیخ نور الدین امجد ... تولد یافت از تاریخ سرمد

(تحائف الابرار ص ۹۲)

نور الدین نورانی رشی کے والد ماجد سالار دین انتہائی متقی، پرہیز گار اور عابد شب زندہ دار تھے۔ کشتواڑ کے راجگان سے ان کا نسلی تعلق تھا، جب اسلام سے نا آشنا تھے ''سُلر سنز'' کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے تھے، ان کے باپ کا نام ''گرزا سنز'' دادا کا نام ''ہنر سنز'' اور پردادا کا نام ''زنگا سنز'' تھا۔ سُلر سنز جب یاسمن رشی کی خدمت میں ''بچبارہ''

حاضر ہوئے تو ان کی نگاہ کیمیا اثر نے وہ کام کیا کہ دل کی دنیا ہی بدل گئی۔انھیں کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے ،اور ''سالار دین'' نام رکھا گیا ،یاسمن ریشی کی ایما پر ایک بیوہ جن کا نام سدرہ ماجی تھا شادی ہوئی ،انھیں لے کر وہ کیموہ چلے گئے اور وہیں گزر بسر اوقات کرنے لگے ،ایک دن شیخ سُلر اپنی بیوی سُدرہ ماجی کے ساتھ یاسمن ریشی کی بیمار پُرسی کو گئے اور وہ ایک چشمہ پر بیٹھے تھے کہ اچانک للّہ عارفہ ہاتھ میں ایک گلدستہ لے کر وہاں پہنچیں یاسمن ریشی ان سے پھولوں کا گچھا لے کر سُدرہ ماجی کو دے دیا اور کہا سر پر لگاؤ خداوند کریم تم کو ایک بیٹا عطا کرے گا جو ہماری حقیقت اور ہمارے حال کا وارث ہوگا، یاسمن ریشی تو اسی بیماری میں وفات پاگئیں مگر للّہ عارفہ سُدرہ ماجی کی خبر گیری کرتی رہیں اور بیٹا پیدا ہونے کی خوش خبری سناتی رہیں ،۷۵۷ھ میں عید قرباں کے دن شیخ العالم کی ولادت ہوئی ''خاص اللہ'' تاریخ ولادت ہے۔نندہ ریشی پیدائشی نام رکھا گیا جو آگے چل کر نور الدین ولی ،شیخ نورالدین نورانی ،شیخ العالم شیخ نورالدین میں تبدیل ہوگیا۔اپنے بھائیوں کے ساتھ بچپن میں خاندانی کاموں سے لگ گئے مگر اس کام میں ان کا دل نہ لگتا ایک دن وہ اپنی ماں سے کہنے لگے مجھے معاف کیجئے اور مجھے خدا کے کام کے لیے چھوڑ دیجئے آپ کے رزق کا ذمہ دار خدا ہے، یہ کہہ کر گھر سے نکل پڑے ،کئی مہینے کشمیر کے علاقوں میں سیر کرتے رہے ایک دن انھوں نے سرکار دوعالم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے چار یاروں سمیت ایک کشتی میں بیٹھے ہیں اور کشتی خشکی پر چل رہی ہے، آپ ﷺ نے انھیں کشتی میں بٹھالیا اور دریافت کرنے لگے کہ تمہارا کیا نام ہے؟ آپ نے فرمایا ''نندہ'' کشمیری زبان میں ''نندہ'' اچھے اور خوبصورت کو کہتے ہیں ،اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تمھارا نام اتنا اچھا لائق اور زینت دینے والا ہے پھر چاہئے کہ تو بھی برا نہ ہو پھر اپنے دست مبارک شیخ کے کندھے پر رکھ کر دعا فرمائی اور چار یار نے آمین کہی ،جب شیخ العالم نیند سے بیدار ہوئے تو انھیں معلوم ہوا کہ زمین سے لے کر عرش تک ساتوں طبق ان کے سامنے روشن ہوگئے ہیں ،پوشیدہ بھیدوں اور غیبی باتوں سے ان کا دل بھر گیا ہے ،دنیا کا کوئی بھید اور کوئی راز ان سے پوشیدہ نہیں ''تذکرہ اولیائے کشمیر'' کے مصنف لکھتے ہیں کہ:

''حضرت شیخ العالم کا طریقہ سلسلہ اویسی تھا اور انھیں پیغمبروں، اور ولیوں کی روحوں سے تربیت اور فیض باطنی ملا تھا''۔(تذکرہ اولیائے کشمیر ص۱۱۹)

کہتے ہیں کہ باپ کی وراثت کا سچا جانشین بیٹا ہی ہوا کرتا ہے، نورالدین رشی اپنے والد ماجد کے صحیح اور سچے جانشین تھے، بلکہ ان سے بھی دو قدم آگے، جب ولادت ہوئی تو خلاف فطرت دودھ پینے سے گریز کرتے رہے، آپ کے اس عمل سے آپ کی والدہ ماجدہ ''سدرہ ماجی'' بہت پریشان ہوئیں اسی وقت للّہ عارفہ آپ کے گھر پہنچیں اور انھوں نے آپ کو گود میں لے کر اپنا پستان آپ کے منہ میں ڈال دیا اور فرمانے لگیں۔

دنہ مندہ چھکنہ چنہ چھک مندہ
از تولد شدن شرمندہ نشدی از چشیدن شیر شرم می کنی
(آنے سے نہیں شرمائے دودھ پینے سے شرم آتی ہے)
(تحائف الابرار ص۹۲)

''تحائف الابرار'' کے مصنف نے نور الدین رشی کا سال ولادت ۷۷۹ھ ۱۳۷۷ء لکھا ہے اور صاحب ''خزینۃ الاصفیا'' کے بقول للّہ عارفہ ۷۵۶/۱۳۵۵ء میں ہی اللہ کو پیاری ہو چکی تھیں پھر کس طرح نورالدین رشی کی ولادت کے موقع پر ان کے گھر پہنچیں، یہ بات قابل غور ہے؟ صوفیائے کشمیر سے متعلق جتنے مآخذ ہمارے سامنے ہیں صاحب خزینۃ الاصفیا کے علاوہ کسی نے للّہ عارفہ کا سنہ وفات درج نہیں کیا ہے، اس لیے مصنف ''تحائف الابرار'' کی عبارت بہر حال محل نظر ہے۔

شیخ العالم شیخ نورالدین رشی یگانۂ روزگار تھے، کئی محاسن میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا، پیدائش سے لے کر تا دم زیست کبھی جھوٹ و بہتان کے قریب نہیں گئے، جب بھی گفتگو فرماتے قرآن وحدیث ہمیشہ پیش نظر رہتا، بابا خلیل اللہ اپنی غیر مطبوعہ تصنیف ''روضۃ الریاضات''' میں فرماتے ہیں۔

''شیخ نورالدین علیہ الرحمہ از بدی مقال تا وصال ذوالجلال بر زبان صدق بیان کذب و بہتان نراند وکلام فیض پیام غیر از ترجمہ نص واخبار سید انام نخواند''۔(روضہ الریاضایات قلمی)

شیخ العالم نور الدین نورانی کو کشمیر میں ریشت کا علمبردار مانا جاتا ہے، ان کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے قریہ قریہ، بستی بستی اور شہر شہر کو اسلامی تعلیمات سے منور و مزین فرمایا، انھوں نے آسان لب ولہجہ میں دین متین کی تبلیغ واشاعت فرمائی جس کی بنا پر ان کے کلام کو ''کاشر قرآن'' (یعنی قرآن کا کشمیری ترجمہ) مانا جاتا ہے، حضرت شیخ کی ذات ستودہ صفات خالص اسلامی تصوف کی آئینہ دار ہے۔ انھوں نے ریشیت یا تصوف کو تبلیغ دین کا ذریعہ بنایا۔ ان کی وہ واحد شخصیت تھی جس نے حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کے بنا کردہ مقدس کارناموں کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ دوام بھی بخشا۔ وہ انتہائی متقی، پرہیز گار، عابد شب زندہ دار، تارک الدنیا تھے، اللہ کے نبی کا یہ فرمان کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل ان کے پیش نظر تھا، گوشہ نشینی کی زندگی بسر کی السلامة فی الوحدة پر ان کا عمل تھا، علائق دنیا سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ الدنیا جیفة وطالبها کلاب (دنیا ایک مردارشی کی طرح ہے جس کے طلب گار کتے ہوتے ہیں)، یاد الٰہی میں اس طرح مستغرق ہوئے کہ گھر والوں کی فکر نہ رہی یکسوئی کے لیے ایک غار کھود کر اسی میں عبادت الٰہی کرنے لگے، جب آپ نے اس طرح عبادت الٰہی کا سلسلہ شروع کیا تو آپ کی اہلیہ اور بچوں کا سارا خرچ آپ کی والدہ ماجدہ سدرہ ماجی پر آن پڑا، والدہ ماجدہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور گھر چلنے کو کہا جب آپ اس پر راضی نہ ہوئے تو ماں مادری حقوق کے تعلق سے آپ سے گفتگو فرمانے لگیں، آخر میں انھوں نے آپ سے اپنے دودھ کا دعویٰ پیش کر دیا مگر پھر بھی آپ نہ مانے معاً بعد آپ نے زمین سے ایک پتھر اٹھایا تو اس میں سے دودھ کا فوارہ بہہ نکلا، آپ نے اپنی ماں سے فرمایا پیاری اماں دودھ جو تو نے مجھے پلایا ہے اس میں سے لے لو، یہ منظر دیکھ کر آپ کی ماں حیران رہ گئیں، اور جتنا دودھ پلایا تھا بخش دیا، پھر آپ کی اہلیہ اسی غار کے پاس آئیں، گھر واپس چلنے کے لئے انھوں نے بھی بہت منت وسماجت کی، مگر آپ نہ مانے تو پھر اہلیہ نے کہا اسی غار میں میں بھی آپ کے ساتھ رہوں گی، نہیں تو آپ میرے ساتھ گھر چلئے؟ اتنا سننا تھا کہ آپ نے اس غار میں ببول کے کانٹے بچھا دیئے اور پھر اس پر کروٹیں بدلنے لگے، یہاں تک کہ سارا بدن لہولہان

ہو گیا، آپ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ آؤ اس پر لیٹ جاؤ مگر اس خاردار بستر پر لیٹنے کے لیے وہ کیوں کر تیار ہوتیں؟ اپنے مطالبہ سے باز آئیں اور اپنے شریک زندگی شیخ نورالدین کی یہ حالت دیکھ کر رونے، چیخنے اور چلانے لگیں پھر کہنے لگیں اچھا میں نے تو آپ سے اپنی ساری امیدیں ختم کر لیں مگر آپ اپنے بچوں پر تو ترس کھائیے اور گھر چلئے تو آپ نے فرمایا: آج کی رات تو ان بچوں کو اپنے پاس رکھ لے کل میں خدا سے ان کی چارہ سازی کے لیے کہوں گا۔ اہلیہ بچوں کو اپنے ساتھ لے کر روتی، چلاتی گھر چلی گئیں ادھر آپ نے دست دعا بلند کی اور اپنے رب سے یوں فرمانے لگے۔

> ''اے خدا تو اپنی زندگی کے لیے فارغ رکھ یا بچوں کی خدمت کے لیے چھوڑ'' جب صبح ہوئی تو حضرت شیخ کے دونوں بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی دونوں بستر پر مردہ پائے گئے اور پھر دونوں کو ایک قبر میں دفنا دیا گیا''۔
> (تذکرہ اولیائے کشمیر ص ۱۲۰)

شیخ العالم نورالدین رشی اہل وعیال سے لاتعلق ہو کر جو عبادت الٰہی میں مصروف ہوئے تو مورخین کے بقول بارہ برس مسلسل اسی غار میں مصروف عبادت رہے اور کانسی و جنگلی ساگ کے پتوں کے علاوہ کچھ نہ کھایا بعض لوگوں نے اسے طریقہ عمل کو رہبانیت سے تعبیر کیا ہے حالاں کہ اسلام میں رہبانیت نہیں رہبانیت کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے کے لیے ہمارے نبی دنیا میں تشریف لائے تھے اور یہ فرمایا کہ رھبانیة هذه الامة الجهاد فی سبیل اللّٰه (اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے) راہ حق میں مجاہدہ و ریاضت کو ہرگز رہبانیت نہیں کہا جا سکتا ہے اس حقیقت کا انکشاف مرید ہندی ڈاکٹر اقبال نے پیر رومی مولانا جلال الدین رومی سے کی اس گفتگو سے ہوتا ہے مرید ہندی، پیر رومی سے دریافت کرتے ہیں۔

کاروبارِ خسروی یا راہبی　　کیا ہے آخر غایت دین نبی

پیر رومی مولانا جلال الدین فرماتے ہیں۔

مصلحت در دین عیسیٰ غار وکوہ　　مصلحت در دین ما جنگ و شکوہ

کتب تواریخ ملتا ہے کہ رہبانیت کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوسو سال بعد ہوا کشمیر کی سرزمین پر ایک عرصہ تک اسی رہبانیت کو قرب الٰہی کا وسیلہ اور ذریعہ سمجھا جاتا رہا ایسے ہی لوگوں کو کشمیر کی سرزمین پر ریشی کہا گیا۔ یہ ریشی حضرات بے نفس ہونے کے ساتھ انسان دوست بھی ہوتے اور سماج میں انھیں اعلیٰ مقام حاصل ہوتا مگر سرزمین کشمیر کے عارف باللہ مشائخ نے خدا جوئی کی اس راہ اور طریقہ کار سے اعراض کیا ہے جسے راہبانہ تصور رکھنے والے ریشیوں سے اپنایا گیا تھا، علمدار کشمیر حضرت شیخ نور الدین نورانی نے تصوف اور ریشت کو یکجا کر کے اسے خالص اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش کی اس لیے اپنی زندگی وہ مجاہدہ وریاضت کی دشوار گذار مراحل سے بھی گذرے اور دوسری طرف ارباب طریقت کا دامن تھام کر اسلامی تصوف کے اسرار ورموز سے بھی بہرہ ور ہوئے اس لیے ان کی شخصیت تمام مذاہب کے لوگوں کے لیے مینارۂ ہدایت بنی، علمدار کشمیر کی ذات گرامی سے اس ریشت میں تصوف کا آمیزہ ضرور ہو گیا مگر چوں کہ ریشیت کو قدامت حاصل تھی اس لیے بنام ریشیت ہی اسے شہرت ملی اور اس کی عظمت کا اعتراف تمام اہل علم وعرفان نے کیا۔ ابو الفقر بابا نصیب الدین غازی نے ریشیوں کے تعلق سے ''نور نامہ'' میں لکھا ہے۔

روشنائی شمع دیں از ریشیاں است ره نمائی ره یقیں از ریشیاں است
دل نوازی مردم اہل نیاز ازصفائی باطنی از ریشیان است
بُرجہائے قلعۂ کشمیر را استوار از بارگاہی از ریشیان است

حضرت بابا داؤد مشکاتی نے ریشیت کا سرا قرآن کریم کی اس آیت سے جوڑا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یٰابَنِی آدَمَ قَد اَنزَلنَا عَلَیکُم لِبَاسًا یُّوَارِی سَواٰتِکُم وَرِیشاً وَلِبَاسُ التَّقوَیٰ ذالِكَ خَیرٌ ذالِكَ مِن آیاتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُم یَتَذَکَّرُون

(الاعراف۔۲۶)

(اے آدم کی اولاد بے شک ہم نے تمھاری طرف ایک لباس وہ اتارا کہ تمہاری

شرم کی چیز یں چھپائے اور ایک وہ کہ تمہاری آرائش ہو اور پر ہیز گاری کا لباس وہ سب سے بھلا، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں)

اس سے واضح ہے کہ ریشیت اسی تقویٰ شعاری، پرہیز گاری، خدا ترسی، اور آخرت پسندی کا نام ہے جس کی تعلیم اللہ کے نبی نے دی ہے۔ یہ سلسلہ کوئی نیا نہیں حضرت شیخ العالم نے پہلا ریشی سرکار دو عالم ﷺ کو قرار دیا ہے انھوں نے اپنے منظوم کلام میں ایسے سات ریشیوں کا نام پیش کیا ہے جن کا تعلق صدر اسلام اور اس کے قریب زمانہ سے تھا وہ فرماتے ہیں۔

ا۔اول ریشی احمد ریشی ۲۔دویم حضرت اویس آو

اسی طرح ان ساتوں کے نام منظوم کیے ہیں جو اس طرح ہیں۔

ا۔حضرت احمد ریشی ۲۔حضرت اویس ریشی ۳۔حضرت از لکا ریشی

۴۔حضرت میران ۵۔حضرت رمہ ریشی ۶۔حضرت پلاس ریشی

ساتویں ریشی کو ریشیوں کو زمرہ میں شامل کرنے سے احتراز کیا ہے۔ ان تمام ریشوں نے اپنی تمام زندگی مجاہدہ اور ریاضت میں گزاری شیخ العالم اسی روایت کے مطابق غار نشین ہوئے اور وہیں عبادت و ریاضت میں برسوں منہمک رہے، حد درجہ کی نفس کشی کی، خواہشات نفس اور حواس خمسہ پر مکمل قابو حاصل کیا۔

اس راہبانہ تصور سے اعراض کا اندازہ آپ کے اس کلام سے ہوتا ہے جو آپ نے اپنے خلیفہ حضرت شاہ نصیر الدین ریشی سے فرمایا تھا۔

جنگلوں کی طرف جا کر بیاباں نوردی کرنا بہت بڑی غلطی ہے مجھے خیال تھا کہ غالبًا یہی عبادت ہوگی حالاں کہ یہ عبادت نہیں بدنامی ہے انھوں نے اپنے کلام میں اس تصور عبادت یعنی رہبانیت کو مٹانے کی بات کہی ہے وہ فرماتے ہیں۔ ''جنگلوں اور غاروں میں سکونت کرنا تو بندروں اور چوہوں کا کام ہے ہاں رتبہ خاص ایسے نیکو کاروں کو عطا کیا گیا جو متاہلانہ زندگی گذارتے ہوئے اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہ کر پانچ نمازوں کو برقرار رکھیں گے اور انھی نمازوں سے تصفیۂ قلب کی دولت حاصل کریں گے۔ حدیث شریف میں

ہے کہ اگر کوئی دن میں پانچ مرتبہ نہائے تو بدن پر میل نہیں رہے گا اسی طرح وضو کرنے سے گناہوں سے پاک ہوگا اور پانچ نمازوں سے دل کی کدورت دور ہوگی۔

علمدار کشمیر شیخ العالم نے جو رہبانیت سے اعراض کیا تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ دنیا پرست بن گئے اور دنیا دارانہ زندگی اختیار کرنے لگے بلکہ انھوں نے اپنی حیات میں اسی فقر کو اپنایا جس کے بارے میں پیغمبر اسلام فرماتے تھے " الفقر فخری " یہ فقر ان کا اضطراری نہیں بلکہ اختیاری تھا۔ المختصر یہ کہ مجاہدہ و ریاضت کی تکمیل کے بعد جب آپ نے آبادی میں قدم رکھا کئی گاؤں اور قصبات کا سفر کیا اور بالآخر چرار شریف میں مستقل سکونت اختیار کی تو میر سید محمد ہمدانی ۲۵ رجب المرجب ۸۱۴ھ کو اپنے دوستوں اور مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، طویل گفتگو کے بعد حضرت شیخ نے ان سے بیعت لی اور ارشاد کا خط حاصل کیا۔

حضرت شیخ کی مکمل زندگی مجاہدہ میں گذری، پورے چھبیس سال آپ نے اناج کا کوئی لقمہ نہیں کھایا، زندگی کے آخری ایام میں صرف ایک پیالا دودھ پیا کرتے تھے اور وصال کے کچھ دن قبل صرف پانی پر اکتفا فرماتے رہے، جب آپ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو آپ کے محبوب خلیفہ بابا نصر الدین (وفات ۸۵۵ھ/۱۴۵۱ء) نے آپ سے دریافت کیا۔

> ''حضرت کس چیز کی تمنا ہے؟ فرمایا حق کی۔ پوچھا آپ کے سامنے کون حاضر ہے؟ فرمایا حق۔ پوچھا آپ کس سے بات کر رہے ہیں؟ جواب دیا حق سے۔ عرض کیا کوئی شربت پی لیں؟ فرمایا ساری عمر خدا کی خوشنودی کے لیے نہ پیا اب کیسے پیوں؟ پھر پانی کا ایک گھونٹ پیا اور حق کہہ کر جان، حق کے سپرد کر دی''۔

حق کا حق کہہ کے حق ادا جو کیا رحمت حق ہوئی، حق سے جا کے ملا

(تذکرہ اولیائے کشمیر ص ۱۲۴)

اپنی مستقل سکونت چرار شریف میں دفن ہوئے، صدہا سال آپ کی زیارت

بلاتفریق مذہب وملت باشندگان ہند کے لیے فیض رساں رہی، مگر ۱۹۹۴ء میں آپ کا مزار اقدس کچھ شر پسندوں کے ہاتھوں جل کر راکھ ہو گیا اور اس طرح ایک خلقت آپ کے روحانی فیوض و برکات اور آستانہ کی زیارت سے کچھ دنوں تک محروم رہی، اب اس آستانہ کی تعمیر جدید ہو چکی ہے بڑا پُر کشش اور فیض رساں آستانہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس آستانہ پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور انوار وتجلیات کی بارش پیہم نازل فرمائے۔ آمین یا رب العرش العظیم۔

شیخ العالم کے پردہ فرمانے کے بعد ان کے خلفا و جانشین نے رشی سلسلہ کی کشمیر کی سرزمین پر آبیاری فرمائی، ان میں زین الدین ریشی جو شیخ العالم کے محبوب خلیفہ تھے بطور خاص قابل ذکر ہیں انھوں نے کشمیر میں رشد وہدایت کی قندیلیں روشن کیں، وہ حضرت نور الدین ولی کے عالی مرتبہ شاگرد، ہم وطن، ہم عصر اور ہم مسلک تھے، ان کا اصلی نام زینہ سنگھ اور بعض نے زیا سنگھ لکھا ہے، دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد زین الدین نام رکھا گیا۔ شیخ العالم کی خدمت میں رہنے لگے شیخ العالم اپنی مناجات میں ان کے بارے میں فرماتے ہیں ''کہ میرا زینہ آب حیات کا چشمہ ہے، اس نے خدا تعالیٰ کی اتنی بندگی کی کہ شاگرد استاد سے آگے بڑھ گیا، اے خدا مجھے بھی ایسی کشائش عطا کر'' جب حضرت شیخ العالم کو معلوم ہوا کہ زین الدین درجۂ کمال کو پہنچ گیا ہے تو انھیں ''عیش مقام'' کی گپھا میں خلوت نشینی کا حکم دیا۔ اور شیخ زین الدین ''عیش مقام'' روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ غار سانپوں اور بچھوؤں کا اڈہ بنا ہوا ہے ان سے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا یہ غار اب درویشوں کے لیے مخصوص ہو گیا تم سب کہیں اور چلے جاؤ سانپوں اور بچھوؤں نے رات کی مہلت مانگی اور اگلے دن وہاں سے نکل کر اسی پہاڑ پر دوسرے غار میں اس وعدہ پر چلے گئے کہ وہ آج سے کسی کو ڈنک نہ ماریں گے۔ وہاں آپ نے پانی کے لیے بھی دعا فرمائی اور غار کے پاس ہی ایک درخت کے نیچے کھود کر ایک گڑھا سا بنایا جہاں پانی کا سوتا پھوٹ پڑا جو نہ صرف ان کے لیے بلکہ اس علاقہ کے باشندوں کی تمام ضروریات کے لیے کافی ہو گیا۔ اس طرح آپ سے بے شمار کرامتیں ظاہر ہوئیں جن کی تفصیل ان کی سوانح سے متعلق لکھی جانے

والی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

کشمیر کے ریشی حضرات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان پر ہندو تہذیب کا اثر تھا وہ اکثر جنگل میں جا کر عبادت کرتے تھے اور کھانوں میں سبزی پسند کرتے تھے گوشت کھانے سے بچتے تھے، دنیاداری سے دور رہنا ان کا معمول تھا۔

کشمیری تہذیب وثقافت کے فروغ میں ریشی صوفیا نے بھی بڑے اہم کردار ادا کیے ہیں ان میں خواتین رشیوں کا بھی اہم کردار رہا ہے جن میں للّہ دید جو عارفانہ شاعری کرتی تھیں سماج پر ان کی شاعری کے گہرے اثرات ہیں، دوسری سید تاج خاتون جو سلطان شہاب کی فوج کے کمانڈر سید حسن کی بیٹی تھیں وہ بھی بہت قابل خاتون تھیں، بی بی ماریہ جن کی زندگی عارفانہ تھی اکثر وہ مراقبہ میں رہا کرتی تھیں آپ ملک سیف الدین کی بیٹی تھیں، بیگم خاتون جو کافی تعلیم یافتہ تھیں اور عارفانہ شاعری کرتی تھیں، گول خاتون سلطان حیدر شاہ کی بیوی تھیں، حبہ خاتون جنھوں نے گلستاں بوستاں پڑھ رکھی تھی اور قرآن کریم کے معانی و مطالب سے اچھی طرح واقف تھیں، پی این کے بمزی کے بقول مغل دور حکومت میں بہت سارے جامعات اور کالجز کے قیام کے علاوہ ایک کالج آف صوفی ازم کا بھی قیام عمل میں آیا تھا اس کے علاوہ صوفیا کرام کی بہت ساری خانقاہیں اور زیارت گاہیں ہوا کرتی تھیں، جہاں ریشی صوفیا رہا کرتے تھے، جن کے پاس مختلف قسم کی بیماریوں میں مبتلا پریشان حال بندگان خدا پہنچ کر پناہ لیا کرتے تھے ان لوگوں کے قیام وطعام بندوبست انھیں کی خانقاہوں سے ہوا کرتا تھا، جہاں سے یہ بیماریوں سے شفا حاصل کر کے اپنے وطن واپس جایا کرتے تھے۔

کشمیر میں صنعت کا فروغ بھی انھیں صوفیا ومشائخ کی مرہون منت ہے، جب شاہ ہمدان کشمیر آئے تو ان کے ساتھ علم وہنر کے ماہرین کی ایک جماعت بھی ساتھ آئی جنھیں صنعت وحرفت میں کمال حاصل تھا، ان لوگوں نے یہ کام شروع کیا اور اس فن کو فروغ دیا جو آج پوری وادی میں مشہور ہے، سلطان زین العابدین کے دور حکومت میں اس صنعت کو کافی فروغ ملا۔

کشمیری صوفیا کا ایک بڑا طبقہ سماع کا بھی قائل تھا جس کے باعث ان زیارت گاہوں پر سماع کی محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں، شاہ ہمدان کا تعلق صوفیائے کرام کی اس جماعت سے جو سماع کے قائل تھے، آپ کے ساتھ آنے والوں میں صوفیا کی ایسی بڑی تعداد تھی جو فن موسیقی کے ماہر تھے، کہا جاتا ہے کہ صوفیائے کرام خانقاہوں میں جو موسیقی کی محافل منعقد کرتے تھے ان میں ہندوستانی وایرانی موسیقی کو ایک ساتھ ملا کر نیا کامیاب تجربہ کیا گیا جو بہت ساری خوبیوں کے لیے آج بھی مشہور ومقبول ہے، اس موسیقی کو ''کلاسیکی موسیقی'' کے نام سے شہرت ملی۔ اس موسیقی پر صوفیائے کرام کے گہرے اثرات تھے، کہا جاتا ہے کہ کلاسیکی موسیقی میں صوفیانہ کلام بہت مشہور تھا جو کہ فارسی موسیقی سے مستعار تھا مشہور ہے کہ اس میں ۵۴ سُر ہیں جن میں کچھ ہندوستانی راگوں کی طرح ہیں اور کچھ ایرانی راگوں سے ملتے ہیں، سازوں میں سب سے زیادہ مشہور ساز ''رباب'' تھا جو ایران سے مستعار تھا اور آج بھی نہ صرف اس کا رواج ہے بلکہ مقبول عام بھی ہے۔ پھر بعد کے ادوار میں اس میں کافی تبدیلیاں رونما ہوئیں، مغلیہ سلطنت میں موسیقی کو ایک نیا رنگ ملا جیسے جیسے حکومتیں بدلتی گئیں اسی طرح رسم ورواج میں بھی تبدیلیاں آئیں، اکبر کے دور حکومت میں کشمیری موسیقی ہندوی اور ایرانی موسیقی سے مل کر ایک نئے انداز میں ابھر کر سامنے آئی جو بہت ہی عمدہ مانی جاتی تھی۔

صوفیا ومشائخ اور ریشی حضرات کے آستانے اور ان کی زیارت گاہیں کشمیری باشندوں کے لئے صرف اطمینان قلب ہی کا منبع وماویٰ نہیں بلکہ وادی کشمیر کی عوام کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ درگاہوں پر حاضری دینے سے مرادیں بھی پوری ہوتی ہیں، بیماروں کو شفا بھی ملتی ہے، عورتوں کو اولاد بھی ہوتی ہے ان آستانوں پر حاضرین صوفیائے کرام کی تبرکات سے بھی استفادہ کرتے ہیں، جس شخص کا مقدمہ عدالت میں ہوتا ہے وہ چرار شریف آکر شیخ العالم کے آستانے کی جاروب کشی کرتا ہے، کشمیر میں جب سیلاب، ہیضہ، خشک سالی یا اور کوئی پریشانی ہوتی ہے تو کشمیری عوام چرار شریف کا رخ کرتے ہیں اور حضرت شیخ العالم کی بارگاہ میں حاضری دے کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، کشمیر کے کشتی ران

درگاہوں کی بڑی عزت کرتے ہیں اور درگاہوں پر ہی اپنے نومولود بچوں کی موتراشی کی رسم بھی انجام دیتے ہیں۔ اور ان درگاہوں پر بکرے ذبح کرا کر نیاز دلواتے ہیں۔ ان درگاہوں اور زیارت گاہوں کا کشمیری عوام پر بڑا گہرا اثر ہے یہاں ہندو و مسلمان سبھی حاضری دیتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں انھیں کیف وسرور حاصل ہوتا ہے اسی وجہ سے دونوں مذاہب کے درمیان رواداری اور ہم آہنگی دیکھنے کو ملتی ہے۔

کشمیر میں حضرت بل کی درگاہ انتہائی شہرت کی حامل درگاہ ہے، یہاں حضور اکرم ﷺ کا موئے مبارک ہے جسے پہلے تو سید عبداللہ کے ذریعہ بیجا پور لایا گیا تھا، پھر مغل دور حکومت (۱۶۹۹ء) میں ان سے خواجہ نور الدین کشمیری نے ایک لاکھ میں خریدا جو بہت بڑے تاجر تھے، وہ سری نگر لائے اور مشہور درگاہ حضرت بل میں رکھا گیا جسے بعد میں ''درگاہ حضرت بل'' کے نام سے شہرت ملی۔ (صوفی جی ایم ڈی کشمیر ص۵۱۹)

کشمیر میں جو لباس رائج ہے اور آج موجودہ دور میں مختلف قسم کے لباس ہونے کے باوجود کشمیر میں وسط ایشیائی اور ایرانی لباس پہنا جاتا ہے جو ایران کے صوفیائے کرام کی دین ہے ان صوفیائے کرام کے ذریعہ یہ لباس وادی کشمیر میں مشہور ہوا تھا جو آج بھی سماج کے ہر طبقہ میں پہنا جاتا ہے۔ مرد سر منڈے اور چست ٹوپی اور ایک لمبا کرتا پہنتے تھے اور ہیں جو ''پھرن'' کہلاتا، پھرن فارسی لفظ پیراہن کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ عورتیں ایک عام بھورا یا سفید اونی پوشاک پہنا کرتی تھیں۔

وادی میں ہندو مسلم کے درمیان ہم آہنگی اور رواداری ان ریشی حضرات کے ذریعے اگر چہ پہلے سے پائی جاتی تھی مگر بعد کے صوفیاء نے اسے اور بھی مضبوط کیا جس کے سبب حسن شاہ کے دور حکومت کے علاوہ کوئی دوسرا فرقہ وارانہ فساد اس سرزمین پر وجود میں نہیں آیا، یہاں کے ہندو مسلمان ایک دوسرے کی شادی بیاہ اور تیوہاروں میں شامل ہوتے ہیں ایک دوسرے کی عبادت گاہوں میں جاتے ہیں صوفیائے کرام ہندو جوگیوں سے مل کر بحث ومباحثے بھی کرتے ہیں مگر کسی پر کوئی اعتراض نہیں کرتا، للّہ دید اور نور الدین ریشی کے عارفانہ کلام اور گیت ہند و مسلمان کو یکجا کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

حضرت شیخ العالم کے علاوہ ریشیان کشمیر کی بہت سی درگاہیں آج بھی پریشان حال بندگان حق کے لیے آماجگاہ بنی ہوئی ہیں جن میں ریشی سلسلہ کے بانی نورالدین نورانی کے مشہور خلیفہ باباشکرالدین جن کا مزار جھیل والر کے قریب وٹلب پہاڑی پر واقع ہے، توسہ میدانی پہاڑوں پر خیف الدین کا مزار ہے، لطف الدین ریشی کی درگاہ کوہ پُشکر پر واقع ہے، نصرالدین کی درگاہ چرار شریف میں ہے، بام الدین کی درگاہ بومہ زومیں واقع ہے، جب کہ گل مرگ کے نیچے پیام الدین کی درگاہ ہے، ان درگاہوں کے علاوہ شیخ زین الدین ریشی، بابا نصرالدین ریشی، بابا قیام الدین ریشی، بابا غلام الدین ریشی، بابا چُھم ریشی، مولانا نایک ریشی، بابا سوزن ریشی، بابا بدرالدین ریشی، بابا صدرالدین ریشی، بابادتی ریشی اور بابا تازدین ریشی، بابا فیروز ریشی، بابا گلاب ریشی اور بابا نورُوز ریشی کے اسماء بطور خاص قابل ذکر ہیں اللہ ان حضرات کے آستانوں اور زیارت گاہوں پر رحمت ونور کا ساون بھادوں برسائے۔آمین یارب العالمین

کیالوگ تھے جو راہِ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے نقش قدم چومتے چلیں

خواجہ اجمیر کے حالات زندگی کا ایک غیر مطبوعہ قدیم ماخذ

یہ نادر مخطوطہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی علیہ الرحمۃ والضوان کے ایک مرید ومعتقد کی تصنیف ہے چوں کہ اس مخطوطہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان کے حالات ہیں اس لیے مصنف نے اپنی اس تصنیف کا کوئی باقاعدہ نام نہ دے کر صرف ''رسالہ حضرت خواجہ معین چشتی علیہ الرحمۃ'' پر ہی اکتفا کیا ہے۔ کتاب کے آخر میں مصنف تتمہ لکھتے وقت اس طرح رقم طراز ہیں۔

> ''تمام شد رسالہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی'' وقت چاشت شہر صفر المصظفر روز دوشنبہ ۱۸۱اھ کاتب الحروف خاکِ غلام حضرت نصیر الدین چراغ دہلی۔ (ص۴۳)

درج بالا عبارت جہاں اس تصنیف کو ''رسالہ حضرت خواجہ معین الدین سے مخصوص کرنے کی تائید حاصل ہوتی ہے وہیں سنہ تصنیف سے اس رسالہ کی قدامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ نادر مخطوطہ راقم السطور کو سینٹرل لائبریری جامعہ ہمدرد کے نذیریہ کلیکشن سے دستیاب ہوا ہے۔ اس مخطوطہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ص۲۹ اور ص۳۰ پر دو مہریں ثبت ہیں جن میں ''محمد جلال الدین'' کندہ ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مغلیہ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے شاہی کتب خانہ میں اس مخطوطہ کو رہنے کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔

پھر شاہی کتب خانہ سے میاں نذیر حسین دہلوی کے کتب خانہ تک یہ رسالہ کیسے پہنچا اس کی تفصیل پردۂ خفا میں ہے۔ جامعہ ہمدرد کی حکیم محمد سعید سینٹرل لائبریری میں میاں نذیر حسین دہلوی کا وہی کتب خانہ ''نذیریہ ذخیرۂ کتب'' کے نام سے محفوظ ہے۔ یہ اہم مخطوطہ اسی نذیریہ ذخیرۂ کتب میں راقم السطور کو دستیاب ہوا ہے۔ جامعہ ہمدرد کی خوبصورت

لائبریری میں اس مخطوطہ کو جو مقام ملنا چاہئے اس سے یہ محروم رہا۔

مخطوطہ کی زبان فارسی ہے خط نستعلیق ہے چھوٹی تقطیع کے ۴۳ صفحات پر مشتمل ہے، مصنف نے ایک ساتھ کھلنے والے دونوں صفحات کو ایک شمار کیا ہے، موجودہ زمانہ کے لحاظ سے اگر ہر صفحہ کو الگ الگ صفحہ مانا جائے تو صفحات کی کل تعداد ۸۶ ہو جائے گی۔ ابتدائے کتاب کے ۲۰ صفحات تسلسل کے ساتھ غائب ہیں درمیان کتاب میں ۲۰ صفحہ سے ۴۰ صفحہ اور پھر آخر کتاب میں ص نمبر ۴۲ غائب ہے۔ درج ذیل مقالہ میں جن مباحث پر گفتگو کی گئی ہے وہ پیش نظر باقی ماندہ صفحات کے ہیں۔

کاتب نے کتاب پختہ سیاہ روشنائی سے لکھی ہے ہر صفحہ میں ۱۲ سطریں لکھنے کا اہتمام کیا ہے۔ دوران تحریر جہاں حضرت خواجہ کا اسم مبارک آیا ہے اسے سرخ روشنائی سے نشان زد کر کے نمایاں کر دیا گیا ہے۔ مصنف رسالہ اپنی اس کتاب کا آغاز حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کے نسب نامہ سے کرتے ہیں۔

> ''خواجہ معین چشتی بن غیاث الدین حسن احمد بن حضرت خواجہ نجم الدین طاہر حسن الحسینی بن خواجہ عبدالعزیز حسن الحسینی بن حضرت خواجہ ابراہیم بن حضرت امام ادریس بن حضرت امام موسیٰ کاظم بن حضرت امام ناطق بن حضرت امام سلطان الشہدا ابو اعبداللہ الحسین صلوٰۃ اللہ علیہ بن حضرت اسداللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم''۔

خواجہ صاحب کے شجرۂ نسب کے بارے میں مورخین کے مختلف نظریات ہیں بعض مورخین نے حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کا نسب نامہ اپنی کتب تواریخ میں بدیں طور درج کیا ہے۔

> ''خواجہ معین الدین بن سید غیاث الدین بن سید سراج الدین بن سید عبد اللہ بن سید عبدالکریم بن سید عبدالرحمٰن بن سید علی اکبر بن سید ابراہیم بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امام حسین بن حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم''۔

درج بالا سلسلۂ نسب میرے نزدیک غیر مستند ہے، اول الذکر سلسلہ نسب کی تائید صاحب ''مراۃ الاسرار'' نے بھی کی ہے اور ''معین الارواح'' کے مصنف نے بھی اس کی صداقت کا اعتراف کر کے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

(معین الارواح: خادم حسن زبیری: ص۲۳ مطبوعہ آگرہ)

سلسلۂ نسب بیان کرنے کے بعد مصنف کتاب نے حضرت خواجہ غریب نواز کے حالات شرح وبسط کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ چوں کہ مخطوطہ کے اکثر اوراق درمیان سے غائب ہیں، اس لیے ان تفصیلات کا ذکر یہاں ممکن نہیں۔ لیکن مصنف نے رسالہ کی شروعات حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے اجمیر مقدس تشریف لانے اور درخت کے نیچے قیام فرمانے سے کی ہے اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔

جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ اجمیر مقدس تشریف لائے تو اسی جگہ قیام فرمایا جہاں راجہ اجمیر کے اونٹ باندھے جاتے تھے شتر بانوں نے خواجہ غریب نواز سے وہاں سے اٹھ کر کہیں اور جا کر قیام فرمانے کی درخواست کی مگر آپ نہ مانے اور اسی مقام پر عبادت وریاضت میں مشغول رہے۔ جب شتر بان حضرت خواجہ کو وہاں سے ہٹانے میں ناکام ہو گئے تو اس کی اطلاع انھوں نے اپنے راجہ کو دی۔ مصنف کتاب نے راجہ کا نام نہیں لکھا ہے، صرف راجاؤں کا راجہ کہہ کر آگے بڑھ گئے ہیں۔ تاریخ کی دوسری کتابوں سے راجہ رائے پتھورا کے نام کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز کو وہاں سے ہٹانے کے سلسلے میں شتر بانوں نے آپ سے سخت کلامی بھی کی تو خواجہ نے بطور سزا فرمایا کہ تمھارے اونٹ اب اپنے مقام سے نہیں اٹھیں گے۔ یہ سن کر سارے شتر بان گھبرائے اور دوڑتے ہوئے راجہ کے پاس پہنچے اور حضرت خواجہ سے متعلق سارا ماجرا کہہ سنایا تو راجہ نے کہا:

''برو بخدمت آں درویش سر خود را در زیر پائے او آر باشد کہ درحق شتراں دعا کند شتر بان آمدہ ہمچناں کرد حضرت خواجہ دعا کردند وفرمودند بروشتران تو برخاستہ اند ساربان آمدہ دید کہ شتراں برخاستہ اند (ص۲۱)

(راجہ کے حکم کے مطابق تمام شتر بان خواجہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے

اور اونٹوں کے سلسلے میں دعا کرنے کی درخواست کی آپ نے دعا فرمائی اور یہ کہا کہ جاؤ دیکھو تمھارے اونٹ اپنی اپنی جگہوں سے کھڑے ہوگئے ہیں)۔

راجہ کے شتر بان اس حیرت انگیز واقعہ سے مزید متعجب ہوئے اور راجہ کے پاس جا کر اس واقعہ کی دوبارہ خبر دی، راجہ بھی یہ واقعہ سن کر حیرت میں پڑ گیا، اجے پال جوگی جسے راجہ دل سے چاہتا تھا اس پریشان کن واقعہ کی اطلاع دے کر مدد کا خواست گار ہوا۔

مصنف کتاب نے جوگی کا نام اجے پال لکھا ہے جب کہ اکثر تاریخ کی کتابوں میں اس جوگی کا نام صرف جے پال ملتا ہے، اس جوگی کے نام کے بارے میں اختلاف جو بھی ہو لیکن اس کی ساحرانہ عظمت کا اعتراف اکثر مورخین نے کیا ہے مصنف کتاب اس کے اوصاف و کمالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''آں جوگی سحر بسیار می دانست و طلسمات بسیار در خاطر خود یاد و میداشت و موازی ہفصد افسونگر ہمیشہ ہمراہ خود می داشت خورد و بزرگ جملہ یک ہزار پانصد ہمراہ می بودند و آں جوگی ایں مقرر ریاضت و علم ورزیدہ بود کہ در باطن خود راہ یافتہ''۔(ص۲۲)

اجے پال جوگی جادوگری کے معاملے میں اپنی مثال آپ تھا اس سلسہ میں ہندوستان میں اس کی بڑی مقبولیت تھی اس فن میں کامل مہارت کی بنیاد پر پیرو جواں اس کے مرید و معتقد نظر آتے تھے۔ سات سو جادوگروں کی جماعت ہمیشہ اس کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ اگر کوچک و بزرگ سب کو شامل کر لیا جائے، تو ساتھ رہنے والوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار تک پہنچ جائے گی۔ کثرت علم اور ریاضت کی بنیاد پر اسرار باطن اس کے سامنے روشن تھے اسی کمال کی بنیاد پر راجہ رائے پتھورا اس کا مرید و معتقد ہو گیا تھا اور کوئی بھی کام اس کی مرضی کے خلاف نہیں کرتا تھا۔ راجہ کے دل میں رہ رہ کے یہ بات آتی تھی کہ اگر اس فقیر کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے تو وہ اجے پال جوگی ہی ہے، اس اعتماد کے پیش نظر اس نے خواجہ سے متعلق تمام تفصیلات لکھ کر جوگی کے پاس ارسال کر دیں خط ملتے ہی جوگی اجے پال راجہ کی حمایت

اوراعانت کے لیے اپنے تمام حواریوں کے ساتھ خواجہ غریب نواز کو تباہ و برباد کرنے کی نیت سے آ گیا۔ یہاں آنے کے بعد جب حقائق کا علم ہوا اور شتر بانوں کی زبانی تمام تفصیلات معلوم ہوئیں تو جوگی نے کہا :

''جیسا کہ تم سب کہہ رہے ہو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس مرد درویش کو جادوگری میں کمال حاصل ہے، اور اپنی جادوگری ہی کی بنیاد پر یہاں جما ہوا ہے، ورنہ ایک مسلمان یہاں تک کیوں کر پہنچ سکتا ہے''۔

مصنف کی اصل عبارت یہ ہے۔

''چناں کہ شامی گوئید ایں درویش جادائے بسیار یاد خواہد داشت بزور جادوئے او پائے دریں مقام نہادہ است واگر نہ مسلمان راچہ جائے آنکہ دریں جا تو اند رسید''۔(ص۲۲)

بہر حال جوگی اجے پال نے راجہ کو بہت تسلی دلائی اور ڈینگ مارتے ہوئے متکبرانہ انداز میں کہا گھبرانے کی بات نہیں ہے اس فقیر پر اتنا جادو چلا دوں گا کہ اس کا نام اس صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔ راجہ اس کی اس متکبرانہ گفتگو سے خوش ہوا اور پوری طرح اس کی دام تزویر میں پھنس گیا۔ اور خواجہ کو نیست و نابود کرنے کی غرض سے جوگی کے ساتھ راجہ بھی چلا راستہ میں راجہ کے دل میں خواجہ سے متعلق طرح طرح کے برے خیالات آرہے تھے اور آپ کو نیست و نابود کرنے سے متعلق نہ جانے کیا کیا وہ پلان بنا رہا تھا اس برے خیال کی آمد و رفت کے نتیجہ میں بقول مصف :

''چشم او نابینا شدی چنانکہ ہیچ کس را ندیدی چوں از خیال فاسد پشیماں شدی چشم او روشن شد''۔(ص۲۳)

(راجہ کی آنکھ کی بینائی چلی گئی اندھا پن کی وجہ سے وہ کسی کو دیکھ نہیں سکتا تھا جب ان فاسد خیالات سے اسے ندامت ہوئی تب اس کی آنکھوں میں بینائی واپس آ گئی)

اس طرح آنکھوں سے بینائی غائب ہونے سے متعلق راستہ میں کئی بار واقعہ پیش

آیا جیسے فاسد خیالات آتے روشنی چلی جاتی اور جب راجہ کو ان فاسد خیالات سے ندامت اور پشیمانی ہوتی تو آنکھوں میں روشنی واپس آجاتی، جوگی اجے پال ہرن کی کھال پر سوار ہو کر چل رہا تھا، اس کے حواری اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے، جیسے ہی جوگی اپنے حواریوں کے ہمراہ خواجہ کے قریب پہنچا تو زبردست شور وغوغا بلند ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک بھیڑ خواجہ کے اردگرد جمع ہو گئی، آپ نے فوراً اپنے چاروں طرف ایک دائرہ کھینچ لیا تا کہ یہ دشمن اس دائرہ کے اندر نہ آسکیں اور آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں، دائرہ کھینچ کر حضرت خواجہ نماز میں مشغول ہو گئے اور ان تمام جادوگروں کی جادوگری دھری کی دھری رہ گئی۔ ہزار کوششوں کے باوجود اس کھینچے ہوئے دائرہ کے اندر کوئی نہ پہنچ سکا۔

شادی دیو گونا گوں کمالات کی بنیاد پر جس کی پرستش کی جاتی تھی وہ خواجہ کے ہاتھوں اسلام قبول کر کے ظلمات کفر سے نکل کر ایمان کے اجالے میں آچکا تھا۔ جس وقت جادوگروں نے حضرت خواجہ غریب نواز کی گھیرا بندی کی تھی، اس وقت وہ آپ کے سامنے دست بستہ کھڑا تھا، یہ ماجرا دیکھ کر جادوگر اور زیادہ پریشان ہو گئے اور آہ وفغاں کرتے ہوئے کہنے لگے۔

''اے دیو عمر ہا مایاں قسمت تو کردہ ایم وآبا واجداد ما تراپرستش کردہ اندواز
برائے تو پرگنات وزر ومال دادہ ایم وہر روز چندیں مبلغ خرچ لشکر تو نمودہ
ایم شاید روزے بکار ما خواہی آمد آخر تو رفتی وغلام مسلمان شدی''۔ ص۲۳

تمام جادوگروں نے شادی دیو سے بہت کچھ کہا ماضی میں کیے گئے اس پر احسانات کی یادیں بھی تازہ کرائیں اور جس قدر اس پر انعامات ونوازشات کی بارش ہوئی تھی اس کا بھی ذکر سامنے آیا مگر بقول مصنف :

''شادی سخن آنجماعہ در گوش نمی کرد و جانب آنہا بنظر نیم نمی دید''۔ (ص۲۳)

شادی دیو نے نہ تو ان جادوگروں کی باتیں دھیان سے سنیں اور نہ ہی نظر اٹھا کے ان کی طرف دیکھا۔ جادوگر اپنے پروگرام کے مطابق مسلسل شور وغوغا کر رہے تھے، حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ اپنے خالق کی عبادت سے فراغت کے بعد ان جادوگروں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''اے گمراہاں چہ می گوئید جملہ فریاد برآوردند کہ عمر ہا باباں او عبادت کردیم والحال بجادوئے تو از راہ مارفتہ''۔(ص ۲۳)

(اے گمراہو کیا کہہ رہے ہو تو سب جادوگروں نے بآواز بلند کہا کہ ہم لوگوں نے شادی دیو کی پرستش کی ہے، اب وہ آپ کے جادو کی وجہ سے ہمارے راستہ سے الگ تھلگ ہو چکا ہے)۔

پھر حضرت خواجہ نے فرمایا ٹھیک ہے۔تم اپنی آواز اپنے پاس رکھو اور شور و غوغا نہ کرو اجے پال جوگی اور اس کے تمام حواری مختلف ذرائع سے اس کو اپنی طرف متوجہ کرتے رہے مگر اس نے ترچھی نظر سے بھی ان گمراہوں کو دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

اسی دوران پانی کی ضرورت کا احساس ہوا تو حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے شادی دیو سے فرمایا:

''ایں قدح بردار واز حوض آب پُر کردہ بیار وقت پُر کردن بگوئی یابدوح شادی فی الحال قدح را برداشت ونام خدائے تعالیٰ بر زبان راند چوں بکنار آب رفت گفت یابدوح وقدح رادر آب نہاد بفرمان الٰہی تمام آب حوض در قدح شادی درآمد گویا کہ در حوض آب نبود شادی قدح را برداشت بخدمت خواجہ بایشاد''۔(ص ۲۷)

(یہ پیالہ لو اور جاؤ حوض سے پانی بھر کر لے آؤ پیالہ کو پانی سے بھرتے وقت یابدوح کہنا شادی نے خواجہ کے فرمان کے مطابق عمل کیا جب یا بدوح کہہ کر اپنے پیالے کو حوض میں پانی بھرنے کے لیے ڈالا تو حوض کا سارا پانی پیالے میں سمٹ آیا اور حوض میں ایک قطرہ بھی پانی کا نہیں رہ گیا جب شادی دیو پانی کا وہ پیالہ خواجہ کی بارگاہ میں لایا)

تو اجے پال جوگی اور اس کے سارے حواری یہ کرشمہ دیکھ کر حیران رہ گئے اور غصہ سے تلملا کر جادوگری میں مزید شدت پیدا کرنے لگے اور تمام جادوگروں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ پہاڑوں سے سانپ بلوا کر خواجہ کو ڈسوایا جائے چنانچہ انھوں نے یہی

کیا اور لاکھوں سانپ اپنے جادو کے بل بوتے پہاڑوں سے بلوائے وہ سانپ جیسے خواجہ کو ڈسنے کے لیے آگے بڑھتے تو خط کشیدہ دائرہ تک پہنچتے ہی عاجز ودر ماندہ ہو جاتے ایسا لگتا کہ وہ سب بے جان ہو گئے ہیں خواجہ صاحب سانپوں کی یہ حالت زار دیکھ کر اپنے احباب سے فرماتے :

''ایں مار ہا گرفتہ بجانب کوہ ہا اندازید مار ہا گرفتہ بجانب کوہسار انداختند''
(ص ۲۴)

(ان سانپوں کو پہاڑ کی جانب پھینک دو آپ کے احباب سانپوں کو پکڑ کر پہاڑوں کی جانب پھینک دیتے)

مصنف لکھتے ہیں۔

'' آوردہ اند کہ آں مار ہا ہر جا کہ افتادے آنجا درخت شدی وسبز گردیدی تا اکنوں نام آں درخت چتر اول می گویند''۔(ص ۲۴)

(لوگوں کا بیان ہے کہ وہ سانپ جہاں گرتے سر سبز وشاداب درخت بن جاتے انھی میں سے ایک درخت اب بھی ہے جس کا نام چتر اول ہے)

اجے پال جوگی کی جب ساری ساحرانہ کوششیں ناکام ہو گئیں تو اس نے خواجہ صاحب سے بڑے ہی اطمینان وسکون سے فرمایا:

''اگر تو برخیز واز یں مقام بزودی برو والا نہ من کہ اجے پال جوگی ام بجانب آسمان رفتہ چنداں بلائے بر سر تو آریم کہ درعلاج آں عاجز آئی''
(ص ۲۴)

(جس قدر ممکن ہو یہاں سے چلے جائیے ورنہ سن لو میں اجے پال جوگی ہوں آسمان میں جا کر تم پر مصیبتوں کی اتنی بارش کروں گا کہ تم حیران وپریشان ہو جاؤ گے)

خواجہ غریب نواز اجے پال جوگی کی اس بات سے مسکرائے اور فرمایا:

تو کار زمیں رانکو ساختی کہ برآسماں نیز پرداختی

(زمین میں رہ کر تو تم کچھ نہ کر سکے آسمان سے تم کیا کر لو گے)

خواجہ صاحب کی اس بات سے جوگی اجے پال کو طیش آ گیا اور فرطِ غضب سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔فوراً ہی اس نے ہرن کی پوست (کھال) کو فضا میں اچھالا اور پھر کود کر اس پر بیٹھ گیا، اور فضاؤں میں اتنی دور تک چلا گیا، کہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔خواجہ اور خواجہ کے ساتھی اجے پال جوگی کی اس کرتب سے تھوڑی دیر کے لیے متحیر تو ضرور ہوئے لیکن فوراً ہی آپ نے جوگی کو آسمان سے فضا میں سے نیچے لانے کے لیے اپنی جوتی کو حکم دیتے ہوئے اپنے ساتھیوں میں سے ایک سے فرمایا :

''ایں کفش را عقب جوگی را بینداز آں یار ہمچناں کرد کفش را گرفتہ بینداخت''۔(ص ۲۵)

(اس جوتی کو جوگی کے تعاقب میں پھینکو اس نے ایسا ہی کیا جوتی کو اٹھا کر آسمان کی طرف پھینک دیا)۔

اس کے بعد کیا ہوا مصنف لکھتے ہیں۔

لوگوں کا بیان ہے کہ جب جوتی کو آسمان کی طرف پھینکا تو غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا اس ہاتھ نے جس طرح جوگی اجے پال کی درگت بنا کر زمین پر اتارا وہ بیان سے باہر ہے۔اس نے مارے شرم اور ندامت سے پھر اپنا سر اونچا نہ کیا اور زمین پر اترتے ہی خواجہ کے قدموں سے لپٹ گیا گویا کہ اس نے اپنی ہار مان لی، قدموں میں لپٹ کر گریہ وزاری کرنے لگا عقیدت وارادات کے آنسو آنکھوں سے ساون بھادوں کا سماں پیش کر رہے تھے۔جب خواجہ نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اسی پیالے سے ایک گھونٹ پانی پینے کو کہا جو شادی دیو حوض سے بھر کر لایا تھا اور پورے حوض کا اپنی جس میں سمٹ آیا تھا اجے پال جوگی نے جب فرطِ عقیدت میں وہ پانی کا گھونٹ حلق سے اتارا تو جو کیفیت پیدا ہوئی اس کا اظہار مصنف نے درج ذیل لفظوں میں کیا ہے

''بمجر دخوردن آں آب ہر شرک وضلالت کہ از فعل کفر در سینہ او بود پاک شد''۔(ص ۲۵)

(صرف ایک گھونٹ کے پیتے ہی اس کا سینہ کفر وضلالت اور شرک وگمراہی کی غلاظتوں سے پاک وصاف ہو گیا)

پھر خواجہ صاحب نے فرمایا اے جوگی دل میں کیا اور کچھ خواہش ہے تو جوگی نے بڑے ہی نیازمندانہ انداز میں کہا :

''اے محرم اسرار راز الٰہی راہ راست ایں ست کہ شما دارید و دین شما برحق است و من بجان و دل دین شما را قبول کردم و لے در دل میں یک آرزوئے ہست اگر حکم شود بگویم حضرت خواجہ فرمودند بگو در دل تو ہر آرزو کہ باشد''۔ (ص ۲۵)

(اے محرم راز اسرار الٰہی سچا راستہ یہی ہے جس پر آپ گامزن ہیں آپ کا دین برحق ہے میں دل و جان سے آپ کا دین قبول کرتا ہوں لیکن میرے دل میں ایک آرزو ہے اگر حکم ہو تو عرض کروں، حضرت خواجہ نے فرمایا تمھارے دل میں جو بھی آرزو ہے بلا جھجھک بیان کرو)

اجے پال جوگی نے کہا میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ درویش اور طالبان حق وصدات وزہد وریاضت کے ذریعہ کس منصب تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں؟ تو خواجہ صاحب نے فرمایا:

وقتے کہ بصدق درست بخدا ورسول ایمان آری معلوم تراخوہد شد''۔ص ۲۵

(جس وقت تم اللہ اور اس کے رسول پر صدق دل سے ایمان لے آؤ گے تمھیں معلوم ہو جائے گا)

اتنا سنتے ہی اجے پال جوگی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ مجھے جس قدر جلد ممکن ہو ایمان کی تلقین فرمایئے۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے خادم خاص محمد فخر الدین سے فرمایا :

اے فخر الدین یہ جوگی ایمان لانا چاہتا ہے اسے ایمان کے شرائط کی تلقین کیجئے۔ خواجہ صاحب حالت مراقبہ میں چلے گئے اس استغراقی کیفیت میں جب خواجہ کی نظر جوگی پر پڑی تو اس کے دل کی دنیا ہی بدل گئی، اس نظر کیمیا کا اثر یہ ہوا کہ اجے پال جوگی کی ظاہری دنیا نگاہوں سے اوجھل ہوگئی اور وہ عالمِ بالا کی سیر کرنے لگا۔ اس دوران جن عجائبات کا مشاہدہ اس نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے کیا وہ بیان سے باہر ہے، اس نے اپنی نگاہوں

سے اس مقام کو دیکھ لیا جہاں ایک طالب صادق زہد وریاضت کے ذریعہ پہنچتا ہے۔ جب اس کی یہ خواہش پوری ہوگئی تو اس نے اپنی اور خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''اے حضرت خواجہ می خواہم کہ تا قیامت زندہ باشم در حق من دعا بکن''۔(ص۲۶)

(اے خواجہ میں قیامت تک زندہ رہنا چاہتا ہوں آپ میرے حق میں دعا کیجئے)

جوگی اس خواہش پر خواجہ صاحب کو تھوڑی دیر کے لیے تامل بھی ہوا تھا کہ ندائے غیبی سنائی دی کہ اے خواجہ آپ اس جوگی کے حق میں دعا فرمائیں اس جوگی کے تعلق سے آپ کی ہر دعا میں قبول کروں گا۔ پھر خواجہ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی، نماز کی ادائیگی کے بعد جوگی کے لیے درازگی عمر کی دعا فرمائی، آپ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی یہ دعا باب اجابت سے ٹکرائی اور جوگی کے حق میں قبول ہوگئی۔آپ نے فرمایا اے جوگی :

''تا قیامت تو زندہ خواہی ماند''(ص۲۷)(تو قیامت تک زندہ رہے گا)

حضرت خواجہ نے ان کا نام اجے پال سے بدل کر عبداللہ بیابانی رکھا اس نام سے وہ قیامت زندہ رہیں گے اور گم گشتگان راہ کو منزل مقصود کا پتا بتلائیں گے۔ اجمیر کی پہاڑیوں میں روپوش ہیں ایک بار کسی لکڑ ہارے کو ملاقات ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ایک روایت کے مطابق ہر جمعرات کو خواجہ صاحب کی بارگاہ میں حاضری بھی دیتے ہیں مگر ان کی صورت سے کسی کو آشنائی نہیں ہوتی۔

شادی دیو پہلے اسلام قبول ہی کر چکا تھا اجے پال جوگی نے بھی اسلام قبول کر کے راجہ کی تمناؤں پر پانی پھیر دیا۔ جب راجہ کی سمجھ میں پوری طرح آ گیا اس مرد درویش میں کچھ روحانی طاقت ضرور ہے اسی طاقت کی بنیاد پر سب اس کے معتقد ہو جاتے ہیں تو وہ خائب وخاسر ہو کر اپنے مقام واپس لوٹ گیا۔

اجے پال جوگی جو آپ کو شہر اجمیر سے بھگانے کی نیت سے آیا تھا قبول اسلام کے بعد شادی دیو اور اجے پال دونوں مل کر خواجہ اس شہر میں قیام کرنے درخواست کرنے لگے اور درخواست کی وجہ یہ بتائی کہ بندگان خدا زیادہ سے زیادہ آپ کی ذات بابرکت سے استفادہ کر سکیں۔

جگہ کی تعیین کے لیے حضرت خواجہ نے اپنے خادم خاص محمد فخر الدین کو شہر اجمیر بھیجا آپ کے خادم نے آپ کے مستقل قیام کے لیے اسی جگہ کا تعین کیا جہاں شادی دیو کی پرستش ہوتی تھی آج اسی مقام پر آپ کا مزار اقدس ہے جس کا گنبد دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کی آنکھوں کا نور اور دلوں کو سرور بخشتا ہے۔

جب خادم خاص محمد فخر الدین کے منتخب کردہ مقام پر مستقل بود و باش اختیار کرنے کی غرض سے خواجہ قلبِ شہر میں تشریف لائے تو پہلے آپ نے وہاں جماعت خانہ، عبادت خانہ اور مطبخ تیار کرنے کے لیے فرمایا۔ پھر کچھ دنوں وہاں قیام کیے ہوئے نہیں گذرے تھے کہ آپ نے اپنے چند ساتھیوں کو راجہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا۔

''اے گمراہ تو کہ بایں ارادہ داشتے ومعتقد ایشاں بودی واز رضائے ایشاں بیروں نبودی ہمہٗ مسلمان شدند وایمان قبول نمودند تو ہم براہ حق تعالیٰ باز آئی وایماں قبول کن''۔ (ص ۲۷)

(اے گمراہ تو ان لوگوں کا مرید و معتقد تھا تمہاری ساری رضا ان کی رضا میں شامل ہوا کرتی تھی یہ سب تو مسلمان ہو گئے، ایمان کی دولت حاصل کر لی تو بھی راہ حق قبول کر کے ایمان لے آ)

خواجہ صاحب نے کئی بار اسے اسلام کی دعوت دی اور اصرار کیا مگر اس گم گشتہ راہ کو راہ حق وصداقت نصیب نہ ہوئی اور دین اسلام سے بیزاری کا اظہار کرتا رہا ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ مراقبہ میں تھے کہ ناگاہ سر اوپر اٹھا کر فرمانے لگے :

''راجہ رَا جہا کہ منکر ایمان است زندہ بدست لشکر می دادیم زیرا کہ حق تعالیٰ را دو لشکر است یکے لشکر اسلام دوم لشکر مشائخ تمام اسلام سزا دہند منکراں را وکافراں را واسیر گردانند''۔ (ص ۲۸)

(راجاؤں کا راجہ ایمان کا منکر ہے اسے میں نے زندہ ایک لشکر کے قبضہ میں دیا حق تعالیٰ کے دو لشکر ہیں ایک لشکر اسلام اور دوسرا لشکر مشائخ لشکر اسلام کفار ومشرکین اور منکرین کو سزا دیتا ہے اور انھیں قیدی بنا تا ہے)

بزرگوں سے منقول ہے کہ ان دنوں سلطان معزالدین سام عرف شہاب الدین خراسان (ایران) میں تھے، انھوں نے خواب میں دیکھا کہ میں ملک ہندوستان میں ہوں اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ کی بارگاہ سے خواجہ مجھ پر انتہائی شفقت کا مظاہرہ فرمارہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں۔

''اے شہاب الدین بیاوایں راجہ را کہ منکر از ایمان است سزاو جزا برساں ودر ملک ہند برواج اسلام مشغول شوحق تعالیٰ ایں دولت بتوارزانی فرمود''

(ص ۲۸)

(اے سلطان شہاب الدین آ اور یہ راجہ جو ایمان و اسلام کا منکر ہے اسے اس کے کیفر کردار تک پہنچا اور ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کر اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے تیرا انتخاب کیا ہے)

جب سلطان شہاب الدین خواب سے بیدار ہوئے تو انھیں اس خواب پر تعجب بھی ہوا اور مسرت بھی عالم حیرانی میں انھوں نے تعبیر رویا کے ماہرین کے سامنے اپنا خواب بیان کیا تمام ماہرین بیک زبان ہو کر بول اٹھے، تعبیر نیک ہے تمھیں ہندوستان کی فتح مبارک ہو۔

چند ہی روز گذرے تھے کہ سلطان نے لشکر جرار کے ساتھ ہندوستان پر چڑھائی کردی اور ہندوستان کا بیشتر حصہ اپنے زیرنگیں کرلیا۔ حکم خواجہ کے مطابق راجہ رائے پتھورا کو زندہ گرفتار کرلیا اور اس کے تخت وتاج تاراج کرڈالے اور اس کے سارے حواری اسیر کرلیے گئے۔ اس طرح سلطان شہاب الدین کے ہاتھوں ہندوستان میں اسلام کا پرچم بلند ہوا جب روز افزوں بندگان خدا دولت اسلام سے مشرف ہوتے رہے، خواجہ کے فیوض و برکات کا سلسلہ عام ہوا، ایک خلقت آپ کے مقدس ہاتھوں دولت ایمان سے مشرف ہوئی، اجمیر مقدس کا پورا علاقہ اسلام کی روشنی سے چمک اٹھا اسلام کے دشمن اسلام سے محبت کرنے لگے، خواجہ کو بنظر حقارت دیکھنے والے خواجہ کے قدموں میں جان دینا باعث عزوافتخار سمجھنے لگے، روز افزوں اشاعت اسلام میں اضافہ ہونے لگا، جو دولت اسلام سے مشرف ہوتا خواجہ اسے اخلاقی تعلیمات کے ساتھ اسرار تصوف سے بھی آگاہ فرماتے، ایک دن کا

ذکر ہے کہ آپ نے اپنے مریدین ومعتقدین کے حلقہ میں فنا اور بقا کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا :

''سوائے ذات باری تعالیٰ کے اس دنیا میں کسی کو قرار نہیں کل شئی هالك الا وجهه صرف اسی کی ذات باقی رہے گی۔ وہی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ایک دن وہ بھی آئے گا کہ ہم بھی اپنے دوستوں سے جدا ہو جائیں گے اور ہمارا مدفن اسی شہر اجمیر میں ہوگا۔

اس ناصحانہ گفتگو کے بعد حضرت خواجہ نے حضرت شیخ علی سنجری سے فرمایا:

''خلافت وسجادہ قطب الدین اوشی را دادیم اورا بگوئی کہ نزدیک من بیائیدؒ

(خلافت اور مسند سجادگی میں نے قطب الدین اوشی کو عطا کر رہا ہوں ان سے کہو کہ میرے قریب آئیں)

حضرت خواجہ قطب الدین اوشی فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت خواجہ کے قریب آیا تو آپ نے میرے سر پر اپنی دستار اور کلاہ رکھی اور وہ عصا جو حضرت عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کو ملا تھا مجھے عنایت فرمایا اور اس کے علاوہ ایک مصحف اور مصلیٰ مجھے عطا کر کے یہ فرمانے لگے کہ یہ سرکار دوعالم ﷺ کی وہ امانت ہے جو خواجہ خواجگاں کی توسط سے مجھے دستیاب ہوئی ہے، اب تک میرے پاس رہی میں نے اس کا حق ادا کیا اس امید پر اسے میں آپ کو دیتا ہوں کہ آپ بھی اس کا حق ادا کریں گے، تا کہ کل قیامت کے دن خواجگان چشت سے مجھے ندامت وپشیمانی نہ اٹھانی پڑے ۔

اس کے بعد حضرت خواجہ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور بحالت دعا آسمان کی طرف نظر اٹھا کر یہ فرمانے لگے :

''اے خواجہ قطب الدین ترا بخدا سپردم ونیز نگاہ تو بعرش رسانیدم''۔ص ۱۴۱

(اے خواجہ قطب الدین تمھیں میں نے خدا کے حوالہ کیا اور تمھارا مقام عرش تک پہنچا دیا)

پھر آپ نے حضرت خواجہ قطب الدین اوشی (بختیار کاکی) کو کچھ نصیحتیں فرمائیں

''چہار چیز مرد را از قید نفس رہاند اول درویشی، خود را تونگر نماید، دوم گرسنگی خود را سیر نماید، سیوم در اندوہگیں خود را شاد نماید، چہارم ہر چند کہ از کے بدی پسند د برابراو نیکی نماید''۔(ص۴۱)

(چار چیزیں انسان کو قید نفس سے رہائی دلاتی ہیں (۱) درویشی میں تونگری (۲) بھوک میں آسودگی (۳) غم میں اظہار خوشی (۴) جو کوئی برائی کرے اس کے ساتھ اچھائی کا سلوک کرنا)

پھر خواجہ قطب الدین اوشی سے فرمایا :

''ہر جا کہ باشی تجیر ید باش و ہر جا کہ باشی مرد باش''

(جہاں کہیں بھی رہنا علائق دنیا سے بے نیاز اور احکام الٰہیہ کی تکمیل میں ہمت مردانہ کا مظاہرہ کرنا)

پھر دعا فرماتے ہوئے پیر کامل نے اپنے مرید خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی کو دہلی کے لیے روانہ فرمادیا، جب حضرت خواجہ دہلی پہنچے تو باشندگان دہلی نے آپ کا پُر تپاک خیر مقدم کیا شہر کے علما وفضلا اور درویشوں کا اژدحام آپ کے ارد گرد ہو گیا، سب آپ سے دعاؤں کی درخواست کرنے لگے۔ دہلی میں آپ کو قیام فرماتے ہوئے چند ہی یوم گذرے تھے کہ

''آیندہ بیامد وگفت کہ حضرت خواجہ از چند روز برحمت حق پیوستہ''۔(ص۴۲)

(ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا کہ چند روز ہوئے خواجہ دار فانی سے دار باقی کی طرف کوچ فرماگیے)انا لله وانا اليه راجعون

اس طرح رشد وہدایت کا آفتاب ہندوستان میں اشاعت اسلام کا اہم فریضہ انجام دینے اور ہند کے ظلمت کدہ میں ایمان کا اجالا پھیلانے کے بعد ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب اور ان کے دوسرے اصحاب اس طرح جان لیوا قربانی نہ دیتے تو ہندوستان کی سرزمین حق وصداقت کے اجالے سے محروم رہتی۔

خواجہ صاحب کے اس اشاعتی مشن کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی

نے آگے بڑھایا اپنے درج ذیل خلفا کے ذریعہ ہندوستان کے چپہ چپہ میں اسلامی تعلیمات کو دفروغ دینے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

۱۔حضرت فریدالدین گنج شکر
۲۔حضرت شیخ ثنی
۳۔حضرت شیخ نجم الدین
۴۔حضرت شیخ فیروز
۵۔حضرت شیخ حسن
۶۔حضرت شیخ احمد تناجی
۷۔حضرت شیخ قاضی حمیدالدین ناگوری
۸۔حضرت شیخ محمد
۹۔حضرت شیخ سلطان
۱۰۔حضرت شیخ نصیرالدین غازی
۱۱۔حضرت شیخ مولانا برہان الدین حلوانی
۱۲۔حضرت شیخ محمود جاجری
۱۳۔حضرت شیخ سعدالدین خواجہ نینی
۱۴۔حضرت شیخ فکرالدین حلوائی
۱۵۔حضرت شیخ بابابری بہر دریا
۱۶۔حضرت شیخ شمس الدین اولیا
۱۷۔حضرت شیخ ضیارومی
۱۸۔حضرت شیخ برہان الدین بیہقی
۱۹۔حضرت شیخ بدرالدین (علیهم الرحمة والرضوان)

مصنف کتاب نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا شجرہ نسب بھی تحریر کیا ہے۔

''حضرت خواجہ قطب الدین اوشی بن سید کمال الدین (وبروایت نام ایشاں حسن طوسی) بن سید احمد بن سید محمد بن سید اسحاق بن سید معروف بن سید احمد چشتی بن سید رضی الدین بن سید حساب الدین بن سید رشید الدین بن حضرت امام برحق امام محمد تقی''۔(ص۴۰)

حضرت خواجہ قطب الدین اوشی کے علاوہ مصنف کتاب نے سلطان المشائخ نظام الدین اولیا کے ۱۸ ؍خلفا حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی کے ۹ ؍خلفا اور حضرت فرید الدین گنج شکر کے ۱۷ ؍خلفا کے اسما کا بھی ذکر کیا ہے۔ان تفصیلات کی روشنی میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان کے حالات زندگی سے متعلق اس قدیم ماخذ کی اہمیت ارباب فکر ونظر بآسانی لگا سکتے ہیں۔

❁❁❁

ایثار

''صوفیائے کرام کا ایک خُلق ایثار بھی ہے، اس جذبہ پر ان کو قوت ایمانی رحم وشفقت پر آمادہ کرتی ہے۔ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے وہ قربان کر دیتے ہیں اور جو چیز نہیں ہوتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں۔ حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بلخ کے ایک نوجوان نے مجھے لاجواب کر دیا۔ ہوا یوں کہ وہ نوجوان حج کے سفر میں ہمارے پاس آیا تھا اس نوجوان نے مجھ سے پوچھا کہ زہد کسے کہتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ''ہمیں جو کچھ مل جاتا ہے وہ کھا لیتے ہیں'' یہ سن کر میں نے پوچھا تمہارے نزدیک زہد کیا ہے؟ اس نے کہا جب ہمیں کچھ نہیں ملتا تو ہم شکر ادا کرتے ہیں اور اگر کچھ مل جاتا ہے تو اس کو ایثار کرتے ہیں اس کی یہ بات سن کر میں شکست خوردہ ہو گیا۔

حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ فراخ دل زاہد میں یہ تین باتیں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ جمع کردہ چیز کو خرچ کرتا ہے

۲۔ گم شدہ چیز کی تلاش نہیں کرتا ہے

۳۔ اور اپنی غذا و خوراک دوسروں کو کھلا دیتا ہے۔

(عوارف المعارف ص ۳۰۰)

باب سوم

صوفیائے کرام اور احیائے اسلامی

صوفیائے کرام اور اردو زبان کی ترویج و ارتقا

عبادت کی روح جسے حدیث جبرئیل میں احسان کہا گیا ہے عہد حاضر میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بقول اسی کو تصوف سے موسوم کیا جاتا ہے، اگر یہ کیفیت عبادت سے جدا ہو جائے تو محض ظاہری افعال باقی رہ جائیں گے جن میں نہ ذوق ہوگا نہ نورانیت اور نہ سکون قلب ہوگا نہ روحانیت۔ بقول ڈاکٹر اقبال:

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام　　میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

یہ درجہ احسان جس میں عابد میں معبود کو دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے صرف انبیاء و مرسلین، اولیائے صالحین اور صوفیاء و مشائخ کو میسر ہوتا ہے جس کا ہر عمل مرضی مولیٰ کے مطابق ہوتا ہے جنھوں نے اپنے کردار و عمل سے ایک عالم کو متاثر کیا ہے ان میں رب شناسی کے وہ تمام کوائف پائے جاتے ہیں جن کے ذریعہ بندۂ خدا کو قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے اس میں خوف کو بڑی اہمیت حاصل ہے جس کی طرف اشارہ امام غزالی علیہ الرحمہ نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

الناس کلهم موتیٰ الاالعلماء والعلماء کلهم نیام الا العاملین والعاملون کلهم فی خسران الاالمخلصین والمخلصون کلهم علیٰ خطر الاالخائفین

(علماء کے سوا تمام لوگ مردہ ہیں، بیدار صرف وہی علماء ہیں جو عمل کرنے والے ہیں، نفع میں صرف وہی عمل کرنے والے ہیں جن کے عمل میں اخلاص ہے۔ علم و عمل اور اخلاص کے باوجود بھی مسلمان خطروں میں گھرا ہوا ہے کہ کہیں یہ سب غارت نہ ہو جائے۔ خطرہ سے محفوظ وہ مسلمان ہے

جو علم و عمل اور اخلاص کے ساتھ اس کے دل میں خوف الٰہی ہے۔)

جس بندے کے اندر خوف الٰہی ہوتا ہے وہ ہر اس عمل سے اجتناب کرتا ہے جس میں رب کی ناراضگی ہوتی ہے اور آگے چل کر اس مقام پر فائز ہوتا ہے جس کی طرف اشارہ اللہ رب العزت نے الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولاھم یحزنون سے کیا ہے۔

ان صوفیاء مشائخ کی تمام تر توجہ الی اللہ ہوتی ہے ان کے سامنے دنیا کی حقیقت ایک مردار جانور سے زیادہ نہیں ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے الدنیا جیفۃ وطالبھا کلاب دنیا ایک مردار شی ہے جس کے طلب گار کتے ہیں۔اس لئے ان صوفیاء کا انداز دنیاداروں سے بالکل جداگانہ ہوتا ہے، دنیا والوں کی نگاہوں میں ان کی کوئی وقعت نہیں ہوتی مگر اللہ کے نزدیک وہ انتہائی اہم مقام پر فائز ہوتے ہیں۔کیوں کہ صوفی کا ہر عمل ظاہر داری کے خلاف ہوتا ہے۔عالم شریعت صوفی جو علم شریعت اور علم طریقت دونوں سے آراستہ ہوتا ہے اس میں یہی فرق ہوتا ہے کہ عالم کی نظر صرف ظاہر پر رہتی ہے اور صوفی باطن کا مشاہدہ کرتا ہے، عالم رسمیات اور تقلید کا پابند ہوتا ہے اور صوفی ان سے بیزار، عالم کی نظر برائی پر پڑتی ہے اور صوفی بری سے بری شئی میں بھلائی کا پہلو ڈھونڈھ نکالتا ہے، عالم لعن طعن سے کام لیتا ہے اور صوفی مہر و محبت سے، عالم خودی اور خودنمائی سے بڑا بنتا ہے اور صوفی فروتنی اور خاکساری سے دلوں میں گھر کرتا ہے، عالم دوسروں کے عیوب کا متجسس رہتا ہے اور صوفی اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے، عالم اپنے علم سے مرعوب کرنا چاہتا ہے اور صوفی اپنے عمل سے دوسروں کو لبھاتا ہے، عالم ایک لاٹھی سے سب کو ہانکتا ہے، مگر ایک صوفی ہر ایک بندگان حق کے رنگ طبیعت کو دیکھتا ہے اور جیسی جس کی طبیعت کی افتاد ہوتی ہے اسی ڈھنگ سے اس کی تربیت کرتا ہے، اصل صوفی بہت بڑا ماہر نفسیات ہوتا ہے، ایک عالم کی بہ نسبت صوفی کہیں زیادہ زمانہ کی نبض کو پہچانتا ہے، عالم دلوں کو ٹٹولتا ہے اور اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ دلوں کی تہہ تک پہنچتا ہے، جہاں انسان کے اصل اسرار چھپے اور دبے رہتے ہیں۔ صوفی کا سب سے بڑا مقصد انسانوں کے دلوں کو ہاتھ میں لانا ہے کیوں کہ کسی بندہ کے دل کو جیتنا ایک نئی دنیا فتح کرنے کے مترادف ہے۔یہ جو مشہور ہے کہ ”دل بدست آور کہ

حج اکبراست'' یہ ایک صوفی ہی کا قول ہے اور ایک صوفی ہی اس پر عمل کرتا ہے۔ حضرت رابعہ بصری کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک بار فرمایا :

"اگر در هوا پری مگسی ، اگر بر دریا روی خسی
اگر دل بدست آری کسی"
(اگر ہوا میں اڑتا ہے مکھی ہے اگر دریا پر چلتا ہے خس وخاشاک ہے
اور اگر کسی دل کو اپنے قبضہ میں کرتا ہے تو مرد ہے)

اسی وجہ سے تو صوفیاء نے بندگان حق کے دلوں پر حکومت کی اور انھوں نے وہ کام کر ڈالے جو سلاطین زمانہ سے نہ ہوسکا۔ بادشاہ کا دربار خاص لوگوں کے لئے ہوتا ہے مگر فقیر کا دربار عام ہوتا ہے، جہاں چھوٹے بڑے امیر ،غریب عالم، جاہل میں کوئی امتیاز نہیں، بادشاہ رعایا کی جان و مال کا مالک ہوتا ہے مگر فقیر کا قبضہ انسانوں کے دلوں پر ہوتا ہے اور یہی سبب ہے کہ صوفی اور درویش کو وہ قوت واقتدار حاصل ہو جاتا تھا کہ بڑے بڑے باجبروت بادشاہوں کو بھی ان کے سامنے سر جھکانا پڑتا تھا۔

یہ لوگ راستہ کے دشوار مراحل سر بہ فلک پہاڑیاں ،لق ودق بیابانوں کو طے کر کے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے ایسے مقام پر پہنچے جہاں کوئی اسلام کے نام سے واقف نہیں تھا، اجنبی ماحول ہوتا ، باتیں طبیعت اور مزاج کے خلاف ہوتیں ،لیکن ان سب کے باوجود ان حضرات نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ ان کو جوار رحمت باری میں گئے صدیاں گذر گئیں، لیکن انھیں خدمات کے پیش نظر آج بھی بندگان خدا اور سلاطین زمانہ ان کے آستانوں پر اپنی پیشانیاں رگڑتے نظر آتے ہیں اور جن جن مقامات پر ان کے قدم پڑے تھے آج احتراماً ان مقامات کو''شریف رمقدس'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ نہ جانے کون سی ایسی بات ان میں تھی جس سے لوگوں کے دل ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے، تاریخ گواہ ہے سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت میں حضرت نظام الدین اولیاء کی بارگاہ میں عقیدت مندوں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا خواجہ کے حاسدین نے یہ بات تغلق سے کہہ دی کہ ملک کے والی آپ ہیں عوام کی بھیڑ نظام الدین اولیاء کے یہاں لگتی ہے یہ

بات سلطان کو بری لگی اور اس نے عہد کر لیا کہ دہلی سے نظام الدین اولیاء کو باہر کرنا ہے تا کہ میں عوام کے دلوں کا محبوب بن جاؤں، سلطان کو شاید اس کی خبر نہیں تھی کہ سلطان کی حکومت عوام کے جان و مال پر ہوتی ہے اور ان کے دلوں پر حکمرانی اولیاء اللہ کی ہوتی ہے، اس نے شیخ نظام الدین اولیاء کے پاس بنگالہ کی مہم سے واپسی پر افغان پور سے ایک پیغام بھیجا جس میں لکھا تھا۔

''تاوقتیکہ کہ ما در دہلی بیائیم شما از غیاث پور بیروں روید کہ بہ سبب سکونت شما کثرت مردم از یں در آنجا می باشد وجائے برائے متوسلاں بادشاہی نمی ماند''۔ (خزنیۃ الاصفیاء ص ۳۳۷)

(جس وقت ہم دہلی پہنچیں آپ غیاث پور چھوڑ کر چلے جائیں کیوں کہ آپ کی سکونت کی وجہ سے وہاں لوگوں کی اتنی زیادہ کثرت ہوا کرتی ہے کہ شاہی متوسلین کے لئے جگہ نہیں رہتی)

سلطان کے اس پیغام کے جواب میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے سلطان کے فرستادہ سے فرمایا کہ جاؤ سلطان سے کہہ دو کہ ''ہنوز دلی دور است'' (ابھی دلی دور ہے) دہلی پہنچنے سے پہلے دہلی سے تین کوس کے فاصلہ پر اس کے بیٹے جونا خاں محمد تغلق نے ایک چوبیں محل افغان پور میں بنوایا تھا جس میں سلطان کا استقبال کیا گیا اور ایک دعوت کا اہتمام کیا گیا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھیوں کا جلوس گزرنے لگا تو ساری عمارت زمیں بوس ہو گئی اور بادشاہ اسی محل میں دب کر مر گیا اس طرح بادشاہ شیخ نظام الدین اولیاء کو دہلی سے کیا نکالتا خود ہی دنیا سے نکل گیا اور دہلی میں داخل نہ ہو سکا۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۷۲۵ھ میں پیش آیا، اسی وقت سے یہ محاورہ زبان زد خاص و عام ہے ''ہنوز دلی دور است''۔

صوفیاء و مشائخ کا دروازہ ہمیشہ ہر فرد اور قوم کے لئے کھلا ہوتا تھا، مختلف زبان اور کلچر کے لوگوں سے ہمیشہ ان کی خانقاہوں میں ازدہام رہتا، اس لئے ان کی تعلیم و تلقین کے لئے لازم تھا کہ وہ اس علاقہ کی زبان سیکھیں تا کہ احسن طور پر ان کی رہنمائی کر سکیں اور محاسن اسلام بہتر انداز میں ان کے سامنے پیش کر سکیں۔ اگر چہ ان کی مادری زبان کچھ اور ہوتی تھی

لیکن تبلیغ کے لئے مقامی زبانیں سیکھتے اور بندوں کو وعظ ونصیحت پھر اسی زبان میں کرتے۔ مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب ''اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیہ کا حصہ'' میں ان صوفیا ومشائخ کی تعلیمات جو انھوں نے ہندوستان میں بولی جانے والی زبانوں میں پیش کی ہیں اجمالی جائزہ لیا ہے۔ جتنے مشائخ کرام ہندوستان کی سرزمین پر تبلیغ اسلام کے لئے آئے انھوں نے ہندوستان میں بولی جانے والی زبانیں سیکھیں، خود حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور ان کے دوسرے خلفاء نے بھی ہندوی زبان جو اس زمانہ میں ہندوستان میں بولی جاتی تھی ملک محمد جائسی کے بقول اسی زبان کا سہارا لیا وہ لکھتے ہیں۔

اول از جمیع اولیاء اللّٰه قطب الاقطاب خواجه بزرگ معین الملة والدین قدس سره بدین زبان سخن فر موده بعد ازاں حضرت خواجه گنج شکر در زبان هندی وپنجابی بعضے از اشعار نظم فرموده چنانکه در مردم مشهور اند

حضرت خواجہ غریب نواز کے بارے میں ملتا ہے کہ ان کی زبان فارسی تھی اور اجمیر کی زبان مارواڑی اور ہندوستان میں دیگر مقامات پر بھاشا بولی جاتی تھی۔ ایسی حالت میں تبلیغ اسلام مشکل تھی، اس لئے تبلیغی ضرورت کے پیش نظر کچھ دن بعد فارسی، بھاشا اور مارواڑی ملی ہوئی ایک زبان وجود میں آئی اس کے ذریعہ سے باشندگان ملک آپ کا مقصد سمجھ لیتے تھے اور اپنا معروضہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

بابا فرید کے کئی ایک مقولے ہندی زبان میں تو ملتے ہیں لیکن خواجہ غریب نواز کا کوئی قول ہندی میں نہیں ملتا ہے۔

بابا فرید کی ایک نظم ہندی زبان میں اس طرح دستیاب ہے۔

تن دھونے سے دل جو ہوتا پوک   پیش رو اصفیاء کے ہوتے غوک
ریش سلبت سے گر بڑے ہوتے   بوکڑ واں سے نہ کوئی بڑے ہوتے
خاک لانے سے گر خدا پائیں   گائے بیلاں بھی واصلاں ہو جائیں

گوش گیری میں گر خدا ملتا گوش چو یاں نہ کوئی واصل تھا

اگر یہ کہا جائے کہ ریختہ کی ابتدائی شکل میں ان کے یہاں نظمیں ملتی ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

وقت سحر وقت مناجات ہے خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بگوید ترا خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
با تن تنہا چہ روی زیر زمیں نیک عمل کن کہ رہے سات ہے
پند شکر گنج کہ بدل جان شنو ضائع مکن عمرے کہ ہیہات ہے

شیخ بوعلی شاہ قلندر کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری ہے، آپ علاء الدین خلجی کے زمانہ میں تھے۔ کچھ دوہے ان کی طرف منسوب ہو کر پائے جاتے ہیں جن سے ایک خاص کیفیت کا پتا چلتا ہے۔

گوجری در حسن و لطافت چو مہی دیگ دہی بر سر چتر شہی
از لعل لبت شیر و شکر می بارد ہر گہ کہ بگوئی دھی لو جی دھی

(اے گوجری تو حسن اور لطافت میں چاند کی طرح ہے۔ تیرے سر پر دھی کی دیگ ایسی لگتی ہے جیسے کسی شہنشاہ کے سر پر تاج رکھا ہوا ہے تیرے موتی جیسے ہونٹوں سے دودھ اور شکر برستا ہے جب تو کہتی ہے دھی لو جی دھی)

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روئے
بدھنا ایسی رین کو بھور کدھی نہ ہوئے

اسی مضمون کو آپ نے فارسی زبان میں بھی اس طرح ادا کیا ہے۔

من شنیدم یار من فردا رود راہ شتاب یا الٰہی تا قیامت بر نیاید آفتاب

ساتویں صدی ہجری / تیرہویں صدی عیسوی میں سلسلہ چشتیہ کے ایک صاحب دل بزرگ و شاعر حضرت امیر خسرو سے کون واقف نہیں، انہوں نے کئی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء کے منظور نظر اور خاص خلفاء میں تھے، انھوں نے موسیقی میں جدتیں دکھائی ہیں اور فارسی و ہندی موسیقی کو ملایا ہے، ہندی میں نظمیں اور دوہے

لکھے اس تعلق سے بعض تذکروں میں کہیں کچھ چیزیں مل جاتی ہیں میر تقی میر نے تذکرہ نکات الشعراء میں ان کا یہ قطعہ لکھا ہے۔

زرگر پسرے چوں ماہ پارا کچھ گھڑیئے سنواریئے پکارا
نقد دل من گرفت وبشکست پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

ریختہ اسی کا نام ہے جس میں فارسی اور ہندی دونوں زبانیں ملی ہوئی ہوتی ہیں اور یہیں سے اردو کی ابتدا ہوتی ہے۔امیر خسرو نے جو غزلیں ریختہ میں کہی ہیں آج بھی ان کی بڑی اہمیت ہے قوال حضرات جس والہانہ انداز میں اسے پڑھتے ہیں وہ سننے سے تعلق رکھتا ہے اسے سن کر ایک خاص قسم کا سرور حاصل ہوتا ہے آپ بھی سنئے۔

زحالِ مسکیں مکن تغافل، دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں، نہ لیہو گاہے لگائے چھتیاں
شبان ہجراں دراز چوں زلف، وروز وصلش چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کوں جو میں نے دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکا یک از دل دو چشم جادو، بصد فریبم ببر د تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے، پیارے پی کو ہماری بتیاں

حضرت امیر خسرو کے تعلق سے مولوی عبدالحق نے لکھا ہے کہ امیر خسرو جس طرح ہندی زبان کے ماہر تھے اسی طرح وہ ہندی موسیقی میں بھی کمال رکھتے تھے،جس طرح انھوں نے ہندی موسیقی میں فارسی نغمہ کا پیوند لگایا ہے، بعینہ اسی طرح انھوں نے ہندی اور فارسی زبان کو ملایا ہے اور حضرت امیر خسرو کے بارے میں یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سرزمین ہند میں اس زبان کا بیج بویا جو بعد میں ریختہ، اردو یا ہندوستانی کے نام سے موسوم ہوئی۔ (اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیا کا حصہ ص ۳۳)

بہار کے مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری سے کون واقف نہیں ان کے مکتوبات، تصوف کا بڑا گراں قدر سرمایہ ہیں، ساتویں صدی ہجری میں ولادت ہوئی، آٹھویں صدی ہجری میں وصال ہوا پوربی اور ہندی بھاشا کے شاعر تھے۔اب

تک ان کے بتائے ہوئے منتر سانپ بچھو اور دفع امراض اور جھاڑ پھونک کے طور پر پڑھے جاتے ہیں، نمونے کے طور پر یہاں ایک منتر کا ذکر کیا جارہا ہے جو شاید سانپ کے کاٹنے پر زہر اتارنے کے لئے پڑھا جاتا ہے اس زمانے میں جو پوروبی بولی بولی جاتی تھی اس کا اندازہ اس منتر سے ہوتا ہے۔

کا لا ہنسا نہ ملا بسے سمند ر تیر
پنکھ پسارے یکہ ہرے نرمل کرے سریر

دردرہے نہ پیڑ

حضرت محمد بن یوسف حسنی الحسینی دہلوی (وفات ۸۲۵ھ) جو بندہ نواز گیسو دراز کے لقب سے مشہور ہیں، حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ اور جانشین تھے، ساتویں صدی ہجری میں دہلی میں ان کی ولادت ہوئی اور آٹھویں صدی ہجری میں وصال ہوا۔ دکن کا علاقہ آپ کی دعوتی سرگرمیوں کا مرکز رہا، آپ صاحب علم اور صاحب تصنیف بزرگ تھے، آپ کا معمول تھا کہ نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو حدیث اور تصوف و سلوک کا درس دیا کرتے تھے اور گاہے گاہے درس میں کلام وفقہ کی تعلیم بھی ہوتی تھی، جو لوگ عربی وفارسی سے واقف نہ تھے ان کے سمجھانے کے لئے ہندی زبان میں تقریر فرماتے تھے۔

حضرت بندہ نواز گیسو دراز نے عربی وفارسی میں کتابیں لکھیں بعض لوگوں نے لکھا ہے حضرت بندہ نواز گیسو دراز نے ہی اردو زبان میں تصوف پر پہلی کتاب لکھی جس کا نام معراج العاشقین ہے جس کی سنہ کتابت ۹۰۶ھ ہے، اس کے علاوہ ان کی اور دو کتابوں کا پتا چلتا ہے ایک کتاب کا نام تلاوت الوجود اور دوسری کتاب کا نام شکا ر نامه ہے۔ یہ دونوں کتابیں بھی تصوف کے بعض مسائل پر مشتمل ہیں۔ معراج العاشقین میں درج ذیل زبان استعمال کی گئی ہے۔

انسان کے بوجنے کو ں پانچ تن، ہر ایک تن کوں پانچ
دروازے ہیں، ہور پانچ دربان ہیں ، پیلا تن واجب

الوجود، مقام اس کا شیطانی ، نفس اس کا امارہ، یعنی
واجب کی آنك سوں غیر نه دیکھنا سو، حرص کے کان
سوں، غیر نه سننا سو ، حسد تك سوں بدبوئی نالینا
سو ، بغض کی زبان سو ں بدگوئی نه کرنا سو، کینا
کی شهوت کوں غیر جاگا خرچنا سو ، پیر طبیب کامل
هونا ،نبض پهچان کوں دوادینا "

پروفیسر حامد حسن قادری نے خواجہ سید اشرف جہانگیر سمنانی (وفات ۸۰۸ھ) کو اردو کا پہلا مصنف قرار دیا ہے۔ لیکن اس میں کیا شک ہے کہ ابتدائی اردو نظم ونثر کا چلن شمالی ہندوستان کی بہ نسبت دکن میں زیادہ ہوا اور حضرت بندہ نواز پہلے مصنف ہیں جنھوں نے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے دکنی اردو میں مستقل رسالے اور کتابیں لکھیں۔ چکی نامه کی دریافت کے بعد یہ مسئلہ بحث طلب نہیں رہتا کہ اردو کا پہلا شاعر کون ہے۔ نصیر الدین ہاشمی مولف ''دکن میں اردو'' کے نزدیک نظامی اردو کا پہلا شاعر ہے لیکن اگر مزید تحقیق سے یہ ثابت ہو جائے کہ ''چکی نامہ'' واقعی حضرت بندہ نواز کی تصنیف ہے تو اردو کے اولین شاعر کہلانے کا شرف بھی انھیں کو حاصل ہوگا۔

(معراج العاشقین ، بندہ نواز گیسودراز ص۱۰ دہلی ۱۹۵۷ء)

اسی طرح سید برہان الدین ابو محمد عبد اللہ المشہور بہ قطب عالم احمد آباد (وفات ۸۵۰ھ) کو ایک دن صبح نماز فجر کے لئے جا رہے تھے کہ پاؤں میں ٹھوکر لگی اس وقت آپ کی زبان مبارک سے نکلا۔

لوھا ھے، لکّڑ ھے، که پتھر ھے

اس وقت کی زبان جو انھوں نے استعمال کی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اردو زبان اپنے ابتدائی دور سے آگے بڑھ چکی تھی جملوں میں سلاست آنی شروع ہوگئی تھی۔

ان کے فرزند اور خلیفہ حضرت سراج الدین ابو البرکات سید محمد مشہور بہ شاہ عالم احمد آباد گجرات کے بعض اقوال بھی ہندی زبان میں ملتے ہیں ایک موقع پر انھوں نے فرمایا:

کاندھی کا راجا تم سر کوئی نہ بوجھے سکیں کا راجا تم سر کوئی نہ بوجھے

سید محمد جونپوری جنہیں ان کے مرید مہدی آخر الزماں مانتے تھے۔ جس کے سبب انھیں بہت سی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے بھی کئی اقوال ہندی زبان میں ملتے ہیں اپنی رحلت سے کچھ پہلے انھوں نے قاضی علاء الدین بیدری کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

ہیر وتت پکھال توں کان پر دھوئے مدھوے
او جھل ہوئیں نچھوت سی سکھ نندری ناسوے

شیخ بہاء الدین باجن (وفات ۹۱۲ھ) برہان پور کے اولیاء اللہ میں سے ہیں شیخ عزیز اللہ المتوکل علی اللہ کے مرید تھے۔ آپ کی ایک کتاب خزانہ رحمت ہے جس میں آپ کے ملفوظات اور ارشادات جمع کئے گئے ہیں۔ پروفیسر شیرانی نے ان کے متعدد اشعار نقل کئے ہیں ایک دو شعر یہاں درج کئے جا رہے ہیں۔

یہ فتنی کیا کسی سے ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے
اول آس چھل بہت چھلائے آس چھوہری بہتی کمائے

آس روکر بہت رلائے

شیخ عبد القدوس گنگوہی (وفات ۹۴۵ھ) شیخ محمد بن شیخ احمد عبد الحق چشتی صابری کے مرید اور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ یہ حضرت بھی تبلیغ کے لئے ہندی زبان استعمال کرتے تھے اور ہندی بھاشا کے باضابطہ شاعر تھے اور الکھ داس تخلص کرتے تھے۔ ان کا ایک شعر ہے۔

جدھر دیکھوں ہے سکھی دیکھوں ہور نکوئے
دیکھا بوجھ بچار میں سبھی آپیں سوئے

حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری بہت بڑے بزرگ اور اہل اللہ میں سے تھے شیخ وجیہ الدین جیسے بلند پایہ عالم اور شیخ اگرچہ شاہ قادن کے مرید تھے مگر انھیں روحانی فیض شاہ محمد غوث گوالیاری سے ہی حاصل ہوا تھا۔ سید شاہ ہاشم حسنی علوی جو قاضی نصر اللہ کے بیٹے تھے ان کے تمام اقوال اور حالات ان کے ایک مرید نے مقصود المراد کے نام سے جمع کر دیئے ہیں

اس میں جابجا کثرت سے شاہ صاحب کے اقوال ہندی میں ملتے ہیں کچھ نمونے ذیل میں دیئے جارہے ہیں۔

ہاشم جی چھولاں لہر　پیویں وحدت کے بحر
ہوویں متوالے سحر　دنی، جوں قاتل زہر

مولوی عبدالحق نے لکھا ہے کہ اگر حضرت بندہ نواز گیسودراز کے رسالہ معراج العاشقین جسے اردو زبان میں تصوف کی پہلی کتاب کا درجہ حاصل ہے، اسے منسوب خیال کرلیا جائے تو پہلے صوفی بزرگ جن کا کلام مستقل طور سے ملتا ہے وہ حضرت میراں جی شمس العشاق بیجاپوری ہیں۔ اگر چہ آپ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی بارہ سال مدینہ منورہ شریف میں روضہ مبارکہ کی جاروب کشی فرمائی، ایک شب خواب میں سرکار دوعالم ﷺ نے آپ کو ہندوستان جانے کے لئے فرمایا آپ نے نہایت عجز سے یہ عذر کیا کہ میں ہندوستان کی زبان سے نابلد ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا "همه زبان بشما معلوم خواهد شد" تمہیں ساری زبانیں آجائیں گی آپ ہندوستان تشریف لائے اس وقت جو زبانیں ہندوستان میں رائج تھیں اور دوآبے، پورب، پنجاب، گجرات، دکن وغیرہ میں جو زبانیں بولی جاتی تھیں سب آپ نے سیکھیں اور پھر اسی میں دعوت دین کا فریضہ انجام دیا۔ ان کی نظم کے چند اشعار اس طرح ہیں۔

بسم اللہ الرحمان　الرحیم تو سجان
یہ سب عالم تیرا　رزاق سبھوں کیرا
تجھ بن اور نکوئے　تا خالق دوجا ہوئے
جے تیرا ہوئے کرم　تو ٹوٹے سبھی بھرم
اس کارن تجھ کو دکھاؤں　اور تیرا نام لیوں
تجھ نرتا کون جانے　اور پوری صفت بکھانے
ہے تیرا انت نہ پار　کس موکھوں کروں اچار
جو تیرا امر جانے　اس نہی کو نہ مانے

ہم نے اپنی اس گفتگو میں چھٹی صدی ہجری سے لے کر دسویں صدی ہجری تک کے کچھ اہم صوفیائے کرام نے علمی و دینی خدمات کے تعلق سے جو زبانیں استعمال کی ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔اس زمانے میں جو زبانیں بولی جاتی تھیں اس دور کے صوفیاء نے ان تمام زبانوں کا سہارا لیا ہے، خواجہ اجمیر کے بعد سے حضرت امیر خسرو تک بھاشا اور فارسی دونوں زبانوں کا رواج پایا جاتا ہے۔آپ کی شاعری میں یہ دونوں زبانیں موجود ہیں اور بعض عبارات میں مخلوط زبان یعنی اردو کی ابتدائی شکل نظر آتی ہے، پس باہر سے آئے ہوئے فارسی بولنے والے مسلمان اور بھاشا بولنے والے برادران وطن کے پیش نظر یہ بات مسلم ہے کہ خرید وفروخت اور دیگر ضروریات زندگی کے لئے بھی یہی زبان کام میں لائی جاتی تھی گویا اردو کے نقش اول کے بعد یہ نقش دوم تھا یہی زبان ترقی پذیر ہو کر جہاں گیر کے زمانہ میں لشکری ضروریات پورا کرنے کا ذریعہ بن کر اردو کہلائی پس اردو کے بانی حقیقی یا موجد اعظم بقول صاحب معین الارواح حضور خواجہ غریب نواز ہیں۔

ان صوفیا ومشائخ کی عوام سے ملاقات اور ارتباط سے جو ٹوٹی پھوٹی زبان وجود پذیر ہو رہی تھی اس دور کے علماء اس زبان میں لکھنا بولنا اپنے لئے باعث ننگ وعار سمجھتے تھے چنانچہ انھوں نے اس کی طرف بالکل توجہ نہیں فرمائی جب اس زبان نے ترقی کر لی اور اس کا حسن نکھر کر ماہتاب کی طرح چمکنے لگا تو اس کی زلف برہم کو سنوارنے کے لئے ان علماء نے ہاتھ میں قلم پکڑا اور اردو زبان میں کتابیں تصنیف کرنے لگے یہ تو صرف ان صوفیاء کی جرأت کا فیض تھا کہ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے جو پہلے زبان لکھنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے تھے اس زبان کا استعمال شروع کر دیا یہی وجہ ہے کہ ان صوفیائے کرام کو اردو کا محسن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اس سلسلے میں اگر سنت کبیر کا نام نہ لیا جائے تو گفتگو نامکمل سمجھی جائے گی حضرت کبیر ان صوفیاء ومشائخ میں سے تھے جن کا ذکر تصوف کے اہم تذکرہ نگاروں نے کیا ہے، مفتی غلام سرور لاہوری کی تصنیف خزینۃ الاصفیاء میں تفصیل سے ان کی زندگی اور کارناموں کا ذکر ہے، کبیر کی ولادت ضلع بستی میں مگہر نامی گاؤں میں ہوئی اور زندگی کے

ایام بھی انھوں نے وہیں گزارے اور وہیں ان کی وفات بھی ہوئی، صوبہ اتر پردیش کا مشہور ضلع، ضلع بستی مایاوتی کے عہد حکومت میں جب دوسری بار تقسیم ہوا تو اس حصہ کا نام سنت کبیر ہی کے نام کی مناسبت سے سنت کبیر نگر رکھا گیا۔ کبیر کے یہاں رواداری اس قدر تھی کہ ہندو بھی انھیں اپنا مذہبی رہنما تسلیم کرنے لگے تھے۔ انھوں نے جو کچھ لکھا وہ ایک انسان کو سامنے رکھ کر لکھا ہے، ان کے یہاں ہندو مسلم کی کوئی تمیز نہ تھی، مشہور مورخ ابوالفضل نے کبیر کو سکندر لودھی کا معاصر بتایا ہے مگر صاحب خزینۃ الاصفیاء اسے پندرہویں صدی عیسوی کا شیخ بتاتے ہیں، کبیر کے دوہے براہ راست دلوں کو چھوتے تھے وہ چوں کہ پورب کے باشی تھے وہ پورب جس کے بارے میں شاہجہاں از راہ تفاخر کہا کرتا تھا ''پورب شیراز ماست'' اس لئے ان کی زبان بھی پوربی تھی اور انھیں اپنی اس زبان پر ناز بھی تھا وہ لکھتے ہیں۔

میری بولی پوربی تاہی نہ چینھے کوئے میری بولی سو لکھے جو پورب کا ہوئے

ان کے دوسرے دوہے کچھ اس طرح ہیں۔

مرے تو مر جایئے چھوٹ پڑے جنجار ایسا مرنا کو مرے دن میں سو سو بار

کبیر اس سنسار کو سمجھاؤں کے کے بار پونچ تو پکڑے بھیڑ کی اترا چاہے پار

میرا مجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سو تیرا تیرا تجھ کو سونپتے کیا لاگے ہے میرا

سکھیا سب سنسار ہے، کھائے اور سووے دکھیا داس کبیر ہے، جاگے اور رووے

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یہی وہ زبان تھی جو نویں اور دسویں صدی ہجری میں ہندوستان کے ہر خطہ میں بولی سمجھی جاتی تھی اور اسے عام زبان ہونے کا فخر حاصل تھا۔ کبیر داس نے جس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب کو ایک کرنے کی کوشش کی اس طرح ان دونوں زبانوں کو بھی اپنے کلام میں بڑی خوبی سے ملا کر ایک کر دیا ہے بعض مورخین کے بقول یہیں سے ہندوستانی یا اردو کی بنیاد پڑتی ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ کبیر اس زبان کے اولین بانیوں میں سے تھے۔

خواجہ غریب نواز کے زمانے میں اردو کی بنیاد پڑی یا حضرت امیر خسرو کے عہد میں اس کی ابتدا ہوئی، یا اردو زبان کا آغاز سنت کبیر کے عہد میں ہوا اس میں تو اختلاف

ہوسکتا ہے لیکن اتنا مسلم ہے کہ اس زبان کی بنیاد ان صوفیا و مشائخ کی خانقاہوں میں پڑی انھوں نے ہی اس زبان کو زندگی کی ڈگر پر انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا، اہل مدارس نے اس کی زلف برہم کو سنوارا، باضابطہ اس موضوع پر کام کرنے کی ضرورت ہے شاید کوئی اردو کا طالب علم صوفیا مشائخ سے عقیدت رکھنے والا اس کام کی طرف متوجہ ہو۔

اردو زبان ہندوستان میں پیدا ہوئی، یہیں پلی بڑھی اور یہیں سے اس نے عالمی شہرت حاصل کی، آج ہمارے برادران وطن جو اسے مسلمانوں کی زبان کہہ کر ملک سے نکالنے کی جدوجہد میں لگے ہیں ان کی یہ کوشش قیامت تک کامیاب نہ ہوگی، کیوں کہ اس کا تعلق بزرگان دین کی خانقاہوں سے ہے، صوفیاء و مشائخ کی اسے سرپرستی حاصل رہی ہے، اسی سرپرستی کے باعث ہی یہ زبان اپنی ہزار مخالفتوں کے باوجود سرزمین ہندوستان پر زندہ و تابندہ ہے اور انشاء اللہ تا قیام قیامت زندہ و تابندہ رہے گی۔ ہندوستان سے اس کے وجود کو مٹانا تو درکنار سات سمندر پار اس کی شہرت پہنچ چکی ہے اور رفتہ رفتہ یہ زبان اپنی عالم گیریت کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یہ واضح رہے کہ اس کی شہرت پر گرد تو ڈالی جاسکتی ہے مگر اس کی مقبولیت پر قدغن نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ بقول داغ دہلوی:

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

(ماخوذ از اردو زبان کی ارتقا میں صوفیا کا حصہ)

صوفیائے کرام اور اصلاح معاشرہ

کسی پس ماندہ قوم کو عروج وارتقا سے آشنا اور ہم کنار کرنے کے لئے رہنمایان ملت کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تعلیمی نشو ونما سے لے کر زندگی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچنے کے لئے ان تمام چیزوں کی اہمیت سے روشناس کرایا جاتا ہے جو معاشرہ کو صالح اور صحت مند بنانے کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔

معاشرہ کو مثالی، صحت مند بنانے کے سلسلے میں تین چیزوں کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، بعثت اسلام کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمان رب کے مطابق انھیں تین چیزوں کو بنیاد بنا کر معاشرہ کی اصلاح فرمائی جس کے سبب کفار مکہ جو پوری دنیا میں اکھڑ پن کی وجہ سے مشہور تھے مثالی بن گئے عرب کا معاشرہ کتنا بگڑا ہوا تھا اس کی تفصیل ہر اہل علم کو معلوم ہے کون سی ایسی سماجی برائی تھی جس کے وہ لوگ مرتکب نہیں تھے اور مزاج میں اکھڑ پن تو اس درجہ کا تھا الامان والحفیظ اسی دور کا ایک شاعر اپنے سماج کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتا ہے۔

الا لا یجھلن احد علینا　　فنجھل فوق جھل الجاھلینا

(ہم سے کوئی جہالت کی بات نہ کرے ہم جاہلوں سے بڑھ کر جاہل ہیں)

جس معاشرہ میں علم ہے وہ معاشرہ قدرے بہتر ہے کیوں کہ ترقی یافتہ معاشرہ میں علم کی کلیدی حیثیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو علم وحکمت کے زیور سے آراستہ کر کے بھیجا۔ تاکہ وہ اپنے متبعین کو علم وحکمت اور کتاب ودانائی کی باتیں بتائیں۔ حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام اللہ رب العزت کے خلیفہ اور جانشین علم ودانائی میں تھے اور ان کا یہی وہ علمی فیضان تھا جس کے باعث ایک انسان کو فرشتوں پر فوقیت دی گئی، اگرچہ فرشتوں نے اس کی مخالفت کی اور کہا:

(واِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الاَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَن يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (البقره ۳۰)

(اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں بولے کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بولتے ہیں) تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان فرشتوں کا منھ یہ کہہ کر بند کر دیا۔" اِنِّىْ اَعْلَمُ مَالَاتَعْلَمُوْنَ "(مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے)

جب اس علم کی عظمت فرشتوں پر واضح ہوگئی تو سب کے سب خدا کے حکم سے حضرت آدم کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے، حالانکہ جس علم سے حضرت آدم علیہ السلام کو آگاہ کرایا گیا تھا وہ مفسرین کے بقول چھوٹی موٹی اور روزمرہ برتنے کی چیزوں کے اسما تھے، مگر اتنا علم حضرت آدم علیہ السلام کی بزرگی کے لئے کافی ہوگیا جب وہ دنیا میں تشریف لائے تو انھوں نے اس سرزمین پر علم وحکمت کی بنیاد ڈالی، صنعت وحرفت، سینا پکانا، اور زراعت کی تعلیم دی ان کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام آئے انھوں نے علم اور قلم کو رواج بخشا، عربی وسریانی زبان میں تحریر اور تعلیم فرمائی، حضرت نوح علیہ السلام آئے انھوں نے علم شریعت یعنی حلال وحرام کے مسئلے سکھائے، نجاری یعنی بڑھئی گیری کے علم کو فروغ دیا، اور اسی فن کی بنیاد پر انھیں اس طوفان عظیم سے نجات ملی، جو طوفان نوح سے مشہور ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو علم معرفت عطا کیا گیا قال لَا اُحِبُّ الآفِلِيْنَ چھپنے اور ڈھلنے والا خدا نہیں ہوسکتا، فوراً توحید الٰہی کی طرف متوجہ ہوگئے، علم مناظرہ سے بھی انہیں آراستہ کیا گیا، جس کے سبب نمرود پر انہیں فتح وکامرانی نصیب ہوئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو علم تعبیر خواب دے کر بھیجا گیا جس کے سبب وہ مسند وزارت پر عزیز مصر کی جگہ صدر نشین ہوکر پورے ملک مصر کے مالک ومختار ہوئے، حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم منطق الطیر عطا ہوا

تھا جس کے سبب انھیں انسانوں کے علاوہ جملہ حیوانات پر حکومت کرنے میں آسانی ہوئی اسی طرح جتنے انبیاء ومرسلین دنیا میں تشریف لائے علم وحکمت سے آراستہ ہوکر آئے یہاں آنے کے بعد اپنی اپنی امت کو اسی سے آراستہ کیا۔

پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ جب دنیا میں تشریف لائے تو انھوں نے تزکیہ نفس اور کتاب وحکمت کی تعلیم کو بنیادی حیثیت دے کر اس طرح معاشرہ کی اصلاح فرمائی کہ آپ کے دامن سے وابستہ تمامی حضرات صرف اپنے زمانے کے لئے ہی نہیں بلکہ ہر دور میں ہر ملک کے باشندوں کے لئے قابل فخر اور لائق تقلید نمونہ بن گئے، جس کی شہادت اللہ کے نبی ﷺ نے ان لفظوں میں دی ہے۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم

(میرے تمام صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جوان کی اقتدا کروگے ہدایت پاجائے گے)

انبیاء ومرسلین کی آمد کا سلسلہ تو پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ختم ہوگیا لیکن کار نبوت ابھی ختم نہیں ہوا، وارثین انبیاء اس پیغمبرانہ عمل کو بڑی ذمہ داریوں کے ساتھ نبھاتے رہے ہیں، علماء نے علم کے معاملہ میں انبیاء کی نیابت کی اور صوفیائے کرام نے تزکیہ نفوس کے تعلق سے پیغمبرانہ ذمہ داریوں کو سنبھالا۔ بعض صوفیائے کرام نے تزکیہ نفس کے ساتھ علم وحکمت کی تعلیم سے بھی معاشرہ کو آراستہ کیا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کا خاندان اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی جنہیں محقق علی الاطلاق کہا جاتا ہے ان کی بارگاہ علم ظاہری وباطنی دونوں کا سنگم تھی لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک نہ چل سکا ایک حد تک پہنچتے پہنچتے اس عمل میں کمی آتی گئی تزکیہ نفوس کا جو سلسلہ خانقاہوں میں جاری تھا وہ تقریباً ختم ہی ہوگیا، البتہ تعلیمی چہل پہل ابھی باقی ہے لیکن اس چہل پہل میں خانقاہوں کا کتنا حصہ ہے وہ سب پر عیاں ہے، جب کہ تعلیم سے زیادہ تزکیہ نفس کی ضرورت ہے، اس کا اندازہ قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے ہوتا ہے ویُزَكِّيهِم وَيُعَلِمُهُم الكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اس میں پہلے یزکیھم فرما کر اس کی اہمیت واضح کی گئی ہے، لیکن افسوس آج

اس معاشرہ میں اسی چیز کا فقدان ہے جس کے سبب ہم علم کے فیضان سے محروم ہیں، کیا آج پہلے سے زیادہ لوگ اہل علم نہیں؟ ملک میں کالجز، مدارس اور جامعات کی بہتات نہیں؟ علماء اور دانشوروں کی تعداد میں پہلے سے زیادہ غیر معمولی اضافہ نہیں؟ ان سب کچھ کے ہوتے ہوئے کیا معاشرہ مثالی بن گیا؟ سماج قابل تقلید بن گیا؟ نہیں ہرگز نہیں معاشرہ مثالی اس وقت بنے گا جب تعلیم وتربیت کے ساتھ لوگوں کے دلوں اور نفوس کا تزکیہ کیا جائے گا، تزکیہ نفس کی اسی عظمت کے سبب صوفیا ومشائخ نے جنگل کے درختوں کے پتے کھا کر شبانہ روز بھوکوں پیاسوں رہ کر پہلے اپنے دل کو کدورتوں اور ماسوی اللہ سے پاک وصاف کرکے آئینہ کی طرح مجلی کیا ہے، پھر ایک خانقاہ میں بیٹھ کر مخلوق خدا کی ہدایت ان کے دلوں کو فکر وخیال کی کدورتوں کو ژولیدگی اور منافقانہ سوچ سے بچنے کی تعلیم دی ہے، ان نفوس قدسیہ نے جس خلوص وللٰہیت کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا ہے اسے ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا، علماء نے بھی اس سلسلے میں کوششیں کی ہیں مگر ان دونوں مقدس جماعتوں کی نظر ظاہر کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ باطن پر بھی رہتی ہے علماء لفظ کو دیکھتے ہیں، صوفیاء کی نظر معنیٰ پر ہوتی ہے علماء کی نظر برائی پر پڑتی ہے، اور صوفیاء بری سے بری چیزوں میں بھلائی کا پہلو ڈھونڈھ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں، علم ایک لاٹھی سے سب کو ہانکتا ہے لیکن صوفی ہر ایک کی افتاد طبع کے مطابق تربیت کرتا ہے اسی وجہ سے ہر ذہن ودماغ کے لوگوں کا صوفیاء کی خانقاہوں میں ہجوم رہتا تھا، اور صوفیاء

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

مزاج کے مطابق سب کی تربیت کرتے ہیں، ان کے ملفوظات ومکتوبات مجالس میں ہونے والے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے کس طرح اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈال کر عوام وخواص کو ان کے مزاج کے مطابق تربیت دے کر راہ صداقت سے ہمکنار کیا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ صوفیائے کرام کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد ہوتا ہے ان بزرگوں کے چھوٹے چھوٹے فقرے عوام وخواص کے ذہن ودماغ پر اس طرح اثر انداز ہوئے کہ لوگوں کے دلوں کی دنیا بدل گئی ان جملوں

نے وہ کام کیا جو علما کی لکھی ہوئی ہزاروں صفحات پر مشتمل کتابیں نہ کر سکیں، ایسا کیوں ہوا؟ اس کا جواب مختصراً علماء کی مصلحت پسندی اور صوفیاء کی حقیقت پسندی سے دیا جاسکتا ہے صوفیاء کا ہر عمل مرضیٔ مولیٰ کے مطابق ہوتا ہے، مصلحت کوشی سے وہ کوسوں دور تھے، انھیں اس آیت پر کامل ایمان تھا۔

ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا ویر زقہ من حیث لایحتسب

(الطلاق ۲)

(جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ بنا تا ہے اور اس کو اس جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو خیال بھی نہیں ہوتا)

اسی وجہ یہ حضرات بڑی بے باکی کے ساتھ اسلام کا پیغام حق وصداقت ہر ایک بندۂ الٰہی تک پہنچاتے تھے اسلام کا وہ کون سا پہلو ہے جس کا درس ملفوظات ومکتوبات کے علاوہ اپنے طرز عمل اور اسوۂ زندگی سے نہیں دیا ہے۔حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات سطور بالا کی تائید میں پیش کئے جاسکتے ہیں، اول الذکر بزرگ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مکتوبات صدی، مکتوبات دوصدی، اس سلسلے میں بطور خاص قابل ذکر ہیں۔مکتوبات صدی میں سارے مکتوبات قاضی شمس الدین حاکم چونسہ کے نام ہیں جن میں توحید، معرفت، توبہ اور زکوٰۃ وحج کے دیگر مسائل شرعیہ کے علاوہ تصوف اور پھر اس میں روح، دل اور تزکیہ نفس سے متعلق تفصیلی بحثیں ہیں ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان صوفیاء نے اپنے مریدین ومتوسلین کی ہر طرح، ہر پہلو سے تربیت فرمائی ہے۔ان کے پراگندہ دلوں کو اسلام کی روشنی کا آماجگاہ بنایا ہے، ان کی خواہشات نفس پر قدغن لگا کر صرف اور صرف خواہش حق کا جذبہ بیدار کیا ہے، اس کے لئے ان صوفیاء کی خانقاہوں میں باقاعدہ ایک نشست گاہ ہوتی تھی، جسے صوفیاء کی زبان میں ''چلہ گاہ'' کہا جاتا تھا شیخ اپنے مرید کو اس مخصوص مقام پر بٹھا دیا کرتا تھا، جب مجاہدۂ نفس کے تمام مراحل وہ آسانی سے طے کر لیتا تھا تو پھر شیخ اس پر نظر عنایت ڈال کر اسے انسانیت کے اعلیٰ مدارج پر متمکن کر دیتا تھا، جہاں سے اس کے لئے مشاہدۂ حق آسان ہو جاتا تھا، یہ

دستور تقریباً تمامی خانقاہوں میں تھا۔اس کے علاوہ عمومی تربیت بھی ہوتی تھی شیخ سوالوں کے جواب کے ذریعہ طالبین کے شکوک وشبہات کا حق وصداقت کی روشنی میں ازالہ کیا کرتا تھا،حضرت سید آدم بنوری کی خانقاہ میں ایک ہزار آدمی روزانہ ہوتے جن کی تربیت کی جاتی اور خانقاہ سے ان کے خورد ونوش کا انتظام کیا جاتا،شیخ احمد سرہندی کے فرزند دلبند خواجہ محمد معصوم نے تقریباً نو لاکھ انسانوں کے باطن کی اصلاح فرمائی،حضرت غلام علی شاہ دہلوی کے تعلق سے ملتا ہے کہ ان کی خانقاہ میں پانچ ہزار سے کم حاجت مند کبھی نہیں رہے،ان سب کا روٹی کپڑا آپ ہی کے ذمہ رہتا،اس طرح اور دوسرے مشائخ ہیں جن کی خانقاہیں عوام وخواص کی تربیت ، اصلاحِ باطن اور تزکیۂ باطن کے لئے مراکز کے طور پر کام کرتی رہیں ،لوگ ان بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر گناہوں سے توبہ کرتے ، بے حیائی بداخلاقی ،حسد،کینہ،تکبر،غیبت،چغل خوری،حب مال وجاہ کا عنصر دلوں سے کھرچ پھینکنے کا عہد وپیمان کرتے ، جو لوگ کسی وجہ سے شیخ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو پاتے مگر اصلاح باطن کے خواہش مند ہوتے تو خطوط کے ذریعہ ان کی اصلاح کی جاتی ،جیسا کہ حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حاکم چونسہ کے ساتھ کیا ،حاکم چونسہ شیخ کی خدمت میں حاضری سے معذور تھے،موانع روزگار اس راہ میں سد باب تھے،انھوں نے اپنی مجبوری اور حاضری سے معذوری کا ذکر کیا تو شیخ نے باقاعدہ خطوط کے ذریعہ ان کی تعلیم و تربیت فرمائی۔حضرت زین بدر عربی جنھوں نے مکتوبات صدی کو مرتب کیا ہے انھوں نے دیباچہ میں حاکم چونسہ کی مجبوری اور شیخ کے جذبۂ تربیت نفس کا ذکر تفصیل سے کیا ہے، شیخ منیری کے مکتوبات تربیت نفس اور تزکیۂ باطن کے علاوہ بندے کے لئے دافع مشکلات بھی ہوتے تھے،اس کا علم شیخ مظفر بلخی کے نام لکھے ہوئے خط سے ہوتا ہے انھیں لکھے گئے مکتوب میں ایک جگہ شیخ شرف الدین شیخ منیری علیہ الرحمہ کی یہ تحریر ملتی ہے۔

''مکتوبات من ہمہ مشکلات ومعاملات آں برادر است باید کہ کسے را نہ نماید کہ موجب سر ربوبیت گردد''۔(مکتوبات بست وہشت)

(میرے مکتوب آں برادر کی تمام مشکلات ومعاملات کے حل کے لئے

ہیں چاہئے کہ کسی کو نہ دکھائیں تا کہ سر ربوبیت کے افشا کا موجب نہ ہو)

شیخ نے اپنے خلیفہ مظفر بلخی کو اس طرح تقریباً دوسو خطوط لکھے تھے چوں کہ ان خطوط میں اس کی صراحت تھی کہ کسی کو یہ خطوط نہ دکھائے جائیں اسی وجہ سے مولانا مظفر بلخی ان خطوط کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے آخر دم یہ وصیت بھی کر دی تھی کہ ان خطوط کو میرے ہمراہ قبر میں دفن کر دیئے جائیں، وصیت پر عمل ضرور ہوا مگر نہ معلوم کس طرح ان دوسو خطوط میں سے ۲۸؍خطوط دفن ہونے سے رہ گئے شیخ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہی ۲۸؍خطوط بعد میں مکتوبات بست وہشت کے نام سے شائع ہوئے۔

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تمام مکتوبات ارباب تصوف کے لئے بڑے گرانمایہ ہیں، یہ تمام مکتوبات رشتہ خداوندی اور بندگی کی توضیح و تفسیر پر مبنی ہیں، ان تمام مکتوبات میں ایک ہی روح جلوہ فرما ہے، اور وہ یہ ہے کسی طرح بندے کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جوڑ دیا جائے، اور اس پہلو پر شیخ نے زیادہ زور اس لئے دیا ہے کہ جس معاشرے کے افراد کا تعلق ان کے خالق حقیقی اور مالک حقیقی سے ہو گیا ہے، اس معاشرہ سے برائیوں کا خاتمہ ضرور ہوا ہے، اور وہی معاشرہ مثالی بنا ہے۔ یہی کچھ حال حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات کا ہے ان کے مکتوبات کی اہمیت وخصوصیت کئی وجوہ سے ہے صوفیائے کرام کے مکتوبات اس وقت موضوع بحث نہیں اس لئے ان کی تفصیلات سے احتراز کیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ واضح رہے مکتوبات جہانیاں جہاں گشت، مکتوبات قدوسی، مکتوبات کلیمی، مکتوبات شیخ عبدالحق، مکتوبات شاہ ولی اللہ، مکتوبات شاہ کلیم اللہ، اور مکتوبات شاہ غلام علی وغیرہم اسی سلسلۃ الذہب کی کڑیاں ہیں۔

صوفیائے کرام کے یہاں تربیت نفس اور تزکیہ باطن کا جو طریقہ تھا اس سے معاشرہ کا صالح ہونا تقریباً یقینی تھا مجاہدہ نفس کے تین مراحل سے گزارنے کے لئے پہلی جو چیز نصاب تربیت میں شامل تھی وہ یہی تھی کہ بندہ خود کو سب کا خادم اور ان کو اپنے مخدوم کی مانند سمجھے اور جب یہ چیز ذہن میں بیٹھ جائے گی تو بلاشبہ وہ بندہ اپنے سے سب کو بہتر سمجھے گا، اور سب کی خدمت اپنے اوپر واجب جانے گا، اگر یہی جذبہ سماج کے ہر فرد میں پالیا جائے تو

وہ تمام مشکلات جن سے انسان دو چار ہے بڑی آسانی سے نجات مل سکتی ہے۔ اس لئے صوفیائے کرام نے اس پہلو کی طرف پہلے توجہ دلائی ہے اور تزکیہ نفس کے لئے اسے لازم قرار دیا ہے کیوں کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک دل کی دنیا پاک وصاف نہ ہوگی اس وقت تک انسان کی زندگی میں کیف وسرور پیدا نہ ہوگا اسی لئے صوفیائے کرام سماجی زندگی میں کیف وسرور پیدا کرنے کے لئے تزکیہ نفس کرتے وقت، صبر، رضا، توکل، استغنا، اور قناعت جیسی چیزوں کی تعلیم سے افراد کو مسلح کرنے کی کوششیں کرتے تھے یہ عمل ان کے یہاں طبعی طور پر وجود میں آتا تھا اس کے لئے وہ کسی کے جوابدہ نہیں تھے، مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اس حقیقت کا اعتراف اپنی کتاب ''تزکیہ واحسان'' میں ان لفظوں میں کیا ہے۔

''صحت مند، صاحب ضمیر معاشرہ تعمیر کرنے میں ان بے لوث مصلحین اور معلمین اخلاق کا سب سے بڑا اور مرکزی حصہ ہے''

صوفیائے کرام نے صرف تزکیہ نفس کا اہم فریضہ ہی نہیں انجام دیا ہے بلکہ تزکیہ نفس کے بعد دلوں سے مشاہدۂ حق کا حقیقی شعور حاصل کرنے کے لئے لوگوں کے دلوں میں تحصیل علم کا جذبہ پیدا کیا اس لئے کہ بغیر علم کے معرفت باری تعالیٰ کا حصول بازیچۂ شیطان بننے کے مترادف ہے، اس لئے ان صوفیائے کرام نے اشاعت علم کے سلسلے میں انتھک کوششیں بھی فرمائیں بواسطہ کہئے یا بلا واسطہ آج ہندوستان میں جو علم کی شمع روشن ہے اس میں انھیں نفوس قدسیہ کا خون جگر شامل ہے۔ ہندوستان میں قدیم وجدید ایسی کئی خانقاہیں ہیں جو کسی زمانے میں علوم وفنون کا سرچشمہ تھیں جہاں تشنگان علوم نبویہ اپنی تشنگی بجھاتے رہے شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خانقاہیں اس سلسلہ میں سرفہرست ہیں۔

صوفیائے کرام نے ان پیغمبرانہ اصولوں اور طریقوں پر کاربند رہ کر مخلصانہ طور پر جس طرح معاشرہ کی اصلاح فرمائی ہے بلا شبہ وہ قابل تقلید ہے اپنے انھیں طرز عمل کے سبب یہ حضرات اس مقدس جماعت میں شریک ہوگئے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اور قابل رشک انعام ہوا ہے جس کے سبب ہر بندہ نماز میں صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ کے

ذریعہ ان نفوس قدسیہ کا حوالہ دے کر" اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ "ان کے طور وطریق پر چلنے کی استدعا کرتا ہے اور تادم زیست کرتا رہے گا۔

یہ واضح رہے کہ جس سماج اور معاشرہ میں اخلاقی پستی کا چلن عام ہو جائے تو اس معاشرہ کے افراد خودکشی، سوسائٹ اور زہر خورانی جیسی چیزوں کو اپنانے میں کسی قسم کا گریز نہیں کرتے ،لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ بات بات پر جان لینے اور دینے کی دھمکی اچھے معاشرہ کی علامت نہیں، جو سماج اس قسم کے نازیبا حرکتوں سے پاک، صاف اور ستھرا ہوگا وہی سماج مہذب اور ترقی یافتہ کہلانے کا مستحق ہوگا۔ آج جب کہ اس زمانہ میں کسی کی جان لینا اور اپنی جان دینا اتنا آسان ہو گیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر چند روپیوں کی خاطر لوگ کسی کی جان لینے میں دریغ نہیں کرتے ،ایسے پراگندہ ماحول میں آج سے پندرہ سو برس پہلے کی نبی کی یہ تعلیم ایک بگڑے ہوئے سماج کو مہذب بنانے میں کلیدی کردار ادا کرے گی، نبی اکرم ﷺ کی یہی تعلیم تھی کہ عرب کا وہ سماج چھوٹی چھوٹی باتوں پر جن کی تلواریں برسوں کھنچی رہتی تھیں ایسے مہذب ہو گئے کہ ایک دن وہ آیا دوسروں کی داد وفریاد رسی میں راحت محسوس کرنے لگے، ارشاد نبوی ہے

"من قتل نفسه بحديدةفحديدته فى يدهٖ يتوجاء بها فى بطنهٖ فى نار جهنم خالدا مخلداً فيها ابداً ومن شرب سماً فقتل نفسه فهو يتحسّاه فى نار جهنم خالدا مخلدا فيها ابدا ومن تردىّ من حبلٍ فقتل نفسه فهو يتردىٰ فى نار جهنم خالدا مخلدا فيها ابدا"

(مسلم كتاب الايمان باب بيان لظ تحريم قتل الانسان)

(جو شخص اپنے آپ کو لوہے کے کسی ہتھیار سے مار ڈالے یعنی خودکشی کرلے تو وہ ہتھیار آخرت میں اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ اس کو اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور جو شخص زہر پی کر اپنی جان ہلاک کر ڈالے تو وہ اسی زہر کو جہنم کی آگ میں چوستا رہے گا

اور اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور جس نے پہاڑ یا اونچی جگہ سے گر کر اپنی جان دے دی تو وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں گرا کرے گا اور ہمیشہ اس کا یہی حال رہے گا۔)

ایک مہذب سماج کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس سماج کے لوگوں میں چھوٹوں پر نرمی اور شفقت اور بڑوں کی تعظیم وتوقیر کا چلن ہو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جس سماج میں بچوں پر رحم اور مہربانی کا معاملہ نہیں کیا جاتا اللہ تعالیٰ اس سماج پر اپنا رحم نہیں فرماتا۔ اس لئے سماج کے ہر فرد بطور خاص والدین کو چاہئے کہ اپنے بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت کریں بقول نبی اکرم ﷺ ایک باپ کا اپنے بیٹے کے لئے حسن اخلاق اور اچھی تربیت سکھانے سے بہتر اور کوئی تحفہ نہیں ہوسکتا (ترمذی شریف باب ماجاء فی ادب الولد) آج کل بچے کے برتھ ڈے کے موقع پر خرافات کی چیزوں کو تحفۃ دینے کے بجائے لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کی صحیح تربیت کریں تاکہ یہی ان کے لئے بہترین تحفہ بن سکے۔ ایک موقع پر ہمارے نبی اکرم نے حضرت معاذ کو نصیحت کرتے ہوئے کچھ اہم باتیں بتائی تھیں اس واقعہ کو حضرت معاذ کی زبانی سنئے وہ فرماتے ہیں۔

"اخذ بیدی رسول اللّٰہ ﷺ فمشی قلیلاً ثم قالہ یا معاذ نوصیك بتقوی اللّٰہ وصد ق الحدیث ،ووفاء العھد ،واداء الامانة وترك الخیانةورحم الیتیم وحفظ الجوار وکظم الغیظ"

(میرا ہاتھ پکڑ کر رسول اکرم ﷺ تھوڑی دور تشریف لے چلے پھر فرمایا اے معاذ میں تمہیں چند چیزوں کی وصیت کرتا ہوں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا، سچ بولنا، وعدے کو پورا کرنا، امانت کی ادائیگی کرنا، خیانت نہ کرنا، یتیموں پر رحم کرنا، پڑوسی کو تکلیف نہ دینا، غصہ کو پی جانا)

حضرت نبی اکرم ﷺ کی یہ تمام تعلیمات ایسی ہیں کہ اگر ان پر عمل کرلیا جائے تو بلاشبہ سماج کو بہت ساری برائیوں سے بچا کر ایک صالح معاشرہ کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا

کر سکتی ہیں۔اس کے علاوہ یہ باتیں بھی معاشرہ کو بہتر بنانے میں کافی اہم ثابت ہو سکتی ہیں جس کی طرف ہمارے نبی ﷺ نے ان الفاظ میں وضاحت کی ہے۔

ترمذی شریف ابواب الفتن میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

''جب میری امت پندرہ چیزیں کرنے لگے گی تو اس وقت میری اس امت پر بلا اور مصیبت کا نزول شروع ہو جائے گا، پوچھا گیا وہ پندرہ چیزیں کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

۱۔''جب مال غنیمت اپنی ملکیت سمجھی جانے لگے

۲۔امانت کو مال غنیمت یعنی اپنے لئے حلال سمجھا جانے لگے

۳۔زکوٰۃ کو جرمانہ خیال کیا جانے لگے

۴۔جب آدمی اپنی بیوی کی فرمانبرداری اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے

۵۔کوئی دوست اپنے دوست کے ساتھ تو حسن سلوک کرے مگر اپنے باپ کو تکلیف پہنچائے

۶۔مسجد میں آوازیں بلند ہونے لگیں شور ہونے لگے

۷۔کسی قوم کا سردار ان میں کا رذیل ترین آدمی ہو

۸۔کسی آدمی کی عزت اس کے شر سے بچنے کے واسطے کی جائے

۹۔شراب نوشی عام ہو جائے

۱۰۔ریشم پہننا حلال سمجھا جانے لگے

۱۱۔نکاح میں لائی عورت کو چھوڑ کر رکھیل عورتیں رکھی جانے لگیں

۱۲۔ڈھول تماشے عام ہو جائیں

۱۳۔اس امت کے بعد والے پہلے گذرے ہوئے لوگوں (صالحین) پر لعن طعن کرنے لگیں۔

حضور اکرم نبی معظم ﷺ کی یہ وہ تعلیمات ہیں کہ اگر ہم نے ان پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا تو وہ دن دور نہیں کہ حدیث نبوی کے مطابق ہم پر ایسی مصیبتیں نازل ہوں گی

جس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔

اب آپ غور کریں کہ اگر سماج اس قسم کی برائیوں سے پاک ہو جائے تو اس سماج کا ہر فرد مہذب اور شائستہ کہے جانے کا مستحق ہوگا اور وہ معاشرہ مثالی ہوگا اس طرح بننے کی تمنا ہر قسم کے سماج کے لوگوں کو ہوگی ۔ نبی اکرم ﷺ کی یہی وہ تعلیمات تھیں جس کی بدولت نبوی معاشرہ ہر طرح نہ صرف مہذب بن گیا بلکہ پوری دنیا کے لوگوں کے لئے قابل تقلید بھی ہو گیا۔ جن قوموں نے اس معاشرہ کی تقلید کی وہاں ہر طرح کا چین وسکون میسر آیا اور جہاں نبوی تعلیمات کا اثر نہیں وہاں دنیا کی عیش وآرام کی تمام سہولتیں میسر ہونے کے باوجود ہر فرد ذہنی تناؤ اور قلبی اضطراب و بے چینی کا شکار ہے، جب کہ مہذب معاشرہ کی پہچان یہ ہے کہ ہر انسان عائلی، سماجی اور سیاسی زندگی کے تمام مراحل میں خوش وخرم زندگی بسر کرنے کا عادی ہو جائے ۔ یوں تو اس طرح کی بیشتر تعلیمات ہیں جنھوں نے تہذیب کو فروغ دینے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے، یہاں صرف ان تعلیمات کی نشاندھی کی گئی ہے جو اخلاقی پستی کے شکار معاشرہ کو قعر مذلت سے نکال کر صالح اور مہذب معاشرہ کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کر سکتی ہیں ۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ان تعلیمات سے آراستہ ہو کر اپنا معاشرہ ایسا مہذب بنائیں جو دوسروں کے لئے مثالی بن سکے۔

صوفیائے کرام اور دہشت گردی

اسلام سچا مذہب ہے اس مذہب کے آخری پیغمبر رحمت عالم احمد مجتبٰے حضرت محمد مصطفٰے ﷺ ہیں، ان کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق ''الخلق عیال اللہ'' کے بمصداق ایک کنبہ ہے، وہ سب کے لئے نبی اور رحمت بن کر تشریف لائے، جنہوں نے ان کی اتباع اور پیروی کی انھیں مسلمان کہا جاتا ہے۔ مسلمان کی تعریف اس طرح کی گئی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ جو ان صفات کا حامل نہیں وہ سب کچھ ہوسکتا ہے مگر مسلمان نہیں، کیوں کہ بلا وجہ کسی کی جان لینے کی اسلام میں شدت سے ممانعت آئی ہے۔ پیغمبر اسلام نے عام حالات میں تو کیا دوران جنگ میں بھی صرف ان لوگوں پر تلوار اٹھانے کی اجازت دی ہے جو حملہ آور ہوں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر وار کرنے کو سختی سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ان پر وار کرنا تو درکنار ان سے چھیڑ چھاڑ بھی نہ کی جائے اور انسان تو انسان درختوں کو بھی نہ کاٹا جائے فصل کو نقصان نہ پہنچایا جائے، جس مذہب کی بنیاد ایسے مستحکم اصولوں پر ہو وہ مذہب اور اس مذہب کے ماننے والے کس طرح دہشت گرد ہوسکتے ہیں؟۔

پیغمبر اسلام نے فتح مکہ کے موقع سے بآواز بلند یہ اعلان فرمایا تھا:

۱۔ صرف اسی سے مقابلہ کیا جائے جو جنگ کی نیت سے آئے

۲۔ حرم میں خوں ریزی سے باز رہا جائے

۳۔ جو شخص کعبہ کے حدود میں داخل ہو جائے وہ ہماری پناہ میں ہے

۴۔ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ پناہ میں ہے

۵۔ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے وہ بھی پناہ میں ہے

۶۔ جو بھاگ جائے اس کا تعاقب نہ کیا جائے

۷۔ جو ہتھیار پھینک دے اس کا تعاقب نہ کیا جائے

۸۔ زخمی اور قیدی قتل نہ کئے جائیں۔

عام معرکہ کارزار کے دوران یہ قوانین بھی ملحوظ رکھے جاتے تھے۔

۱۔ بدعہدی اور خیانت نہ ہو

۲۔ لاشوں کو مثلہ نہ کیا جائے

۳۔ پھلدار درختوں کو کاٹ کر یا جلا کر برباد نہ کیا جائے

۴۔ آبادی کے غیر محاربین کو نہ چھیڑا جائے۔

یہ واضح رہے کہ دہشت گردی ہمیشہ ظلم، جبر وتشدد، عدم مساوات اور سماجی نابرابری کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ اگر مستحقین کے حقوق اور جائز مطالبات پورے کر دیئے جائیں تو دہشت گردانہ سوچ، سماج میں ہرگز نہ جنم لے گی، اسی وجہ سے دنیا میں امن وشانتی کی فضا قائم کرنے کے لئے پیغمبر اسلام نے جو اصول بنائے تھے دراصل ملک کی سالمیت کی بنیاد اسی پر ہے اللہ کے نبی نے فرمایا واتوا کل ذی حق حقه (ہر حق والے کو اس کا حق دے دو) اگر یہ اسلامی اصول دنیا کے تمام سربراہان مملکت اپنا لیں تو بلاشبہ آج کا سماج بھی مثالی سماج بن سکتا ہے دہشت گردانہ سرگرمیاں سماج سے ہمیشہ کے لئے ختم ہوسکتی ہیں، ملک کے حکام اور ارباب اقتدار کو بھی اس پہلو پر بھی سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ واضح رہے کہ صرف اسلامی نام رکھنے سے کوئی مسلمان نہیں ہو جاتا بنام مسلم آج کیا کچھ اس ملک میں نہیں ہو رہا ہے، لہذا مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کردار بھی اپنائے جائیں جسے اسلام نے مسلمانوں کا زیور قرار دیا ہے اور صوفیائے کرام کی ان تعلیمات پر عمل کیا جائے جس پر عمل کر کے ہندوستانی باشندوں نے ایک مدت تک اپنے وطن عزیز کو امن وشانتی کا گہوارہ بنائے رکھا، مذہب اسلام میں انسان کو انسانیت سے ہمکنار کرنے کی جو تعلیم دی جاتی ہے وہ اور کسی مذہب میں نہیں ملتی ہے، چھوٹوں پر شفقت بڑوں کا احترام اور غریبوں سے پیار ومحبت اس مذہب کی بنیادی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ تمام عالم کا

خالق اللہ تعالیٰ ہے ساری مخلوق اسی کا کنبہ ہے اس کا کلام قرآن مجید پوری نسل انسانیت کے لئے مینارۂ ہدایت اور راہ نجات ہے۔ اور اس کے آخری پیغمبر ساری انسانیت اور ساری خدائی کے لئے نبی ہیں۔ اللہ نے انھیں دنیا میں رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ دنیا میں جس مذہب کی انھوں نے اشاعت فرمائی اس میں نہ صرف افراد انسانی کے پورے حقوق کی نگداشت ہے بلکہ حیوانات کے ساتھ نباتات کے ساتھ بھی ظلم وستم کو ناروا رکھا گیا ہے۔ وہ اسلام ہی ہے جس نے جانوروں تک کے حقوق کے لئے قوانین مقرر کئے ہیں اور تعلیم دی ہے کسی جانور پر اس کی اوقات سے زیادہ بوجھ ہرگز نہ لادا جائے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے تمام عاملین (گورنروں) کو یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ کسی اونٹ پر چھ سو رطل سے زیادہ وزن ہرگز نہ لادا جائے یہ انھیں پاکیزہ تعلیمات کا اثر ہے جو رسول اکرم ﷺ نے دنیا کو مرحمت فرمائیں اور واضح لفظوں میں یہ اعلان فرمایا:

اتقوا اللّٰہ فی ھذہ البھائم العجمۃ فارکبوھا صالحۃً واترکوھا صالحۃً (رواہ ابوداؤد)

(ان حیوانات کے معاملے میں خدا کا خوف کرو جو بول نہیں سکتے ان پر سواری کرو جب کہ وہ اس کے قابل ہوں)

سواری کے جانور پر بیٹھ کر لمبی چوڑی بات کرنے سے اسلام نے منع فرمایا ہے اس میں جانور کی حق تلفی ہے، بہتر یہ ہے کہ سواری سے اتر کر بات چیت کی جائے۔ اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

لا تتخذوا ظھور دوابکم کراسی (رواہ حاکم)

(اپنے حیوانات کی پشتوں کو کرسیاں نہ بناؤ)

خدا کی بے زبان مخلوق کے ساتھ ظلم وزیادتی، سنگ دلی بلا شبہ غضب ربانی کا موجب ہے، انھیں ستایا نہ جائے، لطف اندوزی کے لئے ان کے ساتھ کوئی ایسا کھیل نہ کھیلا جائے جو ان کے لئے تکلیف کا باعث ہو، اسلام نے ان تمام چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ روایتوں میں ملتا ہے کہ ایک عورت صرف ایک بلی کی وجہ سے اس لئے جہنم میں ڈالی گئی کہ

اس نے اسے باندھ رکھا تھا اس نے اسے کچھ کھانے کو نہ دیا ایسی بے شمار روایتیں ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے نہ صرف انسانوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا بلکہ بہائم اور جمادات ونباتات کے ساتھ بھی قوانین وضابطے بنائے ہیں جو اسلام اس طرح جاندار چیزوں کے ساتھ ایسا معاملہ رکھتا ہو وہ بھلا کیوں کر بلا وجہ کسی انسان کو مارنے اور سماج میں دہشت گردی پھیلانے کی اجازت دے گا۔

دہشت گردی جیس گھناؤنی حرکت کا آغاز اولاد آدم میں ہابیل وقابیل کی جنگ سے ہوتا ہے یہ دہشت گردانہ تشدد روز افزوں بڑھتا ہی رہا تاریخ گواہ ہے کہ گزشتہ امتوں میں شر پسند عناصر کے سبب ظلم واستبداد اور قتل وغارت گری دہشت وتشدد کی لپیٹ میں عوام وخواص ہی صرف نہیں بلکہ انبیاء ومرسلین بھی آئے اوس وخزرج کی جنگ اور دوسری قبائلی جنگیں جس انداز سے جاری تھیں اسے پڑھ کر کلیجہ منھ کو آنے لگتا ہے حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک نسل انسانی نے ظلم وتشدد کے حوالے سے کیا کارنامے انجام دیئے اس کی تاریخ انتہائی کربناک ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کی بعثت سے قبل عرب کا سماج بھی ظلم وتشدد کے اعتبار سے اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا، اس ماحول میں ظلم واستبداد کی جتنی شکلیں ہوسکتی تھیں سب نسل انسانی کو ڈستی رہیں، ایسے ماحول میں رحمۃ للعالمین احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ ﷺ نے یہ نعرہ بلند کیا کہ سب لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں، انھوں نے اپنی زندگی تعلیمات اور کردار وعمل سے یہ ثابت کر دکھایا کہ انسان، انس سے بنا ہے جس کے معنی پیار ومحبت کے ہیں ایک انسان کو دوسرے انسان سے پیار ومحبت ہونی چاہئے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّ وبیاں

پیار ومحبت ہی انسان کا خاصّہ ہونا چاہئے قرآن نے بڑی سچائی کے ساتھ جس کا اعلان ان لفظوں میں کیا ہے۔

''جس نے کسی جان کو قتل کیا نہ جان کے بدلے نہ زمین پر کسی مجرمانہ شورش کی سزا میں تو اس نے گویا قتل کر ڈالا سب لوگوں کو''۔(المائدہ ۳۲)

حدیث کے الفاظ ہیں المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده (مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں) ایک روایت میں انسان کا بھی لفظ ملتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا انسان محفوظ رہے۔ سطور بالا میں صرف ایک حوالہ ہی موقف کی تائید کے لئے کافی ہے، ورنہ ایسی کتنی آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ ہیں جن سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ دہشت گردی کا دور دور تک اسلام سے کوئی واسطہ نہیں آپ خود سوچیں کہ جس مذہب کے پیغمبر کا اعلان دوران جنگ یہ ہو کہ نہ بچوں کو نہ بوڑھوں کو نہ عورتوں کو چھیڑا جائے اور نہ ہی ہرے بھرے درختوں کو کاٹا جائے ایسا پیغمبر دہشت گردی کی کیوں کر تعلیم دے سکتا ہے، نہ تو مذہب اسلام میں دہشت گردی ہے اور نہ وہ شخص جو دہشت گرد ہے اس کا کوئی تعلق مذہب اسلام سے ہے۔

صوفیائے کرام کی مقدس جماعت نے نبی کی انھیں تعلیمات کا عملی پیکر بن کر مخلوق خداوندی کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام دیا، انھوں نے مسلم و غیر مسلم کا امتیاز کئے بغیر ہر ایک سے پیار و محبت کی باتیں کیں، انھیں اپنے قریب بٹھایا، من موہنے والی باتوں سے ان کے قلوب کو رام کیا، یہی وجہ ہے کہ ان اللہ والوں کے آستانے بلا مذہب و ملت سب کے لئے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں ان کے دربار میں کوئی بھید بھاؤ نہیں، ہندوستان کی سرزمین پر مسجد مندر گردوارے اور گرجا گھر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں ہر مذہب کے ماننے والے ایک قطار میں ایک ساتھ مل جائیں، ہاں اگر کوئی جگہ ہندوستان کی سرزمین پر ہے تو وہ ان صوفیائے کرام کی خانقاہیں اور اللہ والوں کی درگاہیں ہیں جہاں سب کو جانے اور ان اولیائے کرام کے واسطے سے اپنے معبود کی بارگاہ میں اپنی عقیدتوں کو نذرانہ پیش کرنے کا برابر حق ہے۔ اپنی انھی تعلیمات اور کردار و عمل کی بنیاد پر عوام و خواص سب نے ان کا احترام کیا اور ان کی تعلیمات کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا ان کا دربار امرا و سلاطین اور تمام بندگان خدا کے دلوں کا چین رہا سلاطین نے تو اپنی رعایا کے ذہنوں پر حکومت کی لیکن دلوں پر ان اللہ والوں کا ہی راج رہا، سلطان تغلق اور حضرت نظام الدین اولیاء کی تاریخ ہماری نگاہوں

کے سامنے ہے یہی وجہ ہے کہ آج انھیں نگاہوں سے اوجھل ہوئے زمانہ گزر گیا مگر آج بھی ان کا دربار عقیدت مندوں سے کھچا کھچ بھرا رہتا ہے، ان کی زندگی اور تعلیمات ہی کا ثمرہ ہے، کہ انسانوں میں جو لوگ ان کے مشن کو فروغ دے رہے ہیں، انھیں بھی حکومت ہند دہشت گردی کا مخالف سمجھتی ہے، اور جو لوگ ان اولیاء اللہ کے دشمن ہیں خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو حکومت ان پر دہشت گردی کی کمندیں ڈالتی ہے، ہمیں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں آئے دن چھپنے والے اخبارات سے اس کا اندازہ اچھی طرح آپ کو ہو گیا ہوگا، اور ویسے بھی جس کا نظریہ یہ ہو کہ ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، پس اللہ کو سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ وہ بندہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ بہترین سلوک کرے جنھوں نے اسلام کی اس تعلیم کو شرق سے غرب تک شمال سے جنوب تک یہ کہتے ہوئے عام فرمایا کہ نہ تو نفرت سے نفرت مٹائی جاسکتی ہے، اور نہ ہی آگ سے آگ بجھائی جاسکتی ہے، مگر یہ ہماری تاریخ ضرور رہی ہے کہ دہشت کو رحمت اور ظلم کو مظلومیت سے مٹایا گیا، حضرت نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے، کہ راستے میں اگر کانٹے کے بدلے کانٹے ہی رکھے جائیں تو تمام راستے کانٹوں سے اٹ جائیں گے راستوں میں کانٹے رکھنا کمال نہیں، ہٹانا کمال ہے، جو اس قسم کا نظریہ رکھے اور اس کی اسی پہچان کی بنیاد پر لوگ اس کے قریب ہوں اور پھر وہ دہشت گرد ہو جائے ممکن ہی نہیں، دہشت گردی کی کمندیں حکومت کی جانب سے انھیں لوگوں پر ڈالی جاتی ہیں، جو اولیاء کی عظمتوں کے نہ تو قائل ہیں اور نہ ہی ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں، ہندوستان سے دہشت گردی کے جو معاملات سامنے آرہے ہیں، ان میں دیکھا یہ گیا ہے کہ شک کی سوئی خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو انھیں لوگوں پر زیادہ جاتی ہے جو لوگ صوفیائے کرام کو زندیق اور ان کے وجود کو اسلام میں بدعت اور معتقدین کے عمل کو شرک باللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔انھیں چاہئے کہ کھلے دل سے تعصب کی عینک اتار کر ان اللہ والوں کی زندگی اور کردار کا مطالعہ کریں تا کہ ان کے اوپر سے دہشت گردی کا بھوت بھگا کر انھیں صلح جو انسانوں میں شامل کیا جاسکے۔دہشت گردی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں دہشت گردی کا ملزم عام طور سے انھیں کو ٹھہرایا جاتا ہے جو اولیاء

اللہ کے دشمن ہوتے ہیں ہمیشہ دہشت گرد ممالک کی شک کی سوئی انھیں پر جاتی ہے۔اسی دہشت گردی کا سہارا لے کر بزرگان دین کی اشاعتی سرگرمیوں سے نابلد حضرات کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور یہ بات اتنی مشہور کی گئی کہ سیدھے سچے لوگوں نے بھی اس کو سچ سمجھنا شروع کر دیا ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہوتا تو آج تو تلوار امریکہ کے ہی ہاتھ میں ہے مگر امریکہ میں لوگ آج اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر جس تیزی کے ساتھ اسلام قبول کر رہے ہیں اسے امریکہ اچھی طرح محسوس کر رہا ہے۔ یہ واضح رہے کہ مسلمانوں نے تلواریں ہمیشہ اپنی دفاع میں ہی اٹھائی ہیں، قرآن کا یہ اعلان ہمیشہ کے لئے ہے لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (تمہارے لئے تمہارا دین اور ہمارے لئے ہمارا دین) اپنا تحفظ اور ساتھ ہی اپنے مذہب کا تحفظ ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور یہ حق کسی انسان سے کسی طرح بھی چھینا نہیں جا سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''تم اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔(البقرہ ۱۹)

ایک دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہوتا ہے

''جو تم پر دست درازی کرتے ہیں تم بھی اسی طرح ان پر دست درازی کرو البتہ اللہ سے ڈرتے رہو''۔

یہ وہ اسلامی اصول ہیں جن کا صوفیائے کرام زندگی بھر درس دیتے رہے، یہی وجہ ہے کہ بندگان حق میں جو صوفیائے کرام کی ان تعلیمات پر عمل پیرا رہے ان میں کسی قسم کا کوئی تصادم کبھی نہیں ہوا اس لئے کہ ان کا ہر عمل مخلصانہ تھا بندگان حق کے تئیں وہ مخلص اور وفادار تھے، آتش زنی لوٹ مار، زیر حراست اموات، قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک، بم پھینکنا، خود کش بم دستوں کا استعمال، اغوا جیسے امور و معاملات جو آج سماج میں رائج ہیں، یہ اللہ والے ان سے کوسوں دور تھے، اور صرف وہی نہیں بلکہ جن لوگوں نے ان کی صحبت اختیار کی ان کا بھی نظریہ صلح پسندانہ رہا اور یہی وجہ ہے نہ تو انھیں کبھی پریشان کرنے کی کوشش کی گئی اور نہ ہی کبھی ایسے لوگوں کے تعلیمی اداروں کو نشانہ بنایا گیا۔

صوفیائے کرام اور احیائے اسلامی

سرکار دو عالم ﷺ کے فرائض منصبی میں بندگان الٰہی کے نفوس کا تزکیہ بھی شامل تھا قرآن کریم میں " ویزکّیھم " سے جس کی طرف متعدد بار اشارہ کیا گیا ہے۔ اس قلبی طہارت کو بعد کے ادوار میں تصوف سے تعبیر کیا گیا۔ حاملین تصوف صوفیائے کرام کہلائے، ان صوفیائے کرام نے ہر دور میں اسلام کی ترویج واشاعت کو ہر دور میں اپنی زندگی کا حاصل سمجھا۔ اور اپنی بساط کے مطابق بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ اشاعت دین حق کا اہم فریضہ انجام دیا، اس تعلق سے ارباب قلم نے بہت کچھ لکھا ہے، تفصیلی معلومات کے لیے ہمیں اس طرف رجوع کرنا چاہئے۔

یہاں اس وقت میں پورے عالم اسلام کی بات تو نہیں کرتا اگر ہم غیر منقسم ہندوستان میں صوفیائے کرام کی سرگرمیوں کا جائزہ لیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے اور اسلام کی کرنوں کو اس ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے میں صوفیائے کرام کی شبانہ روز مساعی کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

مالابار کی ساحل سے لے کر بنگال کی کھاڑی تک اگر ان مشائخ کرام کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ ہندوستان میں اسلام کی نشر واشاعت صرف اور صرف صوفیائے کرام کی مرہون منت ہے۔ اس صداقت کا اعتراف بھی متعدد انداز میں ارباب دین ودانش نے کیا ہے۔

مالابار کا علاقہ جہاں پہلے اسلام پہنچا اس کی تاریخ یوں بیان کی جاتی ہے، شیلانگ جہاں حضرت آدم کے قدموں کا نشان ہے اسے دیکھنے کی غرض سے عرب کا ایک وفد کیرلا آیا جب وہ وفد کیرلا کی بندرگاہ ''کودنغلون'' پہنچا جو اس زمانے میں کیرلا کا

دارالسلطنت تھا اور اس کا راجہ چیر و مال پیرومال تھا اس نے ان حضرات کی بڑی قدر ومنزلت کی، اور ان سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی تفصیلی بھی جاننی چاہی، اس راجہ نے ایک روایت کے مطابق شق قمر کا معجزہ بھی دیکھا تھا، جس نے پیغمبر اسلام سے ملاقات کو مہمیز کیا یہ راجہ اس وفد کی واپسی کے وقت انھیں کے ساتھ مکہ شریف کے لیے روانہ ہوا، اس کی ملاقات سرکار دوعالم ﷺ سے تو نہ ہوسکی اور نہ ہی وہ راجہ کیرلا واپس ہوا راستہ ہی میں اسے پیک اجل نے اپنی گرفت میں لے لیا مگر اس نے ہمراہیوں کے ساتھ جو خط اپنے خاندان اور عمائدین سلطنت کے نام ارسال کیا وہ ہندوستان کی سرزمین پر احیائے اسلام میں سنگ میل کا درجہ رکھتا ہے، اس ربط وتعلق اور آمدورفت کا اثر یہ ہوا کہ مبلغین اسلام مختلف جماعتوں کے ساتھ ہندوستان کا رخ کرتے رہے اسی طرح اسلام جو سواحل مالابار سے شروع ہوا تو وہ ہندوستان کے اکناف میں پہنچ گیا، ان مبلغین اسلام کی زیارت گاہیں جن میں صحابہ وتابعین اور دیگر بزرگان دین شامل ہیں آج بھی مرجع خلائق ہیں۔

جس زمانے میں حضرت داتا گنج شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہندوستان تشریف لائے اس وقت ہندوستان کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی ایسے ماحول میں اسلام کا پرچم بلند کرنا اور دین حق کا چراغ روشن کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ اس مقصد میں انھیں کتنی کامیابی ملی تاریخ کے صفحات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، انھوں نے نو کتابیں لکھیں مگر ان میں صرف چند کتابوں کے بس نام ملتے ہیں۔ "کشف المحجوب" جو فارسی زبان میں تصوف کے ماخذ کا درجہ رکھتی ہے آپ ہی کی تصنیف ہے، جس سے پورا عالم اسلام استفادہ کررہا ہے۔

غریب نواز حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر علیہ الرحمۃ والرضوان جب ہندوستان تشریف لائے تو انھوں نے پہلے حضرت داتا گنج بخش کی بارگاہ میں حاضری دی اور ان کی عظمتوں کو سلام اور کارناموں پر خراج تحسین پیش کیا۔ اور پھر آپ نے اپنی رات دن کی انتھک کوششوں سے جس طرح دین حق کی آبیاری فرمائی اس کا ذکر تفصیل سے سوانح نگاروں نے کیا ہے "حقیقت گلزار صابری" کے مصنف نے ان حقائق کا اعتراف ان لفظوں میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''چنانچہ ۱۳ صفر ۱۷۵ھ تک خاص شہر سیال کوٹ میں سترہ سو آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے اور آپ کے ورودِ مسعود کی خبر فرحت اثر چہار طرف شہرت پذیر ہوئی کہ ایک بزرگ پاک صورت نیک سیرت عرب سے ہندوستان میں تشریف لائے ہیں جو ان کی مقدس صورت کو دیکھتا ہے فی الفور مسلمان ہو جاتا ہے''۔ (حقیقت گلزار صابری ص ۵۵۳)

اس نورانی صورت کا اثر یہ ہوا کہ خواجہ غریب نواز جہاں تشریف لے جاتے وہاں آپ کی زیارت کرنے والوں کی بھیڑ لگ جاتی، اور صرف بھیڑ ہی نہیں بلکہ وہ اسلام کے محاسن سے آراستہ ہو جاتے۔ سیال کوٹ سے خواجہ غریب نواز ''قلات'' گئے تو وہاں انیس سو سڑسٹھ لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اور جب اجمیر تشریف لائے تو تین ہزار نو سو بیاسی لوگوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا، اجمیر میں راجہ پرتھوی راج سے قبول اسلام کے تعلق سے جو بحث و مباحثہ ہوا اس سے آپ سب واقف ہیں، اسے دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ ماہ ذی الحجہ ۵۷۷ھ میں جب آپ لاہور تشریف لے گئے تو اس موقع سے چند روز کی دعوت اسلام اور تلقین ہدایت کے باعث پانچ لاکھ اٹھائیس ہزار سات سو مرد وزن مسلمان ہوئے اور جب ۵۷۸ھ میں ملتان جانا ہوا تو وہاں آپ کے دستِ حق پرست پر بہتر ہزار نو سو ننانوے افراد نے اسلام قبول کیا۔ پھر آپ ۲۲ محرم الحرام ۵۸۰ھ میں دہلی تشریف لائے دہلی میں آپ کا قیام تین ماہ رہا اس موقع سے دہلی میں سات ہزار سات سو آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ اسی سال پرتھوی راج جو آپ کا سب سے بڑا دشمن تھا اس پر قطب الدین ایبک اور معز الدین نے اپنی ایک لاکھ پچیس ہزار فوج لے کر پرتھوی راج کے پانچ لاکھ سوار و پیادہ لشکر پر دھاوا بول دیا۔ قطب الدین ایبک کو خواجہ غریب نواز کی اعانت حاصل رہی، اسی لیے سخت خون ریزی کے بعد اسے کامیابی ملی اور پرتھوی راج اپنی فوج سمیت محصور ہو گیا پھر کیا ہوا اس کی تفصیل کتب تواریخ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اس طرح صوفیائے کرام نے جن کی ایک بڑی تعداد ہے، ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچ کر اشاعت دین حق کا نہ صرف اہم فریضہ انجام دیا بلکہ خود لاکھوں گم گشتگان راہ ہدایت کو نور ایمان سے سرشار کر کے پرستاران حق کے زمرہ میں لا کھڑا کیا۔

اگر ان تمام صوفیا و مشائخ کی تبلیغی کاوشوں کا سرسری جائزہ بھی لیا جائے تو یقیناً یہ ایک خاصے کی چیز ہوگی تاہم اتنا جان لینا ضروری ہے، کہ ان برگزیدہ شخصیات کے علاوہ برصغیر کے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، شیخ حضرت نظام الدین اولیا، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی، مخدوم صابر علاء الدین کلیری، سید میر علی ہمدانی، حضرت عبدالرحمن بلبل شاہ، سیدنا سالار مسعود غازی، مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی، سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی، سید ابو الحیات قادری بنگال، شیخ محمد قطب الدین مدنی کڑہ مانک پور، شیخ جلال الدین تبریزی بنگال، شیخ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، پنجاب، حضرت بوعلی شاہ قلندر پانی پتی، شیخ محمد رمضان مہمی ہریانہ، شیخ مخدوم مہائمی ممبئ مہاراشٹر، حضرت بندہ نواز گیسودراز گلبرگہ شریف، شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری بہار، بابا فرید الدین گنج شکر، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ حمزہ مخدوم کشمیری، شیخ نور الدین نورانی کشمیر (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) انتہائی اہم ہیں۔

احیائے اسلام کا یہ سلسلہ نشیب وفراز کے ساتھ کسی نہ کسی انداز میں ہنوز جاری ہے، امتداد زمانہ کے ساتھ صوفیائے کرام اور خانقاہی نظام میں بھی نوعی فرق آ گیا ہے جس کی طرف اشارہ علامہ اقبال نے اپنے تجربہ کے بعد ان لفظوں میں کیا ہے۔

قم باذن اللہ جو کہتے تھے رخصت ہو گئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

بیسویں صدی میں احیائے اسلام کے تعلق سے اگر صوفیائے کرام کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو وہ زیادہ حوصلہ افزا نہیں ہوگا کیوں کہ امتداد زمانہ کے ساتھ ان میں انحطاط آ گیا ہے، لیکن اس بحرانی کیفیت کے باوجود آج بھی ہندوستان کی بیشتر خانقاہیں ملک وملت کی تعمیر میں سرگرم عمل ہیں، اور برصغیر کے بعض مشائخ احیائے اسلام کے تعلق سے اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

ہندوستان میں چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ سلاسل کے مشائخ کی تعداد ہزاروں میں ہے جو ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں، انھوں نے اپنی خانقاہوں میں بیٹھ کر جو قال اللہ وقال الرسول کے نغمے بلند کیے آج بھی اس کی صدائے

بازگشت اچھی طرح سنی جاسکتی ہے۔ جن خانقاہوں سے یہ نعرے بلند ہوئے تھے ان میں بعض خانقاہیں اب بھی دین حق کی ترویج واشاعت میں سرگرم عمل ہیں، اگر چہ وہاں اب مریدین اور حلقہ بگوشانِ اسلام کی تربیت کا باضابطہ بند و بست نہیں مگر وعظ ونصیحت، ذکر واذکار، اور دوسرے طور طریقوں سے، یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے برصغیر میں ایسی کئی ایک شخصیات ہمارے سامنے ہیں جنھوں نے احیائے اسلامی میں موثر کردار ادا کیا ہے، جن میں کچھ لوگوں کا ذکر کیا جارہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری، اوران کے جانشین حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ محمد مصطفےٰ رضا قادری، خلیفہ اعلیٰ حضرت مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی اوران کے فرزند وجانشین قائد اہل سنت حضرت مولانا شاہ احمد نورانی کی تبلیغی کاوشوں کو ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ موخر الذکر باپ اور بیٹے کے تبلیغی کارناموں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ خدمت دین حق کے لیے وقف کررکھا تھا مولانا عبدالعلیم میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اشاعت اسلام کے لئے دنیا کا وہ خطہ منتخب کیا جہاں علماء ومشائخ کی رسائی کم ہی ہوتی ہے کئی زبانوں پر قدرت ہونے کی وجہ سے انھوں نے جس وسیع پیمانے پر دین حق کی نشر واشاعت کا اہم فریضہ انجام دیا وہ سنہرے حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے اشاعت اسلام کے سلسلے میں چالیس سال امریکہ افریقہ انگلینڈ، انڈونیشیا، ملایا، چین، سنگاپور، کناڈا فرانس، ٹرینٹی ڈاڈ، اور فلپائن، ان کی دعوت وتبلیغ اور رشد وہدایت کے مراکز رہے، انگریزی زبان میں ''مسلم ڈائجسٹ'' ڈربن، ''اسٹار آف اسلام''، اور ''مسلم اینیول'' ان کی یادگار ہیں۔ ملایا میں جناب محمد ابراہیم الساگوف، کے تعاون سے عربی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی، بہت سی مساجد تعمیر کرائیں، عظیم الشان مساجد میں، جامع مسجد کولمبو، سلطان مسجد سنگاپور، اور مسجد ناگریا جاپان، خاصی شہرت کی حامل ہیں۔

احیائے اسلامی کے تعلق سے آپ نے جو قربانیاں پیش کی ہیں اور مجاہدے فرمائے ہیں، اس کا ذکر لفظوں میں نہیں کیا جاسکتا، سچ تو یہ ہے کہ غیر ممالک میں جو اسلام کی

روشنی نظر آرہی ہے، اس میں ان کی کاوشوں کا عمل دخل زیادہ ہے، پچاس ہزار سے زائد غیر مسلموں نے ان کے دست حق پرست پر توبہ کی اور اسلام کا شرف حاصل کیا، مشرف بہ اسلام ہونے والوں میں بورنیو کی شاہزادی، ماریشش جنوبی افریقہ کے گورنر مروات، ٹرینٹی ڈاڈ کی خاتون وزیر اور ڈاکٹر صادق جارج اینٹونوف جیسے ممتاز ان مریکن سائنس داں کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ (ذکر حبیب حصہ اول ص ۷)

مسلمان ماریشس نے علامہ میرٹھی کی تبلیغی خدمات کو سراہتے ہوئے خبر دی ہے کہ تقریباً دو سال ہوئے حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی اس جزیرہ میں تشریف لائے اور مسلمانوں کو دینی برکات سے مستفیض فرمایا جس کا اندازہ خارج از تحریر ہے، کچھ ایسا ہی معاملہ آپ کے فرزند ماہ ہفت لسان مولانا شاہ احمد نورانی قادری کا بھی ہے، انھوں نے بھی اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چل کر متعدد ملکوں کے دورے کیے اور بہت سے بندگان الٰہی کو اسلام کی دولت سے سرفراز فرمایا،''علامہ شاہ احمد نورانی'' نامی کتاب کے مصنف ان کے تبلیغی دوروں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> ''افریقہ کے مختلف ممالک کا ۱۸ روزہ تبلیغی دورہ مکمل کرنے کے بعد یہ وفد برطانیہ روانہ ہو گیا، جہاں دو ہفتے قیام کے بعد وفد امریکہ (یو، ایس، اے) جنوبی امریکہ، کناڈا، مغربی جرمنی، اسپین، تیونس، لیبیا، الجزائر، مصر اور ترکی کا تبلیغی دورہ کیا اس دورے میں مولانا نے ایک لاکھ میل سے زائد کا سفر طے کیا اور ۶۰۰ سے سو سے زائد تقریریں کیں، اس دورے کے دوران بہت سے غیر مسلموں نے علامہ شاہ احمد نورانی کے ہاتھوں اسلام قبول کیا''۔ (علامہ شاہ احمد نورانی ص ۴۱۹)

خود ہندوستان میں بھی ان صوفیاء ومشائخ نے جس طرح احیائے اسلامی کا فریضہ انجام دیا ہے وہ بھی قابل مطالعہ ہے، بیسویں صدی کے اوائل میں جب شدھی تحریک عروج پر تھی، مسلمانوں کو زبردستی اسلام سے بیزار کر کے ہندو بنایا جارہا تھا، ہندوؤں کے اس عمل سے نہ جانے کتنے مسلمانوں نے ہندو مذہب قبول کر لیا تھا، ہندوؤں کی اس شدھی

تحریک کا مقابلہ تمام علماء ومشائخ نے یکساں طور پر کیا، جماعت رضائے مصطفیٰ کے اراکین اس تحریک کا سدّ باب کرنے کے لیے سر پر کفن باندھ کر میدان میں نکل آئے، سلسلہ قادریہ کے ایک شیخ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری کے خلیفہ شیر بیشہ اہل سنت حضرت مولانا مفتی شاہ محمد حشمت علی قادری پیلی بھیتی علیہم الرحمۃ والرضوان نے جس جرأت و بے باکی کے ساتھ باطل پرستوں کا دنداں شکن جواب دیا وہ انتہائی توجہ کے قابل ہے پنڈت شردھانند موضع اکوز تحصیل گوردھن ضلع متھرا میں مسلمانوں کو شدھی بنانے کے لیے آیا تھا، جب اس کی خبر شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی پیلی بھیتی کو ہوئی تو آپ بھی اس مقام پر پہنچ گئے اور پہنچتے ہی آپ نے اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے مناظرہ کا چیلنج دے دیا پھر کیا ہوا ''دبدبۂ سکندری'' رام پور کے حوالہ سے ''حیات مفتی اعظم'' کے مصنف مرزا عبدالوحید بیگ لکھتے ہیں۔

> ''مولانا (حشمت علی) کے اسلامی جوش کی یہ کیفیت ہوئی کہ انھوں نے ایک شخص کی معرفت (پنڈت شردھانند کو) یہ پیغام بھجوایا کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں آگ جلوائی جائے ہم اور آپ ہاتھ میں ہاتھ لے کر اس میں کود پڑیں تو دنیا حق و باطل اور صادق و کاذب کا فرق دیکھ لے گی، اور ان شاء اللہ تعالیٰ حق ظاہر ہو جائے گا، پنڈت شردھانند صاحب نے اس سے بھی انکار کر دیا لیکن موضع کے راجپوتوں نے اس سے بہت برا اثر لیا، یہاں تک کہ ایک تھوک جس کا نام ''بھیلا'' ہے وہ بفضلہٖ تعالیٰ آریوں کے اثر سے بالکل محفوظ رہا''۔(حیات مفتی اعظم: مرزا عبدالوحید بیگ: بحوالہ دبدبہ سکندری ۳/اپریل ۱۹۲۳ء ص ۱۲)

اس کے علاوہ ان مشائخ کی خانقاہوں سے وابستہ آج دینی مدارس احیائے اسلامی کے فروغ میں بھی مرکزی کردار ادا کر رہے ہیں، دار العلوم منظر اسلام سے لے کر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ تک بیشتر بڑے مدارس ان مشائخ کرام کی جد و جہد سے ہی عالم وجود میں آئے ان اداروں سے جس طرح احیائے اسلامی فروغ پا رہا ہے

اسے ہم سبھی حضرات جانتے ہیں اگر خانقاہوں سے وابستہ مدارس کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے تو وہ بھی خاصے کی چیز ہوگی، ممکن ہے کہ ہمارے بعض قلم کار اس طرف بھی اپنی توجہ مبذول کریں۔

آج بھی برصغیر کے مسلمانوں کی بڑی جماعت ان خانقاہوں اور درگاہوں سے وابستہ ہے اگر اس دور میں یہ خانقاہیں مسلمانوں کی تعمیر وترقی کے تعلق سے کوشش کریں تو ملت کا بہت بڑا مسئلہ حل ہوسکتا ہے، اور مدارس کو فروغ دے کر اگر عصری علوم بھی کسی طرح بھی داخل نصاب کردیا جائے یا اس کے لیے الگ اسکول اور کالج ان خانقاہوں کے زیر اہتمام کھولے جائیں تو اس سے کافی حد تک ملت اسلامیہ کی تعلیمی پس ماندگی پر قابو پایا جاسکتا ہے، مجھے یہ لکھتے ہوئے بڑی مسرت ہورہی ہے کہ بعض خانقاہیں اس طرف متوجہ ہوئی ہیں۔ ان خانقاہوں میں آستانہ عالیہ خواجہ غریب نواز، اجمیر معلیٰ راجستھان، خانقاہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز گلبرگہ، کرناٹک، حضرت بابا غلام بادشاہ راجوری جموں، اتر پردیش میں سلسلہ قادریہ کی مشہور خانقاہ حضرت سید ناشاہ برکت اللہ مارہروی علیہم الرحمۃ والرضوان سرفہرست ہیں۔ ظاہر ہے کہ برصغیر میں اس طرح کی اور بھی خانقاہیں ہوں گی جن تک مجھ کم سواد کی رسائی نہ ہوسکی ہوگی، یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پاکستان کی بات میں نہیں کرتا ہندوستان میں بھی ایسی بیشتر خانقاہیں ہیں جو حکومت ہند کے مالی تعاون کے بغیر عصری جامعات کو بحسن وخوبی صرف اور صرف معتقدین ومتوسلین اور مریدین کی نذر ونیاز کی بنیاد پر چلاسکتی ہیں، ہمیں اپنی اس تحریک کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے، کہ ان کے ذہن ودماغ کو اس طرف موڑا جاسکے، اگرچہ یہ کام خاصا مشکل ہے مگر ناممکن نہیں۔

بیسویں صدی کے صوفیا ومشائخ نے احیائے اسلامی کے تعلق سے جو خدمات انجام دی ہیں اس کا ایک سرسری جائزہ ہم نے ان تحریروں کے حوالے سے پیش کیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ موضوع طویل مقالہ کا متقاضی ہے جس میں صلاحیت اور وقت دونوں کی ضرورت ہے اور مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی جھجک نہیں کہ میرے پاس یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں۔

مدارس اسلامیہ میں تعلیم تصوف۔ایک جائزہ

حدیث جبرئیل میں عبادت کے اندر جس انہماک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ بندے میں اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جب وہ تصوف کے ان تمام بنیادی باتوں پر سختی سے گامزن ہو جیسے اکل حلال، کثرت توبہ واستغفار، جذبۂ خدمت خلق، صبر وشکر، زہد واتقاء، قناعت وتوکل، دنیا سے بے رغبتی، مجاہدۂ نفس، تواضع وانکساری، رضائے الٰہی، خوف ورجا، اور تمام اخلاق سیئہ جیسے آفات لسانی، شہوت، ریا، تکبر، حب دنیا، حسد، غضب، اور بخل سے اجتناب کرے۔

سطور بالا میں جن اخلاق حسنہ کا ذکر ہوا ہے یہ اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جب بندے کے نفس کا تزکیہ ہو اسی لئے تزکیہ نفس کو بعثت نبوی کے بنیادی مقاصد میں شامل کیا گیا ہے۔اس تزکیہ نفس کا اثر یہ ہوا کہ صحابہ کرام پاکیزہ کردار اور اعلیٰ صفات سے آراستہ ہوگئے اور ان کی پوری زندگی ان تمام صفات حسنہ سے متصف ہوگئی جس کا سطور بالا میں ذکر ہوا۔خود پیغمبر اعظم رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا اگر گہرائی سے جائزہ لیں تو وہ صفات ہمیں آپ کی بھی زندگی میں مل جاتی ہیں جن سے صوفیائے کرام پوری طرح آراستہ تھے۔جیسے :

۱۔رسول اللہ اکثر خاموش رہتے، بلاضرورت کسی سے گفتگو نہیں فرماتے

۲۔غذا خود کم کھاتے اور کم کھانے کی رغبت دلاتے ہوئے فرماتے معدے کا ایک تہائی حصہ کھانے کے لئے، ایک تہائی حصہ پانی کے لئے، اور ایک تہائی حصہ خالی چھوڑ دینا چاہئے۔

۳۔آپ کبھی کھل کھلا کر ہنسنا پسند نہیں فرماتے

۴۔نماز تہجد میں گریہ وزاری کرتے قرآنی آیات سنتے تو آنکھوں سے بلا اختیار

آنسو جاری ہو جاتے۔

۵۔ آپ کی ایک دعا تھی کہ یا اللہ میں ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھانے کو ملے بھوک میں تیرے سامنے گڑگڑایا کروں، تجھ سے مانگوں اور کھا کر تیری حمد وثنا بیان کروں۔

۶۔ آپ فرماتے کہ دو کلمات ایسے ہیں جو رحمان کو پسند ہیں زبان پر ہلکے ہیں اور میزان عمل پر بھاری ہیں وہ یہ ہیں سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

اس آخری حدیث سے اوراد واذکار کی تعلیم ملتی ہے، جو صوفیائے کرام کی روحانی غذا ہے۔ جس کی زندگی ان صفات کی آئینہ دار ہو اور وہ اپنے ساتھیوں کی اسی طرح تربیت کرتا ہو تو بلا شبہ وہ خود اور اس کا سماج پوری دنیا کے لئے نمونہ ہو گا۔ اسی تعلیم نبوت کے باعث صحابہ کرام کی جماعت میں اگر ہم اصحاب صفہ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان میں سے ہر ایک پاک دیدہ، پاک بین، توکل ورضا کا پیکر اور صدق وصفا کا ایسا مرقع نظر آتا ہے جس کی مثالیں ہمیں کسی اور سماج میں نہیں ملتی۔ اصحاب صفہ کی اسی جماعت کو صوفیائے کرام کا پہلا گروہ بتایا جاتا ہے، ان صحابہ کے انھیں کردار وعمل کو دیکھ کر ہمارے نبی ﷺ نے انھیں اپنا دوست فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اصحاب صفہ کے پاس آئے اور ان کے فقر وجہد اور پاکیزگیٔ قلوب کو دیکھا تو فرمانے لگے:

" ابشروا یا اصحاب الصفه من بقی امتی علی النعت الذی انتم علیه راضیاً بما فیه فانه من رفقائی یوم القیمة"۔

(لتاب الاربعین فی التصوف محمد بن حسین الحلمی ص ۱ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد ۱۴۰۱ھ)

(اے اصحاب صفہ تمہیں بشارت ہو پس میری امت میں سے جو لوگ ان صفات سے متصف ہوں گے جن سے تم متصف ہو اور ان پر رضامندی سے قائم رہیں گے تو بیشک جنت میں وہ میرے ہم نشین ہوں گے)

تصوف پر عمل پیرا ہونے کے باعث اللہ کے نبی ﷺ نے جنت میں اصحاب صفہ سے ہم نشینی کا وعدہ فرمایا۔

تصوف ہے کیا؟ پہلے اس کا جاننا ضروری ہے تاکہ اس کے مباحث پر گفتگو آسان ہو سکے۔ یوں تو اس علم شریف کی صوفیا و مشائخ نے متعدد تعریفیں کی ہیں لیکن جو تعریف مجھے زیادہ جامع اور مانع لگی وہ یہ ہے۔

تصوف وہ طریقۂ حیات ہے جس کا مدعا اور مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات سے رابطہ پیدا کرنا ہے یہ رابطہ کسی صوفی اور مرشد کے توسط سے بلا واسطہ ہوتا ہے۔ خدا سے بندے کا ربط بغیر محنت و ریاضت کے نہیں ہوتا ہے اس کے حصول کے لئے بندے کو چند روحانی تجربات سے بھی گزرنا پڑتا ہے جنہیں واردات قلب کہا جاتا ہے۔

ایک تعریف اس کی اس طرح بھی کی جا سکتی ہے۔

''تصوف اخلاق محمدی کا نام ہے اخلاق محمدی کو قال وقول تک رکھا تو یہ شریعت ہے اور عمل و معمول کے دائرے میں لایا گیا تو یہ طریقت ہے مختصر یہ کہ شریعت پر کامل وفاداری اور محبت فراواں کے ساتھ عمل کرنے کا نام طریقت ہے۔''

تصوف کی اس تعریف کی روشنی میں سطور بالا میں جن امور پر عمل پیرا ہونے کی توجہ دلائی گئی ہے وہ اس کے لئے لازمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے قرآن حکیم اور احادیث نبوی میں کہیں صراحۃً اور کہیں اشارۃً تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ دنیا سے بے رغبتی کے تعلق سے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''یہ تم خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض لہو ولعب، زینت اور ایک دوسرے پر اترانے اور مال و اولاد میں زیادتی پر فخر کرنے کا نام ہے''۔

(الحدید ۲۰)

اسی مفہوم کو حدیث میں ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔

اخشیٰ علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علیٰ من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنا فسوھا وتلھیکم کما الھتھم

(بخاری شریف جلد دوم ص ۹۵۱ رضا اکیڈمی ممبئ ۱۴۱۰ھ)

(اپنے بعد میں تم سے جس چیز کے بارے میں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ دنیا کی زیب و زینت کے دروازے تم پر کھول دیئے جائیں گے تو تم اس سے رغبت کرنے لگو اور وہ تمہیں آخرت سے غافل کر دیں)

ذکر و فکر کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اپنے رب کو یاد کیا کرو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور غافلوں میں سے مت ہو جانا''۔ (الاعراف ۲۰۵)

''اے ایمان والو تم اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہا کرو''۔(الاحزاب ۴۲)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

''تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو''۔(البقرہ ۵۲)

اس طرح کئی ایک اور آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی طرف توجہ کرنے کی بات کہی ہے۔ ان آیات کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کا کسی غیر کی طرف متوجہ ہونا کم از کم ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ صوفیائے کرام اللہ کی عبادت و ریاضت اور اپنے نفس کے تزکیہ لئے بسا اوقات سلوک کے ابتدائی مراحل میں خلوت گزین ہو جاتے ہیں جسے بعض ناسمجھ افراد رہبانیت سے تعبیر کرنے لگتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں حدیث میں ہے کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام (اسلام میں رہبانیت نہیں) جب سالک چند سالوں دنیا کے علائق سے کنارہ کش ہو کر نفس کشی کر کے اپنے قلوب کا تزکیہ کر لیتا ہے جب پوری طرح اس کا سینہ نور عشق کا مدینہ بن جاتا ہے اور اسے یہ باور ہو جاتا ہے کہ ابلیس کی کوئی فسوں کاری

اب اسے متاثر نہیں کر سکتی تو پھر وہ گم گشتگان راہ ہدایت کی رہنمائی کے لئے کار گہ حیات میں قدم رنجہ فرماتا ہے۔سالک کے مجاہدۂ نفس کے اس وقفہ کو رہبانیت سے تعبیر کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔اگر آبادی سے دور ذکر الٰہی سے اپنے قلب کو منور کرنے کا نام رہبانیت ہے تو نبی کی زندگی جو غار حرا میں چالیس دن گزری اسے بھی رہبانیت سے تعبیر کیا جانا چاہئے۔ جب کہ اسے رہبانیت نہیں کہا جاتا کیوں کہ اسی نبی نے فرمایا ہے لا رهبانية فى الاسلام ۔ رہبانیت اور ترک دنیا کا مطلب یہ ہے جیسا کہ سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین اولیاءفرماتے ہیں۔

''دنیا کی ترک سے یہ مراد نہیں کہ انسان اپنے تئیں ننگا رہے اور لنگوٹ باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ دنیا کی ترک اس بات کا نام ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھائے بھی لیکن جو اسے ملے اس کی طرف راغب نہ ہو اور نہ اسے دل سے لگائے''۔

(ہشت بہشت فوادالفواد ملفوظات نظام الدین اولیاء مرتب امیر حسن علی سجزی جلد اول جام نور دہلی)

مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر صفات صوفیا کے تعلق سے سطور بالا میں چند باتوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے تفصیل کے لئے اس تعلق سے لکھی جانے والی کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا۔

آج کل ایک بہت بری بلا سماج میں یہ در آئی ہے اور بڑی خود اعتمادی کے ساتھ یہ کہا جاتا ہے کہ طریقت کا شریعت سے کوئی میل نہیں دونوں دو الگ الگ چیزیں ہیں ہم خانقاہی ہیں ہمارا کوئی خاص مذہب نہیں یہ تمام باتیں سراسر جہالت پر مبنی ہیں۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے انھوں نے واضح لفظوں میں لکھا ہے کہ

''پس آنچہ گفتہ اند کہ صوفی لا مذھب لہ صحیح نباشد''

(پس یہ جو کہا جاتا ہے کہ صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا صحیح نہیں ہے)

(مرج البحرین شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۵۴ دہلی)

ان نام نہاد صوفیا نے اگر تعلیم حاصل کی ہوتی تو شاید اس قسم کی باتیں اپنے منھ سے نہ نکالتے اسی وجہ سے سالک کو زیور تعلیم سے آراستہ ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے، اور حصول علم شریعت، طریقت کی پہلی منزل بتائی گئی ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ جس نے شریعت کا علم طریقت کے بغیر حاصل کیا وہ گمراہ ہے اور جس نے طریقت کا علم شریعت کے بغیر حاصل کیا وہ زندیق ہے اور صرف علم حاصل کرنا ہی کافی نہیں قرار دیا گیا ہے بلکہ اس پر عمل کرنا ضروری بتایا گیا ہے اولیاء اللہ جتنا پڑھتے تھے اس پر عمل بھی کرتے تھے مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی تصنیف میں حضرت شاہ مینا علیہ الرحمہ کے تعلق سے ایک واقعہ لکھا ہے کہ

''حضرت شاہ مینا علیہ الرحمہ شرح وقایہ پڑھتے تھے جب کتاب الزکوٰۃ تک پہنچے پڑھنا چھوڑ دیا استاد نے سمجھایا تو کہا کہ علم کی غرض عمل ہے صوم وصلوٰۃ مجھ پر فرض تھا اس کا علم ضروری تھا زکوٰۃ مجھ پر فرض نہیں جب کبھی زکوٰۃ فرض ہوگی تو اس کے مسائل بھی سیکھ لوں گا اس وقت اس کا پڑھنا وقت کو ضائع کرنا ہے''۔

(تزکیہ واحسان: ابوالحسن علی ندوی ص ۱۲۹ لکھنؤ ۱۹۸۹ء)

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام علوم شریعت کو نہ صرف حاصل کرتے تھے بلکہ اس پر سختی سے عمل پیرا بھی تھے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں تو تصوف کے تعلق سے تمام تصانیف میں شریعت کے مسائل ہی زیادہ ہوتے تھے پوری کتاب میں صرف ایک دو بحثیں ہی تزکیہ نفس اور اخلاقیات سے متعلق ہوتی تھیں یہ سلسلہ صدیوں رہا، پانچویں صدی ہجری میں حضرت شیخ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش کی مشہور کتاب کشف المحجوب جو ہندوستان میں تصوف کے موضوع پر سب سے پہلی لکھی گئی اس میں بھی انہوں نے از کشف اول تا کشف ہشتم اصول دین اور ارکان اسلام کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ غوث اعظم حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیف غنیۃ الطالبین بھی انھیں تمام مسائل پر مشتمل ہے آخر میں صرف ایک باب آداب المریدین خالصتاً تعلیمات تصوف پر مشتمل ہے بہرحال ارباب شریعت اور ارباب طریقت

میں کوئی فرق نہ تھا، شریعت طریقت سے جداگانہ کوئی چیز نہ تھی جب امام غزالی علیہ الرحمۃ والرضوان نے تصوف کو ایک علمی اور فکری نظریہ بنادیا تو اس کے موضوعات میں کافی وسعت پیدا ہوگئی۔ فلسفیانہ مباحث بھی اس میں شامل ہوگئے پھر صوفیاء نے متعدد موضوعات پر طبع آزمائی کی اس تعلق سے حضرت سیدنا شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب عوارف المعارف نمایاں ہے۔ مصنف نے اپنی تصنیف کو بیش بہا علمی وفکری مباحث سے آراستہ کر دیا ہے اسی وجہ سے صوفیاء ومشائخ نے اس کتاب کی تعلیم کو سالکین تصوف کے لئے لازم وضروری قرار دیا۔ مولانا شمس بریلوی ''عوارف المعارف'' (مترجم) کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

> ''عوارف المعارف چھٹی صدی ہجری کی گراں مایہ اور ممتاز کتاب ہے اور ایسی قابل اعتماد کتاب ہے کہ صوفیائے کرم نے اس کا درس دیا اور اس کی سماعت کو اپنے لئے موجب اطمینان وتشکر سمجھا''۔
>
> (مقدمہ عوارف المعارف شیخ شہاب الدین سہروردی شمس بریلوی ص ۵۱ دہلی ۱۹۸۶ء)

اس کتاب کی اہمیت ہر دور میں رہی خانقاہوں میں باضابطہ اس کی تعلیم دی جاتی رہی تصوف کیا ہے اس کے مباحث کس نوعیت کے ہیں یہ کتاب ان تمام امور پر اچھی طرح روشنی ڈالتی ہے۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں ہے۔

> ''ہندوستان کے قدیم چشتی صوفیا شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب عوارف المعارف کو اپنا سب سے بڑا ہدایت نامہ سمجھتے تھے ان کی خانقاہوں کی تنظیم اسی کتاب پر مبنی تھی اور شیوخ صوفیہ اسے اپنے مریدوں کو پڑھایا کرتے تھے، شیخ ہجویری کی کشف المحجوب بھی بڑی مقبول عام کتاب تھی اور شیخ نظام الدین اولیاء کہا کرتے تھے جس شخص کا کوئی روحانی مرشد نہ ہو اس کے لئے کشف المحجوب کافی ہے''۔
>
> (دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ۷ ص ۶۵۱ دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۷۱ء)

عوارف المعارف ، کشف المحجوب اور غنیة الطالبین کےعلاوہ صوفیائے کرام نے اپنے مریدین کو جن کتابوں کا درس اپنی خانقاہوں میں دیا ان میں رسالہ قشیریہ کا نام بھی کافی اہمیت کا حامل ہے یہ رسالہ ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن القشیری (وفات ۴۶۵ھ) کی تصنیف ہے۔اللہ تعالی نے اس کتاب کو بھی بڑی مقبولیت بخشی دوسرے ممالک کے علاوہ برصغیر ہندوپاک میں بھی اس رسالہ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ہمیشہ سے یہ کتاب صوفیائے کرام کے مطالعہ میں رہی ہےاور مریدان با اخلاص کواس کتاب کے مطالعہ کی تاکید کی جاتی رہی۔اس کتاب کی اسی مقبولیت کے باعث ارباب طریقت نے اس پرتعلیقات لکھیں اور متعدد زبانوں میں اس کی شرحیں قلم بند کی گئیں۔

احیاء العلوم فی الدین امام غزالی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شاہکار تصنیف ہے اس کتاب میں امام ابوحامد غزالی نے ثابت کیا ہے کہ تصوف شریعت سے جدا گانہ کوئی چیز نہیں انھوں نے تصوف کے تمام مسائل اور احوال ومقامات کو شرعی استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے اس میں چار ارکان کا تذکرہ چار جلدوں میں کیا گیا ہے ا۔عبادات ۲۔عادات ۳۔مہلکات ۴۔منجیات ان میں ہر ایک رکن دس ابواب اور چند فصول پر مشتمل ہے یہ کتاب بھی تصوف کی درسی کتابوں میں شامل ہے مرشدان کامل اپنے مریدین کو نہ صرف اس کتاب کا درس دیتے رہے بلکہ اس کے مطالعہ کی بھی ان کو تاکید فرماتے رہے۔اصل کتاب عربی زبان میں ہے متعدد زبانوں میں علماء ومشائخ نے اس کی شرحیں لکھیں خود مصنف نے احیاءالعلوم کی فارسی زبان میں تلخیص کیمیائے سعادت کے نام سے تیار کی۔

(عوارف المعارف مترجم ص شمس بریلوی ص ۲۸)

رسالہ مکیہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے قطب الدین دمشقی کی تصنیف رسالہ مکیہ کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تھا یہ رسالہ بھی رسالہ قشیریہ کی طرح موضوع تصوف پر ہے۔حضرت مخدوم کے یہاں رسالہ مکیہ کا باقاعدہ درس دیا جاتا تھا اس لئے آپ نے اس مفید رسالہ کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تھا تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہوسکیں۔ (عوارف المعارف مترجم شمس بریلوی ص ۶۱)

اس طرح تمام خانقاہوں میں ان جملہ کتابوں کا درس دیا جاتا رہا اور سالکین اور مریدین انہماک کے ساتھ اس کی تعلیم حاصل کرتے رہے لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ رفتہ رفتہ خانقاہیں بھی زمانہ کے حالات سے متاثر ہوئیں اور یہ سلسلہ بغیر کسی وجہ معقول کے منقطع ہو گیا اور اس کی تدریس مدارس میں ہونے لگی درس نظامی کی تشکیل یعنی اٹھارویں صدی سے پہلے جن کتابوں کا سطور بالا میں ذکر ہوا باضابطہ درس دیا جاتا رہا ہے۔ لیکن اٹھارہویں صدی عیسوی میں جب ملا نظام الدین سہالوی نے اورنگ زیب کی ایما پر درس نظامی کی تشکیل نو کی تو اس سے تصوف کو خارج کر دیا اور وجہ یہ بتائی کہ تعلیم تصوف کے لئے تجربہ گاہ ضروری ہے اور موجودہ خانقاہوں میں اس کا نظم و نسق نہیں اس لئے تعلیم تصوف کو خارج از نصاب کیا جا رہا ہے۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ لاہور پنجاب میں ہے۔

> ''اس نصاب سے پہلی بار تصوف و سلوک کو نصاب سے خارج کیا گیا جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ملا نظام الدین کی رائے میں اس وقت تک ان کتابوں کا مطالعہ مفید نہیں ہو سکتا جب تک مرشد کامل کی رہنمائی میسر نہ ہو۔ یہ ایک ایسا اقدام تھا جس کے باعث تصوف و سلوک سے بُعد بڑھتا گیا''۔
>
> (دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد۲۲ ص ۳۵۸ لاہور ۱۹۸۹ء)

ملا نظام الدین سہالوی خود صوفیاء و مشائخ کے عقیدت مند تھے اور سلسلۂ قادریہ میں حضرت سیدنا شیخ عبدالرزاق بانسوی کے مرید تھے اور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان سے انھیں والہانہ عقیدت تھی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جس کا ذکر مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی نے اپنی تصنیف "بانی درس نظامی" میں کیا ہے۔

> ''ملا صاحب کے دو بھانجے تھے محمد عاشق اور فرحت اللہ دونوں زمیندار تھے ایک دفعہ محاسبے کے سلسلے میں محمد اکبر یار خاں ناظم علاقہ کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے ان کے رشتہ دار عزیز ملا صاحب کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوئے ملا صاحب نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص زیادہ دین دار

ہو وہ شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کا جس قدر ممکن ہو ورد کرے''۔

(بانی درس نظامی، محمد رضا انصاری ص ۶۶ لکھنؤ ۱۹۷۳ء)

موجودہ زمانہ میں چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس لئے یہ عبارت نقل کرنے کے بعد مفتی محمد رضا انصاری اسی صفحہ پر حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

''اس ورد کے جواز و عدم جواز کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے بعض علماء اس کے پڑھنے کی ممانعت کرتے ہیں، کوئی سو سال پہلے اس سلسلے میں ایک صاحب نے جن علماء سے استفتا کیا تھا ان میں مولانا رشید احمد گنگوہی بھی تھے انھوں نے بھی کلیۃً اس ورد کو ممنوع نہیں قرار دیا ہے، ان علما کے جوابات کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں، کتاب کا نام ''فتویٰ جواز یا شیخ عبد القادر شیئاً للّٰہ'' ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اس کی اجازت دی ہے ان کی تحریری اجازت مولانا حکیم واثق الیقین سجادہ نشین کرسی ضلع بارہ بنکی اور مولانا محمد ناصر فرنگی محلی (حفید مولانا نظام الدین) کے پاس میں نے خود دیکھی ہے''۔ (بانی درس نظامی ص ۱۶۷)

مفتی محمد رضا انصاری نے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے والہانہ تعلق کے بارے میں ایک اور واقعہ کا ذکر اپنی تصنیف میں کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

''قاضی قل محمد نے ''تبرک غوث اعظم قدس سرہ العزیز'' یعنی حضرت غوث پاک کی نیاز کا تبرک بھیجا تو ان کو اطلاع دیتے ہیں کہ میں نے اس تبرک کو سر آنکھوں پر رکھا'' اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں سے جو اس قسم کی تبرک کی اہمیت کے منکر ہیں ملا صاحب کا عقیدہ یکسر مختلف تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ملا نظام الدین کے زمانہ تک تبرک میلاد شریف اور نذر و نیاز کو بدعت اور شرک کہنے کا چلن شروع ہی نہیں ہوا تھا۔''

(بانی درس نظامی ص ۱۹۷)

ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ درس نظامی سے تصوف کا اخراج ملا

نظام الدین سہالوی نے نہیں بلکہ کسی اور نے کیا ہے جس کی طرف اشارہ حضرت مولانا سید محمد اشرف جیلانی میاں نے الجامعۃ الصوفیاء کے پراسپیکٹس میں کیا ہے۔

''درس نظامیہ میں حضرت ملا نظام الدین سہالوی فرنگی محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتب تصوف کو شامل نصاب کیا تھا اور یہ سلسلہ برسوں چلتا رہا مگر آج کے دینی ادارے محروم تصوف ہیں جس کا نتیجہ سامنے ہے کہ دار العلوم اخلاقی وروحانی اقدار سے محروم ہوتے جا رہے ہیں''۔

(پراسپیکٹس الجامعۃ الصوفیہ کچھوچھہ شریف ب ت)

ہندوستان میں جتنے مدارس رائج ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔

ا۔ وہ مدارس ہیں جہاں درس نظامی رائج ہے۔

۲۔ وہ مدارس جہاں درس عالیہ رائج ہے۔ درس عالیہ وہ نصاب ہے جسے حکومت اتر پردیش نے ان مدارس میں پڑھانے کے لئے تیار کرایا ہے جہاں حکومت مالی امداد دیتی ہے جس کی چند سالوں پیشتر راقم السطور نے حکومت اتر پردیش کے کہنے پر تجدید کی ہے۔

درس نظامی ہندوستان کے مختلف مکاتب فکر کے مدارس میں رائج ہے۔تصوف علمائے غیر مقلدین کے یہاں شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتا ہے لہذا ان مدارس میں تصوف کی تعلیم کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا البتہ علمائے دیوبند جو فکری طور پر علمائے غیر مقلدین کے کافی حد تک قریب ہیں مگر تصوف اور صوفیہ سے انھیں کسی قدر دلچسپی ہے ان کے مدارس بھی تصوف کی تعلیم سے خالی ہیں۔البتہ وہ مدارس جو علمائے اہل سنت کے زیر اثر ہیں اور صوفیاء ومشائخ سے والہانہ عقیدت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ان کے مدارس میں بھی تصوف کی تعلیم پر کوئی خاص توجہ نہیں۔متعدد مدارس کے نصاب کا جائزہ لینے کے بعد صرف الجامعۃ الاشرفیہ کے ابتدائی درجات جسے ہم درجات پرائمری کہہ سکتے ہیں اخلاقیات کے نام سے ۵۰ نمبر کے تحت اخلاقی کہانیاں اور صوفیاء ومشائخ کے حالات بتا دیئے جاتے ہیں۔
(دلیل دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ ص ۳۳ ب، ت)

باقی تمام سنی مدارس میں تصوف کی تعلیم ہمیں کسی موضوع کے تحت دیکھنے میں نہیں ملی ۔موجودہ زمانے میں جب کہ لوگ مادیت سے تنگ آکر روحانیت کی طرف بڑی تیزی سے بڑھ رہے ہیں روحانی علوم اپنے نصاب میں شامل کر کے سماج کی اصلاح وفلاح میں اسلامی مدارس موثر کردار ادا کر سکتے ہیں،شاید اسی ضرورت اور مقصد کے تحت جنوبی ہند کے مدارس میں اس کی تعلیم ''الاخلاق اور تہذیب الاخلاق'' کے نام سے ابتدائی درجات سے ہی شامل نصاب کر لیا گیا ہے اس وقت ہمارے سامنے لجنة تعليم الدين الاسلامی لعموم کیرلا کا وہ نصاب ہے جو تنظیم کے تحت ہندو بیرون ہند میں قائم ہونے والے آٹھ ساڑھے آٹھ ہزار مدارس میں رائج ہے۔علماء اور تعلیمی سرگرمیوں کا مرکزی دفتر مالا پورم کیرلا میں ہے۔جس کا راقم نے بچشم خود مشاہدہ کیا ہے۔وہاں تعلیمی،سماجی اور سیاسی سرگرمیوں سے متعلق راقم نے ایک جائزہ بھی اپنے سفر نامہ میں پیش کیا ہے جو''دہلی سے کیرلا تک'' کے عنوان سے پیام حرم جمداشاہی دسمبر ۲۰۰۶ء کے شمارہ میں شائع ہو چکا ہے۔

ہندوستان میں صوبائی حکومتوں کے زیر اہتمام جو بورڈ قائم ہیں اور جن سے وابستہ اُس صوبے کے مدارس ہوتے ہیں اس کے نصاب کا بھی جائزہ لیا بہار،بنگال،اڑیسہ اور مدھ پردیش کے نصاب میں بنام تصوف کوئی کتاب شامل درس نہیں البتہ عربی فارسی بورڈ اتر پردیش کے نصاب میں اس کی رعایت ہے امتحانات عربی فارسی اتر پردیش کا قدیم نصاب پہلے جناب ضیاء الحسن علوی نے بیسویں صدی کی تیسری دہائی اور پھر حضرت مولانا شبیر احمد خاں غوری نے بیسویں صدی کی پانچویں دہائی میں تیار کیا تھا وہ سنی صحیح العقیدہ تھے، صوفیا ومشائخ سے انھیں عقیدت تھی انھوں نے فاضل معقولات کے نصاب میں کلام وتصوف کے نام سے باضابطہ ایک پرچہ شامل درس کیا جس کے تحت رسالہ قشیریہ کی تعلیم کو لازم قرار دیا۔کامل کے امتحان میں لوائح جامی اور مثنوی مولانا روم کو شامل نصاب کیا گیا (امتحانات عربی وفارسی سر شتہ تعلیم اتر پردیش الہ آباد ص ۲۷ الہ آباد ۱۹۷۹ء) بورڈ سے ملحقہ مدارس کے طلبہ تصوف کی ان کتابوں سے کتنا استفادہ کرتے ہیں کچھ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ عہد حاضر میں بورڈ کے امتحانات میں اساتذہ اپنے عزیز طلبہ کو نقل کرا کے ان

کی زندگیوں کو جس طرح تباہ و برباد کرنے میں لگے ہیں الامان والحفیظ! جہاں اس قسم کا ماحول ہو وہاں کتابوں کی درس و تدریس اور افہام و تفہیم کا تصور عبث ہے۔

حکومت اتر پردیش کے حکم کے مطابق جب راقم نے عربی فارسی بورڈ کا نیا نصاب مرتب کیا تو اس میں عصر حاضر کے تقاضوں کا بھر پور خیال رکھا منشی، مولوی، عالم اور کامل کے امتحانات میں اگر ایک طرف مدارس کے طلبہ کے لئے ہندی، حساب انگریزی اور کمپیوٹر جاننا لازم قرار دیا تو دوسری طرف مادیت پرستی کے اس دور میں بندگان حق کا رشتہ اس کے خالق سے مربوط کرنے کے لئے تصوف کی تعلیم کو بھی لازم وضروری قرار دیا۔ امتحان کامل فارسی کے سال آخر میں کشف المحجوب ، اخبار الاخیار ، فتوح الغیب ، مکتوبات صدی، اور مکتوبات امام ربانی کی تدریس کو لازم قرار دیا اور نئے امتحان کامل عربی کا اضافہ کر کے اس کے سال آخر میں مطالعہ تصوف کے زیر عنوان کتاب اللمع فی التصوف ، نفحات الانس ، غنیة الطالبین ، عوارف المعارف اور ہشت بہشت اور فاضل سنی دینیات میں تاریخ مشائخ چشت ، تاریخ مشائخ قادریہ ، تذکرۃ الاولیاء اور حضرات القدس کے علاوہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کے مشائخ کی زندگی اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں اور سماجی خدمات کا مطالعہ لازم قرار دیا۔ فاضل دینیات کے سال آخر میں تحقیقی مطالعہ کے طور پر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسی برگزیدہ شخصیات کو برائے تحقیقی مطالعہ منتخب کیا۔ ان شخصیات پر تحقیقی مقالہ کے پچاس اور مقالہ پر زبانی امتحان کے پچاس نمبر رکھے گئے۔ راقم نے اپنے مرتب کردہ نصاب میں فاضل عربی ادب کی طرح فاضل فارسی ادب کا بھی اضافہ کیا جس میں کیمیائے سعادت، حدیقہ سنائی، لوائح جامی ، مثنوی مولانا روم اور کلیات امیر خسرو کو شامل نصاب کیا گیا۔ (نصاب تعلیم برائے درجات عالیہ عربی وفارسی بورڈ اتر پردیش لکھنؤ، غلام یحییٰ انجم جامعہ ہمدرد نئی دہلی ۲۰۰۱ء)

راقم الحروف نے مدینۃ العلوم حضرت بل سری نگر کشمیر فاروق عبد اللہ کی ایماء پر

آج سے کوئی ۸ سال قبل نیا نصاب مرتب کیا تھا۔ جس میں راقم نے وہاں کے لوگوں میں مشائخ اور صوفیائے کرام سے عقیدت کو دیکھتے ہوئے پہلی بار تصوف کے مباحث کو نصاب درس کا حصہ بنایا اس نصاب کے عالم سال اول میں مثنوی مولانا روم سال دوم میں، کیمیائے سعادت، کامل سال اول میں عوارف المعارف اور سال دوم میں غنیة الطالبین اور سال آخر میں کشف المحجوب کی تعلیم کو لازم قرار دیا۔ درجہ فاضل کے تحت مطالعۂ شخصیات اسلامی جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، امام ابوحامد غزالی، میر سید علی ہمدانی، شیخ نورالدین رشی اور شیخ مخدوم حمزہ کشمیری کو شامل نصاب کیا۔

جامعہ اردو علی گڑھ جہاں ابتدائی، ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل کے امتحانات ہوتے ہیں اس کے کامل کے امتحان میں قواعد امتحانات ونصابات ۱۹۸۶ء کے مطابق ثقافت اسلامی کے تحت تصوف کو بھی شامل کیا گیا ہے اور اس کے تحت جن موضوعات کی تعلیم لازم قرار دی گئی ہے ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

الف) تصوف کا آغاز اور اس کے بنیادی افکار، زہد، طریقت، معرفت، عشق الٰہی، فنا، تصور انسان کامل۔

ب) صوفی مکاتب فکر قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، نمائندہ صوفیاء کے مختصر احوال۔ (پراسپکٹس الجامعۃ الصوفیہ کچھوچھہ شریف ص ۲۵)

ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ تصوف کی تعلیم اور تربیت سے آراستہ کرنے کے لئے الجامعۃ الصوفیہ کے نام سے باضابطہ ایک ادارہ کچھوچھہ مقدسہ کی سرزمین پر قائم ہوا ہے اس کے تعلیمی منہج سے اندازہ ہوتا ہے وہاں کے فضلاء روحانیت سے آراستہ ہو کر سماج سے مادیت پرستی کی لعنت کو دور کرنے اور انسانوں کا رشتہ اس کے خالق سے مربوط کرنے میں کلیدی کردار ادا کر سکیں گے اس تعلق سے جو منہج ہمارے سامنے ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

نصاب تعلیم برائے علوم تصوف

سال اوّل) کیمیائے سعادت، احیاء العلوم، غنیۃ الطالبین،

سال دوم)احیاء العلوم ، کتاب الابریز لعبد العزیز دباغ ، الیواقیت والجواہر،تفسیر روح البیان

نصاب تعلیم دار التزکیه

ا۔عوارف المعارف وظائف اشرفی ،روحانی شب وروز وظائف اشرفی،لطائف المعارف ،الوظیفہ الاشرفیہ ، المرشد الامین ، سراج العوارف،معمولات صوفیاء (نفس مصدر ص ۲۵)

جامعہ صوفیہ کے پراسپکٹس سے کسی طرح پتا نہیں چلتا ہے کہ یہ نصاب فضلائے مدارس کے لئے ہے یا ان تمام لوگوں کے لئے جو تصوف کی تعلیم سے اپنے کو آراستہ کرنا چاہتے ہیں اس تعلق سے راقم ایک عریضہ بانی ادارہ کی خدمت میں ارسال کیا تھا جس میں تمام باتوں کے علاوہ ایک مفید مشورہ یہ بھی تھا کہ باضابطہ دو روزہ ورکشاپ کے ذریعہ نصاب تصوف تشکیل دیا جائے تاکہ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلوب کے لئے پاک وصاف ستھرا نصاب مرتب کیا جا سکے میرے اس مکتوب کو ''مشورتی خطوط'' کے نام سے تمام خطوط کے ساتھ شائع تو کر دیا لیکن ان مشوروں پر کتنا عمل ہوا اس کی تفصیل راقم کو نہ معلوم ہو سکی۔ بہر حال مادیت کے اس دور میں روحانی علوم کی نشر واشاعت کے لئے جس طرح کی بھی کوششیں ہو رہی ہیں وہ قابل قدر ہیں۔اور اس طرح کی کوششیں کرنے والے تمام ادارے قابل مبارکباد ہیں ۔جن اداروں میں اس طرف توجہ نہیں ہو سکی ہے حالات حاضرہ کے تقاضوں کے پیش نظر اس طرف فوری توجہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ایک شخص کو عالم وفاضل بنانے کے علاوہ صحیح معنوں میں انسان بھی بنایا جا سکے مجھے امید ہے میری اس عرضداشت پر مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران اور ارباب بسط وکشاد سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔مفکر اسلام ڈاکٹر اقبال نے عہد حاضر کے مدارس اور خانقاہوں کے تعلق سے جو اپنا تاثر پیش کیا ہے وہ یقیناً صداقت پر مبنی ہے۔

اٹھا میں مدرسہ وخانقاہ سے نمناک نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ
گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے مرا کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

حق گوئی و بے باکی

''اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک جب حج کو جانے لگا تو طاؤس یمانی کو طلب کیا انھوں نے دربار میں پہنچ کر فرش کے کنارے جوتیاں اتاریں پھر السلام علیک کہہ کر اس کے برابر بیٹھ گئے اور کہا کیوں ہشام تیرا مزاج کیسا ہے؟ ہشام کو سخت غصہ آیا اور کہا کہ یہ کیا گستاخانہ حرکتیں ہیں؟۔نہ مجھ کو امیر المؤمنین کہہ کر خطاب کیا، نہ کنیت کے ساتھ نام لیا اور نہ ہی میرے ہاتھ چومے۔طاؤس یمانی نے کہا: ہاتھ تو میں نے اس لیے نہیں چومے کیوں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے سنا ہے کہ صرف دو شخصوں کا ہاتھ چومنا جائز ہے، بیوی کا یا پھر بچے کا، امیر المؤمنین کا لفظ اس لیے نہیں استعمال کیا کہ تمام مسلمان تجھ کو امیر المؤمنین نہیں سمجھتے ہیں۔اس لیے میں اگر یہ لقب استعمال کرتا تو جھوٹا ہوتا۔کنیت کی یہ کیفیت ہے کہ قرآن مجید میں خدا نے انبیاء اور اولیاء کے نام بغیر کنیت کے لیے ہیں، مثلاً داؤد، سلیمان، عیسیٰ، موسیٰ (علیہم السلام) اور کافروں کو کنیت کے ساتھ خطاب کیا ہے، مثلاً ابولہب، ہشام متاثر ہوا اور کہا کہ مجھ کو نصیحت کرو۔ طاؤس یمانی نے کہا کہ میں نے حضرت علی سے سنا ہے کہ'' دوزخ میں بڑے بڑے سانپ اور بچھو ہوں گے جو ان سلاطین کو کاٹیں گے اور ڈنک ماریں گے جو رعایا پر ظلم کرتے ہیں طاؤس یمانی یہ کہہ کر اٹھے اور چلے گئے''

(الغزالی ص ۲۰۰)

باب چهارم

صوفیائے کرام اور خدمتِ خلق

تصوف اور بین المذاہب مذاکرہ۔عصری معنویت

اسلام صرف ظاہری اعمال کو کہتے ہیں ایمان ظاہری اور باطنی دونوں کا سرچشمہ ہوتا ہے، مگر احسان ظاہر و باطن کی حقیقت کو کہتے ہیں۔ جن بندگان حق نے اس کڑی کمان کوزہ کیا اور مسلسل مجاہدہ وریاضت کے ذریعہ ایمان وعمل میں نکھار پیدا کرنے کی کوشس کی انھیں کوصوفیا کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

رضی الله تعالیٰ عنهم ورضوا عنه ذالك لمن خشی ربه

(اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی یہ اس کے لئے جو اپنے رب سے ڈرے)

اس تصوف میں رب کی معرفت ہی غرض وغایت ہے اور جب اس کا یہی مقصد ہے تو کون ایسا دھرم ہوگا جس میں اس کی تعلیم نہ دی گئی ہو۔ اسی لئے صوفیائے کرام کے دربار میں جو بھی آیا ان صوفیا نے اس کا رشتہ اس کے رب سے استوار کرنے کی کوشش کی۔ اسی طرح ہر مذاہب کے اندر روحانیت پائی جاتی ہے اور یہی وہ طریقہ کار ہے جس کی بنیاد پر نسل انسانیت کو جوڑنے میں مدد ملتی ہے۔ وگرنہ شریعت کے پیش نظر ایک مذہب کا دوسرے مذہب سے قرب ممکن نہیں کیوں کہ وہاں جائز وناجائز حلال وحرام اور کفر وشرک کا مسئلہ درپیش آجاتا ہے۔ یہاں یہ مقصد ہرگز نہیں کہ صوفیا کے یہاں شریعت کی کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ تصوف کی بنیاد ہی شریعت پر ہے۔ لیکن شریعت کی بہ نسبت اخلاقیات جس میں انسانوں کو انسانوں سے پیار ومحبت کا درس دیا جاتا ہے صوفیا کے یہاں یہ عمل غالب ہے اور یہی پیار ومحبت کا وہ جذبہ ہے جس کے ستون پر تصوف قائم ہے اگر یہی چیز اس میں سے نکال دی جائے تو صوفیا کے یہاں نہ بھیڑ دیکھنے کو ملے گی اور نہ ہی کوئی ان کا پتا دریافت

کرے گا۔ اس کی واضح مثال وہ واقعہ ہے جو خانقاہ کی قیام کے وقت درپیش آیا تھا مولانا جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں۔

ایک دن ایک امیر جو آتش پرست تھا شکار کے لیے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ راستے میں اس نے دیکھا کہ دو شخص ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور اسی جگہ بیٹھ گئے اور کھانے پینے کی جو چیزیں زادراہ کی شکل میں ان کے پاس تھیں اسے انھوں نے نکالا اور باہم کھانے لگے کھانے سے فراغت کے بعد پھر وہ اپنے اپنے راستے پر روانہ ہو گئے۔ امیر کو ان کا یہ باہمی خلوص اور دوستانہ رویہ بہت پسند آیا۔ اس نے ان میں سے ایک مسافر سے دریافت کیا کہ تمہارا دوسرا ساتھی کون ہے؟

اس نے کہا مجھے نہیں معلوم؟ پھر اس نے دریافت کیا کہ تمھیں اس سے کچھ کام تھا؟

امیر نے کہا نہیں میں نے یوں ہی دریافت کیا۔

پھر امیر نے پوچھا کہ وہ کدھر سے آیا تھا؟

اس نے جواب دیا مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں سے آیا تھا؟

امیر نے فرمایا کہ پھر تمھارے درمیان یہ محبت وخلوص کیسا؟

اس مسافر درویش نے کہا کہ ہم لوگوں کی روش اور طریقہ یہی ہے۔

امیر نے دریافت کیا کہ کہیں تمھارا ٹھکانہ بھی ہے جہاں تم لوگ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہو؟

درویش مسافر نے جواب دیا کہ ہمارے پاس ایسی کوئی جگہ نہیں۔

امیر نے کہا کہ میں تمھارے لئے ایک مکان تعمیر کرائے دیتا ہوں جہاں تم سب لوگ جمع ہوسکو۔

اس کے بعد اس امیر نے ایک مکان (خانقاہ) رملہ میں تعمیر کرادیا''۔

(نفحات الانس مترجم ص ۷۷ ادہلی)

پھر اس طرح عالم اسلام میں خانقاہوں کا چلن ہو گیا جہاں ہر طرح انسانوں کا مداوا ہوتا تھا۔ بلا تفریق مذہب وملت جہاں لوگ اکٹھا ہو کر اطمینان قلب وسکون دل حاصل

کرتے تھے ایسے خانقاہوں کی تعداد دنیا بھر میں شمار سے بالا تر تھی اور ہے صرف دہلی میں تغلق کے عہد حکومت میں دو ہزار خانقاہیں تھیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

''صوفیہ کے مراکز مختلف نوعیت کے تھے خانقاہیں، جماعت خانے، زاوئے، دائرے، سب میں تھوڑا تنظیم اور ماحول کا فرق ہوتا تھا۔صوفیہ کے ان مراکز میں چھوٹے بڑے امیر وغریب ہندو ومسلمان مرد وعورت سبھی حاضر ہوتے تھے۔ اکثر گفتگو ہندوی میں ہوتی تھی۔ بیشتر مشائخ دربار سے دور رہتے اور درباداری کی سعادت کو روحانی سعادت کے منافی سمجھتے تھے۔ (دلی تاریخ کے آئینے میں ص۴۴ دہلی ۱۹۸۹ء)

اور یہ طریقہ کوئی نیا نہیں بلکہ زمانہ رسول ﷺ سے جاری وساری ہے۔ اگر مدینۃ الرسول میں کوئی شخص آتا تھا اور اس کا کوئی شنا سا اس شہر میں نہیں ہوتا تھا تو وہ صفہ چلا جاتا تھا جہاں اس کے بود وباش کے ساتھ قیام وطعام کا بھی انتظام ہو جایا کرتا تھا۔ اس میں کوئی ذات ومذہب کی تخصیص نہ ہوتی تھی۔ حضرت ابوزرعہ نے اپنے مشائخ کی اسناد سے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے انھوں نے فرمایا:

''جب کوئی شخص مدینۃ الرسول میں باہر سے آتا اور اس کا یہاں کوئی شناسا ہوتا تو وہ اس کے یہاں قیام کرتا اور اگر کسی سے کوئی جان پہچان نہ ہوتی تو وہ صفہ پر آجاتا اور یہاں قیام کرتا۔ میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جنھوں نے اہل صفہ کے ساتھ قیام کیا (یعنی مجھے بھی اہل صفہ کے ساتھ قیام کرنے کا اتفاق ہوا ہے)''۔

ان خانقاہوں میں قیام کرنے کے باعث اس درجہ انسانوں کے درمیان باہم پیار ومحبت اور الفت وچاہت ہو جاتی جس سے پھر ایک کی دوسرے سے جدائی مشکل ہو جایا کرتی تھی حضرت خواجہ عطار کا بیان ہے کہ:

''وہ اپنی خانقاہ کا دروازہ عموما بند رکھا کرتے تھے جب کوئی آتا تو پوچھتے کہ مسافر ہو یا مقیم پھر فرماتے اگر مقیم ہو تو اس خانقاہ میں آجاؤ اگر مسافر ہو

تو یہ خانقاہ تمھاری جگہ نہیں کیوں کہ تم جب یہاں چند روز رہو گے تو مجھے تم
سے انس ہو جائے گا اور پھر جب تم جانا چاہو گے تو مجھے تمھارے جانے
سے تکلیف ہوگی اور مجھ میں فراق کی طاقت نہیں''۔
(حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی احوال وآثار ص ۵۳ حمید اللہ ہاشمی لاہور
۲۰۰۰ء)

بندگان الٰہی کے دلوں سے نفرت نکالنے اور اس میں محبت کی بیج ڈالنے کا کام ارباب تصوف نے کیا ہے۔آج تمام مذاہب کے ماننے والوں میں اگر یہی جذبہ جو ارباب تصوف میں ہوتا ہے بیدار ہو جائے تو ہر طرح کا شر و فساد سماج سے دور ہو جائے گا اور امن و بھائی چارہ کی فضا ہموار ہوگی۔اس طریقہ کار سے مکالمہ بین المذاہب کی ضرورت ہی شاید پیش نہ آئے گی۔ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کسی نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں قینچی پیش کی تو انھوں نے فرمایا کہ اس کی جگہ پر مجھے سوئی دھاگہ دو کیوں کہ میں کاٹنے کے لیے نہیں بلکہ دلوں کو جوڑنے کے لیے آیا ہوں۔یہ بات اس روحانی مشن کا خلاصہ ہے جس میں صلح وآشتی کا مرہم دلوں کو جوڑنے میں نہ صرف اہمیت رکھتا ہے بلکہ کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔

روایتوں میں ملتا ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ بہت خوش تھے تو آپ نے اپنی زوجہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا آج میں بہت خوش ہوں جو چاہتی ہو طلب کرو سب کچھ مل جائے گا۔حضرت عائشہ مسرت و شادمانی میں ڈوبی ہوئی اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئیں اور ان سے پورا ماجرا کہہ سنایا تو حضرت ابوکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ جاکر نبی سے کہو کہ مجھے کوئی چیز نہیں چاہئے،صرف اتنا بتا دیجئے کہ جب آپ معراج میں تشریف لے گیے تھے تو اللہ تعالیٰ سے جو راز و نیاز کی باتیں ہوئی تھیں اس میں صرف ایک بات بتا دیجئے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان تمام باتوں میں سے ایک بات یہ تھی کہ جو شخص دنیا میں بندگان الٰہی کے دلوں کو جوڑنے کا کام کرے گا میں اسے بلا حساب و کتاب جنت میں داخل

کرنے کی بارگاہ رب العزت میں سفارش کروں گا۔ چوں کہ صوفیا بلا تفریق مذہب وملت یہی کام کرتے ہیں اس لیے ان کے یہاں ہر مذہب کے ماننے والوں کی ہمیشہ بھیڑ لگی رہتی ہے۔

موجودہ سماج میں جو بین المذاہب مذاکرہ کی بات کبھی کبھی اٹھتی ہے۔ تو یہ واضح رہے کہ شریعت میں تو کہیں سمجھوتہ ممکن نہیں اگر کہیں کسی مذہب میں ایک دوسرے کے تئیں نرم گوشہ ہمیں ملتا ہے تو تصوف ہی ہے جہاں صوفیائے کرام کا دامن تمام بندگان حق کے لیے ہمیشہ وسیع اور کشادہ رہا ہے اور انھوں نے دل کھول کر انسانیت کے ہر طبقہ کی نہ صرف مدد کی بلکہ بغیر کسی بھید بھاؤ کے وہ سب کچھ ان کے ساتھ کیا جس کے وہ مستحق تھے۔ جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کا نفلی روزہ تھا ایک ہندو عورت ان کے پاس اپنے بھینس کا پہلا دودھ لے کر خوشی خوشی گئی کہ بابا پئیں گے دعائیں دیں گے تو اس سے میرا بھلا ہوگا۔ جب حضرت نظام الدین اولیاء کے پاس وہ دودھ لے کر پہنچی تو حضرت نظام الدین اولیاء نے یہ کہہ کر منع نہیں فرمایا کہ میرا روزہ ہے بلکہ اس ہندو عورت کا دل رکھنے کے لئے انھوں نے اپنا نفلی روزہ توڑ دیا اور اس کے سامنے دودھ پی لیا اگر وہ انکار فرمادیتے جب کہ روزہ کا معقول بہانہ بھی تھا مگر انھوں نے ایسا نہ کیا کیوں کہ اس عمل سے اس عورت کے دل کو ٹھیس پہنچ سکتی تھی اور کسی کے دل کو ٹھیس پہنچانا کارانسانیت نہیں بلکہ اس دل کو خوش کرنا ہی اصل انسانیت ہے۔ جیسا کہ مشائخ کرام نے فرمایا ہے ''دل بدست آور کہ حج اکبر است'' کسی کا دل رکھنے سے حج کا نہیں بلکہ حج اکبر کا ثواب ملتا ہے۔

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ہزروں سالوں سے برصغیر میں ہندو اور مسلم قومیں ایک ساتھ رہنے کے باوجود ابھی بھی دونوں کے ذہنوں سے کدورتیں دور نہیں ہوئی ہیں۔ دونوں ہی انتہائی غلط فہمیوں کے شکار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے کبھی ایک دوسرے کو حقیقی تناظر میں دیکھنے کی کوشش نہیں کی اگر کہیں اکاّ دکاّ مفاہمت بین المذاہب کی کوشش کی گئی تو چوں کہ طریقہ کار غیر مناسب تھا۔ اس لئے نفع بخش اثرات ثابت نہیں ہوئے۔ کیوں کہ اس مفاہمت سے ہماری وہ قدریں مجروح ہورہی تھیں جس

سے شریعت پر ضرب پڑ رہا تھا اور یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ شریعت کے تحفظ کے ساتھ ان تمام امور میں مفاہمت ممکن ہے جس کا تعلق اخلاقی اقدار اور احترام انسانیت سے ہے۔ آج کے سماج میں جس کی اشد ضرورت ہے۔ ہمارے اکابر نے اس سلسلے میں پہل ضرور کی تھی مگر اس وقت تقاضے کچھ اور تھے جس میں وہ کامیاب رہے اگر ہم مغل سلطنت بطور خاص اکبر اعظم کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ایسی کئی چیزیں ہمیں مل جائیں گی جس سے واضح طور پر پتا چلتا ہے کہ انھوں نے کس طرح ہندو قوموں سے مل کر سماجی معاملات میں یکسانیت پیدا کی تھی ساتھ ہی انھوں نے ان کی رضا جوئی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بہت سے ایسے مذہبی اصول وکلیات بھی بدل ڈالے جس کے باعث مذہبی طبقہ میں انھیں رسوائی ہوئی کٹر پنتھی ہندو ہر دور میں رہے ہیں جب جب ایسی کوششیں ہوئی تو وہ حد فاصل کی طرح سامنے آ گئے ۔لیکن صوفیا کی زندگی اور ان کے معمولات نے ہمیشہ ہندوؤں کو نہیں تمام غیر مسلموں کو رشتہ انسانیت میں جوڑ کر رکھا۔ یہی وجہ ہے ان کے دربار میں ہر طبقہ اور ہر مذہب کے لوگ اپنا دامن پسارے نظر آتے ہیں، بلکہ بعض درگاہیں تو ایسی ہیں جہاں مکمل طور پر ہنود ہی کا قبضہ ہے اور بعض درگاہوں کے سکھ حضرات منتظم کار ہیں۔ اگر صرف اور صرف انھیں کے مشن کو سامنے رکھ کر بین المذاہب مذاکرہ کا سلسلہ دراز کیا جائے تو ملک وملت دونوں کے حق میں بہتر ہوگا کیوں کہ ان کے یہاں ایسی کوئی بات نہیں پائی جاتی ہے جس سے کسی کی دل شکنی ہو۔ لہذا ان کی زندگی کے پیش نظر بین المذاہب مذاکرہ کا تصور نہ یہ کہ صرف مفید ہے بلکہ دور حاضر میں اس کی شدید ضرورت بھی ہے۔

صوفیائے کرام نے اپنی پوری زندگی میں اخلاقی قدریں پیش کی ہیں جن سے ہندو مسلم کا یکساں رشتہ رہا ہے ۔لیکن یہ بات یاد رہے کہ بین المذاہب مذاکرہ میں کچھ چھوٹی بڑی روکاوٹیں ایسی ہیں جن میں بعض کا تعلق ہماری فکر اور بعض کا تعلق ہمارے عمل سے ہے جب تک ان دونوں طرح کی رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے گی مذاکرہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا ہے ان دنوں کے درمیان نہ جانے کیسی کیسی غلط فہمیاں ہیں جس کا تعلق حقائق سے بالکل نہیں ہوتا مگر ہر قوم کے لوگوں نے اسی کو اس مذہب کا اصول سمجھ کر

ذہن ودماغ میں منقش کر رکھا ہے ۔جس کے باعث بین المذاہب مذاکرہ کی کوئی کوشش کامیاب ہوتی نظر نہیں آتی ہے۔حاصل کلام یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں کو اس احساس کے ساتھ مذاکرہ کی سمت میں آگے بڑھنے کی ضرورت ہے کہ یہ دونوں فرقہ باہم فریق نہیں بلکہ الخلق عیال الله کے تحت ایک ہی خدا کے بندے ہیں۔اور ہم سب کا خدا ایک اور ہم سب کا نبی بھی ایک ہے اور قرآن مقدس وہ واحد کتاب ہے جو پوری نسل انیت کے لیے رہنما بنا کر اتاری گئی ہے۔ان حقائق کے تناظر میں اگر تصوف کو پیش نظر رکھ کر باہم دوستی کا ہاتھ بڑھائیں تو ہمارے خیال سے یہ ان قوموں کے لئے بھی قابل قبول ہوگا جو ہمیں کسی طرح سماج میں برداشت کرنے کے لیے روادار نہیں ہیں۔مگر یہ سب کیسے ہوگا مل بیٹھ کر اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کرنے ضرورت ہے۔اگر ہم نے اس سے غفلت برتی تو ہماری آنے والی نسلی نسلوں کا مستقبل مخدوش ہوگا جس کے ہم خود جواب دہ ہوں گے۔

ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ اسی جذبہ کے تحت ہم غیر مسلموں کے تہواروں میں شریک ہوکر ان کی خوشیوں میں اضافہ کرتے ہیں اور ان کے غم میں شریک ہوکر ان کے غم کو غلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔تاریخ اسلام میں ایسے کئی ایک واقعات ملتے ہیں جس سے پتا چلتا ہے خود نبی اکرم ﷺ نے کس طرح غیر مسلموں کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کیا اور ان کے ساتھ اخلاق حسنہ پیش کیا جس کے سبب اسلام کو فروغ دینے میں کامیابی ملی،حضرت نظام الدین اولیاء کے یہاں بسنت بھی کچھ اسی تصور کا حامل تیوہار ہے۔جسے اس درگاہ میں آج بھی بڑی دھوم دھام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔جس کی تاریخ کچھ اس طرح بیان کی جاتی ہے۔

> ''حضرت نظام الدین اولیاء کے محبوب بھانجہ مولانا تقی الدین نوح کا عین شباب میں انتقال ہوگیا۔حضرت خواجہ صاحب کو اس سے بڑا صدمہ پہنچا۔۔اس کی وجہ سے حضرت امیر خسرو بھی بہت مغموم رہتے تھے۔۔۔ہندو دہلی میں کالکا جی مندر پر سرسوں کے پھول چڑھا رہے تھے اور مست ہو کر ترانے الاپ رہے تھے۔خسرو بھی اس کو دیکھ کر بےخود ہوگئے،فارسی اور

ہندی کے چند اشعار اسی وقت موزوں کیے۔ سرسوں کے پھول توڑے ۔۔۔اور جھومتے جھامتے اشعار پڑھتے حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو اس وقت اپنے بھانجہ کے مزار پر تھے۔ امیر خسرو کی مستانہ ادا دیکھ کر اور ان کے اشعار سن کر تبسم فرمایا۔۔۔اسی روز سے جب ہندو کالکاجی کے مندر جاتے تو دہلی اور قرب وجوار کے صوفیا قوالوں کو لے کر اور سرسوں کے پھول ہاتھوں میں لیے اشعار پڑھواتے ہوئے مولانا تقی الدین کے مزار پر جاتے، پھر وہاں سے حضرت خواجہ کے مزار پر آتے''۔
(ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے، صباح الدین عبدالرحمان ص ۴۷۸)

رفتہ رفتہ دہلی کی درگاہوں پر پندرہ دنوں تک بسنت کا میلہ لگا رہنے لگا۔ پھر مسلمان بھی بسنت منانے لگے، مسلمان عورتیں بسنتی لباس پہن کر بسنت کے گیت گانے لگیں۔ شمالی ہندوستان کے مسلمان بھی بسنت کا تہوار دھوم دھام سے مناتے تھے۔ لیکن شریعت پسند صوفیا کے یہاں (جن میں حضرت نظام الدین اولیاء بھی شامل ہیں) ہولی، دیلوی، دسہرہ جیسے تہواروں میں شرکت وتعامل کی مثالیں عموماً نہیں ملتیں۔

تہذیبی اور سماجی معاشرت میں ہندوستان کے بعض علاقوں میں حد درجہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ قیام وطعام بود و باش میں بھی ہم میں اور دیگر برادران وطن میں کوئی زیادہ فرق نہیں۔ اور اسے ہم کیوں بھول جاتے ہیں کہ ایک وقت ہندوستان کی تاریخ میں ایسا گذر چکا ہے کہ ہنود اور مسلم قوموں میں باہم متحد تھے جب تک انھوں نے مسلمانوں کو حملہ آور سمجھا جب تک وہ مسلمانوں سے دور رہے اور جب یہ سلسلہ ختم ہوا اور ایک سماج میں ایک دوسرے کے پڑوسی بن کر رہنے لگے تو ان میں اتحاد واتفاق کی فضا ہموار ہوئی۔ ڈاکٹر تاراچند نے لکھا ہے۔

''جب فتح یابی کا پہلا طوفان تھم گیا اور ہندو اور مسلمان ایک پڑوسی کی طرح رہنے سہنے لگے تو بہت دنوں تک ایک ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے انھوں نے ایک دوسرے کے خیالات، عادات واطوار رسم ورواج کو سمجھنے کی کوشش کی

اور بہت جلد ان دونوں قوموں میں اتحاد ہو گیا۔

(انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر ص ۱۳۷)

اس تناظر میں مسلم عقائد اور ثقافت کے جو اثرات ہندوؤں پر مرتب ہوئے اسے ''بھکتی تحریک'' کی شکل میں اور مسلمانوں پر ہندو معاشرت کے پڑنے والے اثرات کو صوفیا کے افکار و اعمال میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف مسلم حکمرانوں نے ہندوؤں کے دلوں کو جیتنے کے لیے آخری حد تک رواداری اور تالیف قلب سے کام لیا اور دوسری طرف صوفیائے کرام نے وسیع المشربی اور انسانیت دوستی کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ کر کے ہندوؤں کے دلوں سے اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے وحشت کو ختم کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ اس طرح دونوں قوموں کے درمیان زیادہ سے زیادہ ثقافتی تعامل کی راہیں ہموار ہوئیں۔ اگر اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ایسی کئی ایک مثالیں ہمیں مل جائیں گی جہاں سے ہمیں ہندو و مسلم اتحاد کا خواہ وہ کسی نہج کا ہو صراحت مل جائے گی۔ جس کی روشنی میں عہد حاضر میں بھی اس اتحاد کا تانا بانا درست کیا جا سکتا ہے۔ اور خاص طور سے تکثیری معاشرہ میں اس کی افادیت دو چند ہو جاتی ہے جہاں قسم قسم کے نظریات کے حامل لوگ ہوں۔ اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام کی پہلی ریاست کی تشکیل میں تہذیبی تعدد، تکثیریت اور بقائے باہم کو بنیادی اصول کے طور پر قائم کیا گیا تھا۔ میثاق مدینہ اس اسلامی ریاست اور اسلامی تاریخ کا پہلا تحریری معاہدہ یا دستور تھا اور اس دستور میں اسلام کے تکثیری اصول اور نظریہ کو عملی شکل میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کے مطابق مدینہ کے تمام مسلم و غیر مسلم شہریوں کو جو اس معاہدے کے پابند تھے یکساں حقوق حاصل تھے۔

جب اس طرح کی بنیادیں اسلامی تاریخ میں پائی جاتی ہیں تو ہمیں بین المذاہب مذاکرہ کے ذریعہ تمام نسل انسانیت کو تصوف کے سائبان کے تحت یکجا کیا جا سکتا ہے جیسا کہ ان کے کردار و عمل سے ثابت ہے۔

صوفی ،سنت اور قومی یکجہتی

آفتاب رسالت کی بے شمار کرنوں میں سے دو ممتاز درخشندہ کرنیں علماء اور صوفیاء ہیں ۔علماء علم ظاہر کے معلم اور شریعت کے مبلغ ہوتے ہیں، جب کہ صوفیا علم باطن کے عامل اور طریقت کے رہنما ہیں، علماء شرعی دلیلوں سے احکام شرع کی تعلیم دیتے ہیں اور صوفیائے کرام فیض باطن سے قلب کے تزکیہ کے بعد حقیقت شرع سے آگاہ کرتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں اس کی صراحت اس طرح ملتی ہے۔

> ''طریقت وحقیقت کہ باں صوفیاء ممتاز گشتہ ہر دو خادم شریعت اند پس مقصود از تحصیل آں ہر دو شریعت است نہ امر دیگر''۔
>
> (معمولات الابرار: عبد المصطفیٰ اعظمی ص ۱۲۱ الہ آباد ۱۹۷۷ء)
>
> (طریقت وحقیقت جس میں صوفیاء کو امتیاز حاصل ہے دونوں شریعت کے خادم ہیں لہٰذا ان دونوں کے حاصل کرنے سے شریعت ہی کی تکمیل مقصود ہے اور کوئی دوسری چیز نہیں)

طریقت وحقیقت کی تعلیم ایک عرصہ سے جاری ہے دنیائے رنگ وبو میں صوفی کا وجود حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے جڑا ہوا ہے، حضرت آدم علیہ السلام پہلے صوفی ہیں، جو دنیا میں تشریف لائے اس کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت شیث علیہ السلام کو صوفی کے لقب سے نوازا گیا، مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ملفوظات میں ہے'' اول صوفی در عالم پیغامبر علیہ السلام بودہ است''۔(مخدوم جہاں دہلی اکتوبر ۱۹۸۸ ص ۱۷) اسی مکتوب میں دوسری جگہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام

کے بعد حضرت شیث علیہ السلام کو صوفی کہا گیا اصل عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔

''منقول ہے کہ جناب آدم علیہ السلام کو جو اولاد پیدا ہوئی اسے کسی نہ کسی پیشہ یا کام میں لگا دیتے جتنے فرزند پیدا ہوئے انھیں ان کے مزاج کے مطابق کام میں لگا دیا جب حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو انھیں ابتدا ہی سے خلوت نشینی محبوب تھی لہٰذا حضرت آدم علیہ الاسلام سوچ میں پڑ گئے کہ آخر ان کی طبیعت کے مطابق کون سا کام ہے جس میں ان کو لگایا جائے اسی فکر میں تھے کہ جبرئیل آئے اور کہا ''الشیث صوفی'' شیث صوفی ہیں''۔

(مخدوم جہاں اکتوبر دہلی ۱۹۸۸ء ص ۱۷)

زمانہ نبوت اور اس کے بعد کے ادوار میں صوفیا کی مقدس جماعت رہی مگر اس دور میں علامہ ابوالقاسم القشیر ی کے قول کے مطابق اس کے مفہوم میں کافی وسعت ہوگئی تھی۔ وہ لکھتے ہیں۔

" هذه التسمية غلبت علىٰ هذه الطائفة فقال الرجل " صوفى " وللجماعة " صوفية " ومن يتوصل الىٰ ذٰلك يقال له " متصوف " وللجماعة " متوصفه "

(معمولات الابرار: ص ۱۹)

(یہ نام صوفی اس جماعت مشائخ کے لیے کثیر الاستعمال ہو گیا چنانچہ ایک شخص کو صوفی کہا جانے لگا اور پوری جماعت صوفیہ کہلانے لگی، اور جو ان لوگوں تک رسائی حاصل کرنے لگے، اور ایک شخص ہو تو متصوف اور پوری جماعت کو متصوفہ کہا جانے لگا)

مذکورہ بالا عبارت کے علاوہ لفظ صوفی کی ابتدا اور آغاز کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، مگر حقیقت یہی ہے کہ صوفیا کی جماعت ہر دور میں رہی اور ان کی تعلیمات تمام اقوام عالم کے لیے ہمیشہ سے عام رہی۔ صاحب ''قُوت القلوب'' نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

''زمانہ کے جلیل القدر علما وفقہا اور صوفیا کی تعلیم سے بہرہ ور ہوتے ہیں امام شافعی علیہ الرحمہ کے جلالت علمی کا اعتراف کسے نہیں مگر جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش آتا تو امام شافعی حضرت شیبان راعی جو وقت کے معزز ترین صوفی تھے ان کی بارگاہ میں حاضر ہوکر مسئلہ کا حل ڈھونڈ ھتے''۔

(معمولات الابرار ص۲۲)

اسی طرح ہر زمانہ میں صوفیا کا دربار مشکلات میں الجھنے والوں کے لیے مشکل کشا رہا ہے، ''حیات القلوب'' کے مصنف نے ایسے صوفیا کی ایک مختصر فہرست دی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی تعلیمات ہر صدی ہر قرن کے لیے مشعل راہ رہی ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ زمانہ صحابہ میں خلفائے راشدین کے علاوہ، حضرت ابو درداء، حضرت عکاشہ، حضرت سلمان فارسی، وغیرھم دور تابعین میں امام زین العابدین، حضرت امام باقر، حضرت امام جعفر صادق، حضرت خواجہ حسن بصری، اور حضرت محمد بن سیرین، وغیرھم اور دور تبع تابعین میں حضرت واحد بن زید، حضرت فضیل بن عیاض، حضرت ابراہیم بن ادھم، حضرت داؤد طائی، اور حضرت جنید بغدادی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے علاوہ تینوں ادوار میں ایسے لوگ تھے جن کی تعداد بیان سے باہر ہے۔

ہندوستان ہر دور میں صوفی سنتوں کا ملک رہا ہے، یہاں صوفیا کے علاوہ سنت بھی کثیر تعداد میں ہر دور میں پائے جاتے رہے ہیں، ان لوگوں کی عبادت کا طریقہ ہمیشہ یہی رہا ہے کہ وہ اپنے پالنہار کی اس طرح پیروی اور عبادت کرتے ہیں کہ گویا ان کا پالنہار انھیں دیکھ رہا ہے، ہمیشہ ایک پالنہار کا خوف ان پر مسلط رہتا ہے، دنیا کی خرافات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، اپنے مذہب اور دھرم کی تعلیم ان کا شیوہ ہوتا ہے، مختصر طور پر یوں کہا جاسکتا ہے، کہ ہندو دھرم یا کسی مذہب کا ماننے والا انسان جو اپنے استاد یا گرو کی رہنمائی میں کچھ خاص اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے اپنی آتما یعنی روح کی پاکیزگی کے لیے بھکتی کی راہ پر چلتا ہوا اسے ''سنت'' کہتے ہیں ایسے سنتوں میں سنت کبیر، ملک محمد جائسی، علاء الدین، تلسی، داس کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ان کی تعلیمات میں جہاں مذاہب اور مذاہب کے خالق سے سچا

لگاؤ، اور تعلق خاطر کا ثبوت ملتا ہے وہیں آپسی میل ومحبت، اور بھائی چارہ کا درس بھی ملتا ہے، وہ ہندو نہ مسلمان، بلکہ سچا انسان بننے کی تعلیم دیتے تھے، شاید یہی وجہ ہے کہ ان سنتوں کا دربار ہمیشہ سب کے لیے کھلا رہتا ہے۔

ان صوفی سنتوں نے نبوی مشن پر عمل کرتے ہوئے دھرم اور مذہب کے قطع نظر ہر مذہب کے پرستاروں کو ظاہری صفائی وستھرائی کے ساتھ ساتھ نفس کے تزکیہ اور دل کی صفائی پر زور دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن لوگوں نے ان کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کیا اگر وہ گمراہ اور راہ ہدایت سے بھٹکے ہوئے تھے تو سب سچائی اور دیانتداری کے علمبر دار بن گئے، سماج سے نفرت اور چھوا چھوت کی بیماری ختم کر کے خوشی اور مسرت کے ساتھ مل جل کر رہنے لگے، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہو کر غم بٹانے کا ماحول بنا، جس سماج میں ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کے لیے دشمن جانی بنا ہوا تھا وہ سماج امن وشانتی کا گہوارہ بن گیا، جنگل میں شیر وبکری کے ایک ساتھ رہنے کی فضا ہموار ہوئی، پھر جب لوگوں نے ان پیروں اور فقیروں سے دوری اختیار کی اور نفسانی خواہشات میں گھر گئے وہیں سے ملک اور سماج دونوں کی تباہی کا سلسلہ شروع ہوا، آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان کا ہمہ دم خون کا پیاسا نظر آتا ہے، آئے دن اسی ملک میں تمام مذاہب کے لوگ آپس میں خون کی ہولی کھیلتے ہوئے نظر آتے ہیں، ہونہار بچوں کو یتیم کیا جاتا ہے، دوشیزاؤں کا سہاگ لوٹا جاتا ہے، اربوں کھربوں کی املاک چند گھنٹوں میں تباہ وبرباد ہو جاتی ہے، یہ سب کچھ اس ملک میں کیوں ہو رہا ہے، بڑی سنجیدگی سے ہم تمامی انسانوں کو ان امور پر مل بیٹھ کر غور کرنے ضرورت ہے۔ جن لوگوں نے ملک اور سماج میں پیار ومحبت کے بیج بوئے بھائی چارہ کی فضا قائم کی امن وشانتی کے ساتھ ایک مدت تک سانس لینے کا موقع فراہم کیا، ان کی ایک لمبی فہرست ہے اس میں ہر مذہب کے مذہبی رہنما شامل ہیں، آج اس تحریر میں انھیں مذہبی رہنماؤں کی تعلیمات کی روشنی میں کچھ ایسی باتیں قلم بند کی جا رہی ہیں جن سے سماج میں قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا ماحول پیدا ہو سکے۔

ان صوفیا اور سنتوں کی تعلیمات میں مذہبی تعصب یا باہمی منافرت کا دور دور تک

پتا نہیں، وہ لوگ آپس میں مل جل کر رہنے کی تعلیم دیتے تھے، ان کی تعلیمات میں خلق حسن، احسان، جود و کرم، ہمدردی، غمگساری، خیر اندیشی، منفعت رسانی، کا کام نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے، خواجہ نظام الدین اولیاء کی تعلیمات میں سے کسی انسان کو اذیت پہنچانا اللہ تعالیٰ جل مجدہ کو تکلیف پہنچانا ہے۔ چنانچہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ

''مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی جس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچاؤ''۔ (مخدوم جہاں ص ۳۵)

ان کی تعلیمات میں سے یہ بھی ہے کہ بدی کا بدلہ نیکی سے وہ دور فرماتے تھے کہ

اگر کوئی کانٹا رکھے اور اس کے بدلے میں تم بھی کانٹے رکھو تو راستے میں کانٹے ہی کانٹے جمع ہو جائیں گے''۔ (مخدوم جہاں ص ۳۵)

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی صبر و شکر کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ درویش کو صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے ،تم درویش ہو دوسرے ظلم کریں تو اسے معاف کر دیا کرو۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ فقر کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے" الصوفی غنی من الله 'صوفی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے غنی ہو، اس واسطے کہ اس کو دنیا کی طرف سے کوئی حاجت نہیں ہوتی، وہ صرف اور صرف خدا تعالیٰ سے طلب کرتا ہے اور غنی ہو جاتا ہے۔ (مخدوم جہاں ص ۲۱)

مختصر یہ کہ صوفیا کی تعلیمات بنی نوع انسان کی ہدایت و رہبری کے لیے شمع راہ ہیں، آج صحیح طریقہ سے اگر ان کی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو انسانوں کی آپسی خلیج ختم ہو سکتی ہے اور بھائی چارہ کا ماحول پیدا ہو سکتا ہے۔ صوفیا اور سنتوں کی تعلیمات میں سے سب سے اہم تعلیم جو نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے وہ قومی یکجہتی ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہو صوفی سنت کیوں نہ ہو قومی یکجہتی کی تعلیم سب کے یہاں پائی جاتی ہے۔

حضرت صوفی شاہ برکت اللہ مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شمار گیارہویں صدی ہجری کے اہم جلیل القدر صوفیا میں ہوتا ہے ولادت تو بلگرام میں ہوئی مگر وطن مارہرہ کو بنایا۔

پروفیسر سید محمد امین برکاتی سجادہ نشین خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ لکھتے ہیں۔

''انھوں نے ہی ہندو مسلم یکتا کی بنیاد رکھی اور انھوں نے اپنے آپ کو ہند و مسلم اتحاد کا پیامبر بنا کر پیش کیا اور اسی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھا''۔

(شاہ برکت اللہ حیات اور کارنامے ص۱۰۲ کانپور ۱۹۸۰ء)

شاہ برکت اللہ اپنی کتاب پیم پرکاش میں لکھتے ہیں۔

پیمی ہندو ترک موں ہر رنگ رہو سمائے

دیول اور میت موں دیپ ایک ہیں بھائے

(شاہ برکت اللہ حیات اور کارنامے ص۵۷)

شاہ برکت اللہ صاحب اس شعر میں کھلے لفظوں میں ہندو مسلم یکتا کی تعلیم دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہندو مسلم دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی قدرت کے جلوے، دونوں میں ملتے ہیں، مندر اور مسجد میں جلائے جانے والے چراغ ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے یہاں قومی یکجہتی کی تعلیم ملتی ہے۔ ان کے نزدیک ہندو مسلمان اگر دونوں دو قومیں ہیں جب اپنے مذہب، مسلک کے اعتبار سے جداگانہ درجہ رکھتے ہیں۔ مگر انھوں نے اسے مناسب سمجھ کر اپنے ۱۶۷ویں مکتوب میں لکھا ہے کہ:

''بداں وآگاہ باش کہ پرودرگار ما وشما بلکہ پرودگار عالمیاں چہ سمٰوات چہ ارضین وچہ علیین وچہ اسفلین یکے است''۔

(مکتوبات امام ربانی ص۱۲۷ استنبول ۱۹۷۷ء)

(ہمارا تمہارا ہی نہیں بلکہ آسمان وزمین اعلیٰ واسفل سب کا ایک ہی خالق ہے)

ان کی تعلیمات سے واضح ہے کہ جب ہم سب ایک ہی خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں تو پھر آپس میں بغض وعناد اور بھید بھاؤ کیسا؟ ہم سب کا خالق ایک ہے ہم سب کو ایک

اور متحد ہو کر رہنا چاہیے۔

قومی یکجہتی کے اس باب میں بھکتی تحریک کا ذکر بے حد ضروری ہے، کیوں کہ اس تحریک کا اساس ہی قومی یکجہتی پر ہے،اس کے بانی چتنینہ دیو تھے جن کا زمانہ (۱۵۲۲ء۔ ۱۴۸۴ء) ہے۔ یہ ایک سچے سنت تھے۔انھوں نے بنگال کے چشتی بزرگ حضرت نور قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روحانی تعلیمات سے استفادہ کیا ہے۔اس تحریک کے پیروکار ہندو مسلمان دونوں تھے۔انھوں نے ذات پات رنگ و نسل اور آپسی اختلافات کو دور کر کے بنگال کے لوگوں میں بیداری کی نئی لہر دوڑا دی،اور ساتھ ہی بھید بھاؤ اور باہمی بغض و عناد کا جنازہ ہی نکال دیا۔ (مخدوم جہاں ص ۳۴)

سکھ گروؤں کی تعلیمات کی اساس بھی قومی یکجہتی پر ہے انھوں نے جو صدائے روحانی بلند کی اس کی تہہ میں اسی یکجہتی کا وجدان و شعور کام کر رہا تھا۔سکھ مت کے بانی گرو نانک کا کہنا ہے کہ مذہب کا راز اسی طرح رہنے میں ہے، کہ دنیا تم پر غالب نہ آسکے۔

(گرونانک: ہربنس سنگھ ص ۱۱۸ پٹیالہ)

انھوں نے ایک زبردست مکاشفہ کے بعد پہلی مرتبہ زبان کھولی تو ان کے منھ سے جو الفاظ نکلے وہ یہ تھے۔

نہ کوئی ہندو ہے نہ مسلمان (گرونانک ص ۱۲۶)

ان کی مذہبی کتاب گرنتھ صاحب اخوت و مساوات اور قومی یکجہتی کا بہترین صحیفہ ہے، ہر مذہبی گرنتھ میں عموماً ایک ہی مذہب کے ہادیوں کا پیغام ہوتا ہے مگر گرنتھ صاحب سکھوں کے دس گروؤں کے علاوہ دیگر کئی فرقوں کے سادھوؤں سنتوں کے کلام اور ارشادات بھی شامل ہیں، آج بھی ان کے ہر روحانی دربار میں گروؤں کے بانی کے ساتھ شیخ فرید، کبیر، مدنا اور روی داس جیسے کئی سنتوں کے ارشادات سبھی بڑے احترام کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔گرونانک کی تعلیمات میں ہندو مسلم کی کوئی تمیز نہ تھی کیوں کہ ان کی بیشتر تعلیمات بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیمات سے مستفاد تھیں، چوں کہ ان کی تعلیمات پوری نسل انسانیت کے لیے تھیں اس لیے وہ آج بھی سب کے لیے قابل قبول

ہیں، گرونانک جی نے اپنی تعلیمات میں وحدت یعنی ایک خدا کے دھیان پر کافی زور دیا ہے ڈاکٹر سر محمد اقبال نے

''نانک نے جس زمیں پر وحدت کا گیت گایا''

میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے گرونانک جی جانتے تھے کہ اگر تمام ہندو مسلم سکھ عیسائی الغرض خدا کے تمام بندوں کو بلاتفریق مذہب وملت وحدت کا درس دے کر ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے میں کامیابی مل گئی تو پھر انسانیت کو پائیدار سر بلندی حاصل ہوگی کیوں کہ اپنے دل میں گرونانک جی جسے انسان سمجھتے تھے۔اس کا مقام فرشتوں سے بھی بلند تھا مگر افسوس آج کے انسانوں نے اپنے آپ کو اتنا گرادیا ہے کہ اس کے کرتوت سے انسان تو کیا شیطان بھی شرمندہ ہے بقول شاعر:

دور جدید میں جسے چاہو خریدلو انساں نے اپنے آپ کو اتنا گرادیا

حال کہ انسان کا مقام وہ تھا جس کی طرف مولانا الطاف حسین حالی نے ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

الطاف حسین حالی نے اپنے اس شعر میں جس انسان کو فرشتوں سے افضل قرار دیا ہے وہ آج کا بدکردار، متعصب، فرقہ پرست اور درندہ صفت انسان نہیں بلکہ اس سے مراد وہ انسان ہے جس کا خاکہ گرونانک جی کے ذہن ودماغ میں تھا، اس لیے گرونانک جی کی تعلیمات کی موجودہ زمانے میں بڑی اہمیت ہے۔

اگر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ سکھ دھرم کی بنیاد ہی دراصل مختلف فرقوں کے باہمی اتحاد کے پیش نظر رکھی ہے چنانچہ گروارجن سنگھ کو جب امرتسر کے گرودوارہ ''ہرمندر صاحب'' کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے کسی روحانی مہاتما کی ضرورت پڑی تو انھوں نے اس مبارک کام کے لیے ایک مشہور صوفی مسلمان ''پیر سائیں میاں میر'' سے درخواست کی، چنانچہ ہرمندر صاحب کا سنگ بنیاد حضرت میاں میر لاہوری ہی کے دست مبارک سے رکھا گیا۔ یہ مشہور مذہبی تیرتھ اگرچہ گرودوارہ تو سکھوں کا ہے لیکن نام ہری مندر صاحب سے گمان ہندوؤں

کے دھرم استھان کا ہوتا ہے۔ (ماہنامہ شاعر قومی یکجہتی نمبر جلد ۴۵ص ۱۰۲ بمبئی ۱۹۷۴ء)

کبیر داس (وفات ۱۵۱۵ء) ضلع بستی اتر پردیش میں مگھر کے رہنے والے تھے وہ ایک سنت اور صوفی منش انسان تھے قوم وملت سے ورے وہ انسانوں کے رہنما تھے ان کے دربار میں آج بھی اگر ایک طرف ہندو پوجا پاٹ کرتے ہیں تو دوسری طرف مسلمان جبین عقیدت جھکا کر خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

پوتھی پوتھی پڑھے جگ موا پنڈت نہ ہوئے کوئے
ڈھائی اچھر پریم کا پڑھے سو پنڈت ہوئے

(رسالہ مخدوم جہاں ص ۳۳)

کبیر داس کے اس دوہے میں قومی یکجہتی جس کا سارا دار ومدار آپسی تعلقات پر ہے نمایاں اور واضح ہے۔

رجب داس نے کہا کہ تمام مذاہب میں جو بات عام طور سے پائی جاتی ہے وہ سچائی ہے جو دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی وہ جھوٹ ہے۔

سب سانچ ملے سو سانچ ہے نہ ملے سو جھوٹ (شاعر قومی یکجہتی نمبر ص ۹۷)

سنت ملوک داس نے کہا ہے کہ میرے لیے جو غیر مرئی روحانیت ہے وہی اللہ ہے وہی برہم ہے وہی خالق ہے وہی خدا ہے مجھے تو فرق نظر نہیں آتا فرق تو مایا سے پیدا ہوتا ہے۔ رام میری جان ہیں رحمٰن میرے دین وایمان میں اب تو سارا فرق بھول گیا ہوں۔

الکھ اللہ برہم خالق خدا ہے ایک
میرے تو ابھید بھاؤ مایا متی کھوتی ہے
رام میرے پران رحمٰن میرے دین وایمان
بھول گیو بھیا سب لوگ لاج دھوتی ہے

(ماہنامہ شاعر قومی یکجہتی نمبر ص ۹۷)

مہاتما تلسی داس نے مذہب کی سیدھی سچی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ دوسرے کی بھلائی کے برابر دوسرا کوئی مذہب نہیں اور دوسروں کو تکلیف دینے کے برابر کوئی ذلیل کام نہیں۔

پر ہت سرس دھرم نہیں بھاتی پر پیڑ ا لم نہیں ر و ھما تی

(ماہنامہ شاعر قومی یکجہتی نمبر ص ۹۷)

اس طرح صوفیا اور سنتوں کی تعلیمات میں قومی یکجہتی کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے انھیں صوفی سنتوں میں سے گوالیار کے درویش محمد غوث شاہ گوالیاری بھی تھے ۔ ۹۳۶ھ میں جب بابر نے راجہ چندیری کو چندیری کے بدلے شمس آباد دینے کو کہا مگر جب اس نے انکار کر دیا اور معاملہ لڑائی تک پہنچ گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ چندیری ۹۳۶ھ میں فتح ہو گیا اس کے بعد بابر شیخ کھورن کو لے کر حضرت شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا وہاں سے واپسی میں کچھ ایام گذرنے کے بعد کسی موقع سے شیخ کھورن نے بابر کی خدمت میں ایک سیر انگور پیش کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بابر اس سے اتنا خوش ہوا کہ گوالیار شیخ کھورن کے سپرد کر دیا اور شہاب الدین خسرو اور شیخ محمد غوث درویش گوالیاری کو اس کا قلعہ دار منتخب کیا۔ (اخبار الجمال: شیخ راجی محمد ص ۲۵۸ مخطوطہ)

گوالیار کے دوسرے جلیل القدر صوفی حضرت شاہ خانون علیہ الرحمہ ہیں ان کی سال ولادت ۸۵۳ھ اور سنہ وفات ۹۴۰ھ ہے کل ۸۷ سال زندہ رہے۔ وہ شیخ اسمٰعیل کے خلیفہ ہیں اور خواجہ شیخ حسین ناگوری سے بھی خرقہ خلافت ملا تھا۔ اس طرح ان کا سلسلۂ صرف پانچ واسطوں سے سلطان التارکین شیخ صوفی حمید الدین ناگوری سے جا ملتا ہے جو اپنے زمانے کے انتہائی خدا رسیدہ بزرگ تھے۔

(غوث الابرار: غوث شطاری مانڈوی ص ۲۳۴ لاہور ۱۳۲۶ھ)

مذکورہ بالا ہر دو صوفیا کی تعلیمات میں قومی یکجہتی کو اہم مقام حاصل ہے اور آپسی میل ملاپ کا عنصر نمایاں ہے۔

صوفیا سنتوں کی تعلیمات سے مذاہب کے بنیادی جذبے میں کہیں فرقہ پرستی، اور مذہبی فرق کا احساس نہیں ابھرتا، ان کی تعلیمات میں لوگوں کو آپس میں مل جل کر رہنے صلح وآشتی اور محبت سے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور ایک دوسرے کے غم وخوشی کی محفلوں میں شریک ہونے کا پتا چلتا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی نے تو واضح طور پر

مذہب اسلام کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مذہب لوگوں میں جدائی نہیں بلکہ میل ملاپ پیدا کرنے آیا ہے۔

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

(ماہنامہ شاعر قومی یکجہتی نمبر ص ۹۳)

سنت دادو دیال نے ہندو مسلم اتحاد اور باہمی میل ملاپ کے بارے میں لکھا ہے

دونوں بھائی ہاتھ یک دونوں بھائی کان

دونوں بھائی نین ہیں ہندو ومسلمان

(ماہنامہ شاعر قومی یکجہتی نمبر ص ۱۱۰)

اس طرح صوفیا اور سنتوں کی تعلیم سے خلوص ومحبت رواداری اور وسیع المشر بی کا جذبہ ابھرتا ہے اور نفسانی خواہشات، کرودھ (غصہ) موہ (دنیوی دلبستگی) لوبھ (لالچ) اہنکار (تکبر) بددیانتی اور چور بازاری سے دوری اور بد سے بدترین شی تصور کرنے کا پتا چلتا ہے۔

جب قومی یکجہتی کا اس قدر اعلیٰ نمونہ صوفیا اور سنتوں نے پیش کیا ہے تو اس زمانے میں ہم لوگ ان کی تعلیمات، کو کیوں فراموش کرتے ہیں۔ صوفی اور سنت میں کسی کی تعلیم میں نہ تو بغض وعناد اور نہ ہی مذہبی تنفر کی بو آتی ہے، تو پھر اس زمانے میں آج کل ایک انسان دوسرے انسان کو اپنی خوراک بنانے پر کیوں تُلا ہوا ہے۔ وہ کون سے عناصر ہیں اور وہ کون سے اسباب ہیں؟ جس کی بنیاد پر ایک بھائی اپنے بھائی کو نگل لینے کی کوشش کرتا ہے، اس زمانے میں قومی یکجہتی کیوں نہیں؟ رنگ ونسل کا تفاوت کیسا؟ قبیلہ وخاندان میں جنگ وجدال کیوں؟ وحشت ودرندگی کیسی؟ یہ واضح رہے کہ یہ تمام چیزیں کسی ایک قوم کی میراث نہیں بلکہ معاملہ جانبین سے ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کسی طرف سے کم اور کسی طرف سے زیادہ؟ آج ہندوستان جیسے سیکولر حکومت کہا جاتا ہے قومی یکجہتی کے نام پر کتنے جلسے اور جلوس حکومت ہند کرواتی ہے، کتنے نعرے لگتے ہیں، کتنے پمفلٹ چھپتے ہیں، مگر آپ یقین جانئے کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں نفرت عناد اور بیگانگی کا جذبہ ہوتا ہے وہی لوگ اس میں پیش

پیش ہوتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قومی یکجہتی کا نعرہ کب سے لگایا جارہا ہے، اس سلسلے میں سرگرمیاں کب سے جاری ہیں، مگر ابھی تک اسے کامیابی نہیں مل سکی ہے۔

جب تک فسادات، نسل کشی، مذہب کی بیخ کنی، وحشت و بربریت کا اس ملک سے جنازہ نہیں نکلے گا، اکثریت والے اقلیت فرقہ کے لوگوں کو اپنا بھائی نہیں بنائیں گے، تو اس وقت تک قومی یکجہتی کا درخت نہیں پنپ سکتا ہے اور نہ ہی بارآور ہوسکتا ہے۔ قومی یکجہتی کے جو علمبردار اور دعویدار ہیں ان سے میری گذارش ہے کہ اگر وہ واقعی صوفیاء اور سنتوں کی تعلیم قومی یکجہتی دوبارہ اس وطن عزیز ہندوستان میں زندہ کرنا چاہتے ہیں تو مفکر اسلام علامہ ڈاکٹر اقبال کی نظم ''شوالہ'' کے چند بند ضرور پیش نظر رکھیں۔

آ غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقش دوئی مٹا دیں
سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آ! اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں
شکتی بھی شانتی بھی بھکتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

مراقبہ اور خدمت خلق

اسلامی نقطہٴ نظر سے

دنیا میں جتنے انسان بستے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ کچھ لوگ تو بالکل جانوروں اور چوپایوں کی طرح ہیں جن کا مقصد کھانے پینے اور بول و براز کے علاوہ کچھ نہیں۔

۲۔ کچھ لوگ فرشتوں کی طرح ہیں جن کا سارا زور عبادت اور اطاعت الٰہی پر صرف ہوتا ہے۔

۳۔ تیسرے لوگ انبیا کی مانند ہوتے ہیں جو عبادت اور اطاعت کے علاوہ مراقبہ کی فکر کرتے ہیں اور یاد الٰہی میں صبح و شام مستغرق رہتے ہیں۔

سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اس فرمان والا شان سے ظاہر ہے کہ جو انبیا صفت انسان ہیں وہی دراصل انسانیت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہیں کیوں کہ وہ قرب خداوندی کا حصول عام طریقہ عبادت سے نہیں بلکہ مراقبہ کے ذریعہ کرتے ہیں۔

مراقبہ کیا ہے؟ اس کے ذریعہ خدا کی یاد یا اس کا تصور کس طرح دل میں جمایا جاسکتا ہے ؟ پھر اس کے کس طرح نتائج برآمد ہوتے ہیں؟ اور پھر کن کن اشیا کا مراقبہ کیا جاسکتا ہے؟ یہ ایک تفصیلی بحث ہے جن کی تفصیل تصوف کی مستند کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ سر دست اس کے مبادیات پر میں تھوڑی گفتگو اس زاویہ سے کروں گا کہ اس اہم عبادت کو اختیار کرنے کے بعد بندہ کیا بالکل اپنے خالق کا ہو کر رہ جاتا ہے یا وہ مخلوق خدا

کے بھی کسی کام آ سکتا ہے۔ مگر یہ گفتگو شروع ہونے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مراقبہ ہے کیا؟

مراقبہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی اردو زبان میں نگہبانی کرنے اور خدا سے ڈرنے کے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں مراقبہ اپنے مثل وقدرت اور اپنے اوصاف واحوال سے منقطع ہو کر فیضان الٰہی کے منتظر ہونے اور حق جل مجدہ کے دریائے محبت میں ڈوب جانے کو کہتے ہیں۔ اس حسن عمل کا مکمل انحصار دل کے اوپر ہوتا ہے۔ جب دل خداوند قدوس کی طرف مائل ہوتا ہے تو جسم کے تمام اعضا و جوارح اپنے خالق کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ تمام اعضائے جسمانی کا شہنشاہ ہوتا ہے اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ ''جسے دماغ اچھا سمجھے اسے مت کرو بلکہ جسے دل اچھا کہے اسے کرو'' جب انسان کے دل و دماغ اور تمام اعضا و جوارح متوجہ الی اللہ ہو جاتے ہیں اور علائق دنیا سے اس کا دل آئینہ کی طرح صاف وشفاف ہو جاتا ہے تو پھر انوار الٰہی اور تجلیات ربانی کا فیضان بندہ پر جس طرح ہوتا ہے اس کا صحیح اندازہ اس وادی کا راہ رو ہی لگا سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب خود خالق اپنے کسی بندہ کا مراقب ونگہبان ہو تو پھر بندہ حسن ازلی سے اپنی توجہ کیوں کر دنیا کی طرف موڑے گا جس کا حسن زوال پذیر اور وقتی ہے۔

کتاب وسنت میں جہاں جہاں ذکر وفکر کا تذکرہ ملتا ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بقول وہاں فکر سے مراد مراقبہ اور گیان دھیان ہی ہے گویا کہ مراقبہ کا حکم تمام بندوں کے لیے ہے، اس میں کسی ادنیٰ اور اعلیٰ کی تمیز نہیں ہے۔ البتہ ان تمام چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے جو اس کے لیے لازم ہیں۔

مراقبہ میں مراقب کا نظر کسی ایک شئی پر جمانا ہوتا ہے اور یہ عمل اس وقت تک جاری رکھا جائے گا جب تک اس کا کسی قسم کا فائدہ نہ مرتب ہو جائے بظاہر یہ عمل بہت مشکل معلوم ہوتا ہے مگر خدا کے نیک بندوں کے لیے انتہائی سہل اور آسان ہے۔

بزرگوں نے کسی ایک شئی پر نظر جمانے کا طریقہ کہاں سے سیکھا اس سلسلے میں ابوالحسن نوری علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں حاضری دیجئے، ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ

مکان کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر اپنی تمام تر توجہ اپنے خالق کی طرف مبذول کر کے مراقبہ فرمارہے تھے۔ حضرت شبلی علیہ الرحمہ اسی وقت ان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جب مراقبہ سے فراغت ہوئی تو آپ نے پوچھا کہ مراقبہ کا یہ طریقہ کہاں سے سیکھا ہے تو حضرت ابوالحسن نوری نے جو جواب دیا وہ قابل توجہ ہے، فرماتے ہیں۔

''ہمارے یہاں ایک بلی تھی جب وہ شکار کرنا چاہتی تھی تو بلوں (سوراخوں) کے پاس گھات لگا کر بیٹھ جاتی اور اس قدر چپ سادھ لیتی کہ اس کے بدن سے کوئی بال کیا رونگٹا بھی نہیں حرکت کرتا، سو مراقبہ کا یہ طریقہ میں نے اسی بلی سے سیکھا ہے''۔

(انوارالعارفین: محمد عابد میاں: ص۴۲۵)

بندے کے دل میں یہ کیفیت پیدا کرنے کی شروعات حدیث نبوی کی روشنی میں اسی وقت سے ہو جاتی ہے جب بندہ شرائع اسلام کا مکلّف ہوتا ہے اور اہم العبادات نماز اس پر فرض ہو جاتی ہے، کامل طہارت حاصل کرنے کے بعد بندہ اپنے رب کی تسبیح وتہلیل کے لیے اپنے آپ کو رب کے حضور پیش کرتا ہے تو حدیث رسول مقبول ﷺ کی روشنی میں اسے جو پہلی ہدایت دی جاتی ہے وہ یہ ہے۔

''ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك''

جب عبادت کے لیے تم کھڑے ہو تو تمہارا تصور یہ ہونا چاہئے کہ تم اپنے خالق کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ ممکن نہ ہو سکے تو یہ تصور کرو کہ تمہارا رب تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ دونوں کیفیات انسانوں کے اندر ہی پائے جاتے ہیں جن لوگوں نے کثرت عبادت وریاضت کے ذریعہ اپنے سینہ بے کینہ کو انوار وتجلیات ربانی کا مدینہ بنالیا ہے۔ وہ انسانیت کے اس مقام پر فائز ہیں جہاں جلوۂ ربانی کا مشاہدہ جب اور جس وقت چاہیں بآسانی کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں اس بندے سے کسی گناہ کا سرزد ہونا ناممکن تو نہیں البتہ مشکل ضرور ہوتا ہے اور خدا کے وہ عام بندے جو انسانیت کے اس اعلیٰ منصب پر فائز نہیں لیکن اگر ان کے دل میں یہ تصور ہے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے تو وہ فقط اس تصور سے خوف الٰہی سے غلط باتوں سے

احتراز اور برائیوں سے اجتناب کریں گے۔لہٰذا یہ تصور جو خالق ومخلوق اور عابد و معبود کے درمیان رشتۂ عبودیت کو مستحکم کرتا ہے اسے ہر انسان کو کسی نہ کسی طرح دل میں بسانا ضروری ہے۔تاکہ انسان برائیوں سے بچتے ہوئے شرعی امور کی پابندی کر کے سنت مصطفیٰ پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہو کر اس مقام پر فائز ہو سکے جو انسانیت کا اعلیٰ درجہ ہے۔ درج بالا حدیث میں بندہ کی توجہ جس مراقبہ کی طرف دلائی گئی ہے اسے مراقبۂ شریعت کہا جاتا ہے۔

مراقبۂ طریقت کئی طرح کا ہوتا ہے آیات ربانی کے علاوہ ذات الٰہی اور صفات الٰہی کا بھی مراقبہ کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے لئے سالک کو بڑی کٹھنائیوں اور پُر پیچ وادیوں سے گذرنا ہوگا ایسے مراقبہ میں سالک کے دل کے اندر جتنے خطرات پیدا ہوں ان تمام کی نفی اور ساتھ ہی ذکر الٰہی کی بقا ضروری ہے، جس قدر ممکن ہو غیر اللہ سے اعراض کر کے متوجہ الی اللہ رہے، اس قسم کے مراقبہ میں دوران مراقبہ جو سالک کو خطرات لاحق ہوتے ہیں، اس کی تعبیر صاحب تعلیم غوثیہ نے کفر سے کی ہے اور اس سلسلے میں انھوں نے ایک طویل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

سالک یا طالب صادق جب معرفت ذات الٰہی کا مراقبہ کرتا ہے تو اسے کفر کی چار وادیوں سے گذرنا پڑتا ہے پھر کہیں جا کر اس کی رسائی ایک ایسی منزل تک ہوتی ہے جہاں اسے انکشاف حق کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔اس انکشاف کے بعد اسے تین کفر لاحق ہوتے ہیں۔کفر نفس، کفر قلب اور کفر روح اس پُر پیچ مسئلہ کی تفہیم کے لیے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس واقعہ کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے جو ان کے ساتھ پیش آیا اور جس کا ذکر باری تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ اپنی کتاب مقدس میں کیا ہے واقعہ کی شروعات رات کی تاریکی سے ہوتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلیهِ اللیلُ راءَ کوکَباًقالَ هذا رَبیِّ (الانعام۔۷۷)

(پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو)

صوفیائے کرام نے اس تارے کو نور نفس سے تعبیر کیا ہے انکشاف حق کے بعد یہ سالک کا پہلا کفر ہے جسے کفر نفس سے تعبیر کیا گیا ہے، پھر جب وہ تارا غائب ہو گیا تو

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا لَا اُحِبُّ الآفِلِین مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے۔

فلمَّا راءَ القمرَ بازغاً قالَ هذا رَبیِّ

(پھر جب چاند چمکتا دیکھا بولے اسے میرا رب بتاتے ہو)

پھر جب وہ ڈوب گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

لَئِن لَم یَهدِ نِی رَبیِّ لاکُو نَنَّ مِنَ القَوم الضَّآ لین (الانعام۷۸)

اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انھیں گمراہوں میں ہوتا)

صوفیائے کرام نے اس قمر بازغ یعنی چمکتے چاند کو نور قلب سے تعبیر کر کے اسے دوسرا کفر قرار دیا ہے۔

فَلَمَّا رَاءَ الشَّمسَ بازِغَةً قالَ هذا رَبِّی هذا اَکبَر

(پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا بولے اسے میرا رب کہتے ہو یہ تو ان سب سے بڑا ہے)

پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا:

یٰقَوم اِنِّی بَری ءٌمّاتُشرِکُونَ (الانعام۷۹)

(اے قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنھیں تم شریک ٹھراتے ہو)

اس آیت میں صوفیائے کرام نے شمس کو نور روح سے تعبیر کر کے اسے تیسرا کفر قرار دیا ہے۔

جب اس قسم کی کیفیات جو ان کے اعضا و جوارح سے متعلق رہیں جیسے نور نفس، نور قلب، اور نور روح تو اسے جھٹلاتے اور اس کا انکار کرتے رہے، لیکن توھمات کی دنیا کا پردہ چاک کر کے جب ان پر واقعتاً نور الٰہی منکشف ہوا تو انھیں اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں ذرا بھی دیر نہ لگی فرمانے لگے۔

اِنِّی وَجّهتُ وَجهِیَ للَّذِی فَطَرَ السَّمٰوٰتِ والَارضَ حَنِیفاً وَمَا انَا مِنَ المُشرِکِینَ (الانعام۔۸)

(میں اپنا منھ اس کی طرف کیا جس نے زمین اور آسمان بنائے ایک اسی کا ہو کر

اور میں مشرکوں میں سے نہیں) (گل حسن، تعلیم غوثیہ ص ۴۰۰)

صاحب تعلیم غوثیہ کی ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ طالب صادق جب تک ماسوی اللہ کی نفی اور ان کا انکار نہیں کرے گا اسے توحید کا علم کسی طرح نہیں نصیب ہوسکتا، اسی طرح کی تعلیم ہمیں پہلے کلمۂ طیبہ سے دی جا چکی ہے۔ لفظ لا الہ کے ذریعہ پہلے ماسوی اللہ تمام چیزوں کی نفی کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے جب تک تمام معبودانِ باطل کا رد نہیں ہوگا الا اللہ کا فائدہ کبھی مرتب نہیں ہوسکتا۔ اس کلمہ کو لفظ لا سے شروع کرنے میں یہی حکمت ہے۔

مراقبہ کرنے کے لیے کسی بھی آیات ربانی کا انتخاب کر کے اس کے کسی ایک جز کا مراقبہ کیا جاتا ہے جیسے کہ اس بات کا مراقبہ کہ ''اللہ میرا قادر ہے'' اس کے لیے'' ان الله علیٰ کل شئی قدیر '' اور'' اللہ میرا نگہبان ہے'' اس کے لیے'' فَاَیْنَمَاتُوَ لُّوا فَثم وَجْہُ اللّٰہِ '' اور'' اللہ میرا مددگار ہے'' اس کے لیے'' اَلَمْ تَعْلَمْ بِاَن اللّٰہ یَریٰ '' اور اللہ ہی کا جلوہ ہر جگہ ہے'' اس کے لیے'' وَاللّٰہُ عَلیٰ کُلّ شَئی مُّحِیْطٍ '' کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔ یہ آیات مراقبات ایسے ہیں، جن کے مراقبہ کے بعد بندہ دنیاوی خرافات سے بچ کر صرف اللہ رب العزت کا رضا جو ہو جاتا ہے اور دنیا کے خرافات ومنہیات سے اس کا ناطہ اور رشتہ تقریباً ٹوٹ جاتا ہے۔ مشائخ قادریہ کے نزدیک ان مراقبات کی بڑی اہمیت ہے کیوں کہ ان مراقبات کے ذریعہ اگر طالب صادق کا تعلق اس کے خالق سے گہرا ہوتا ہے تو مخلوق خدا سے بھی اس کا ناطہ نہیں ٹوٹنے پاتا، اور جن مراقبات میں خدمت خلق کا تصور کارفرما رہتا ہے اس کی اہمیت اس وجہ سے زیادہ ہوتی ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی بندہ اس کی تمام تر دلچسپیوں سے بے نیاز ہو کر اپنے مالک حقیقی سے لو لگائے رہتا ہے۔ جتنے مقربین بارگاہ الٰہی دنیا میں گذرے ہیں تاریخ بتاتی ہے کہ انھوں نے اپنی ذات سے ہر طرح مخلوق کو فائدہ پہنچایا ہے، اور ہر لمحہ بندگان خدا بلا تفریق مذہب وملت ان کی ذات سے مستفید ہوئے ہیں، اور انھیں پردہ کئے ہوئے اگر چہ صدیاں گذر گئیں لیکن آج بھی ان کے دربار میں فیوض وبرکات حاصل کرنے والوں کا ہجوم رہتا ہے۔ لوگ کثرت سے آکر عقیدتوں کے پھول ان کے مزاروں پر نچھاور کرتے ہیں اور اپنے دامن کو گوہر مراد سے بھر کر لے جاتے ہیں۔ یہ بات

تو روز روشن کی طرح واضح ہے، کہ خدا کے نیک بندوں سے قوم وملت کو ہی نہیں بلکہ امت محمدیہ کو بے شمار فوائد حاصل ہوئے ہیں۔لیکن کیا اس وقت مخصوص میں جب بندہ مراقبہ کے ذریعہ خدا کی یاد میں اس طرح کھو جاتا ہے کہ اسے گردو پیش کی بھی خبر نہیں ہو پاتی، تو کیا ایسی صورت میں وہ بندہ عام مخلوق کی امداد واعانت کرسکتا ہے یا نہیں؟ خیر الناس من ینفع الناس کے مصداق میرا اپنا تو نقطۂ نظر یہ ہے کہ دن کا ہنگامہ ہو یا رات کا سنّاٹا، سفر ہو یا حضر، بندہ کی عام زندگی ہو یا قرب خداوندی کا مخصوص لمحہ، پریشان حال لوگوں کے لئے ان نفوس قدسیہ کی شخصیات ابر کرم بن کر ثابت ہوئی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ والرضوان ایک بار بیمار پڑے بدن میں ضعف ونقاہت حد درجہ ہوگئی، آپ نے کھانے کے لیے منقیٰ کے کچھ دانے منگوائے مگر ان دانوں کو کھانے سے پہلے آپ نے مراقبہ اس بات کا کیا کہ وہ دانے صحت کے لیے مفید ہیں یا نہیں جب مراقبہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اس مراقبہ کے ذریعہ مجھ پر عجیب چیز کا انکشاف ہوا ہے، فرمانے لگے۔

> ''ان تمام دانوں نے مناجات ودعا کی کہ خداوندا! تیرے دوست نے ہمیں تناول کرنے کے لیے منگوایا ہے، نفع اور صحت کی تاثیر ہم میں عطا فرما کو جو شخص ایک دانہ ہم میں کا کھائے اس کا ہر مرض صحت سے بدل جائے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول کی پھر آنجناب نے چند دانے اس کے تناول فرمائے، فوراً آپ کی بیماری صحت سے بدل گئی۔اور جس بیمار نے ایک دانہ بھی ان میں کا کھایا صحت پائی''۔
>
> (انوار العارفین، محمد عابد میاں ص ۱۶۶)

اسی طرح آپ سے ایک واقعہ اور منقول ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے مراقبہ کے ذریعہ ایک شخص کی اس طرح مدد کی کہ اس کی زندگی کی تمام الجھنیں دور ہوگئیں۔ واقعہ اس طرح ہے۔

ایک مرتبہ ایک امیر شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور میں

جوانی سے بڑھاپے کی منزل میں آ گیا ہوں میری کوئی اولا دنرینہ نہیں ہے جو اس صفحۂ ہستی پر میری یادگار رہو اس بارے میں آپ توجہ فرمائیں۔ حضرت نے کچھ دیر کے لیے مراقبہ کیا اور جب مراقبہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا:

''لوح محفوظ میں اسی موجودہ بی بی سے تمھاری قسمت میں اولاد نہیں ہے اگر دوسری شادی کرو گے تو اولاد ہوگی اور بعد تمھارے یادگار رہے گی۔ اتفاقاً اس کی بی بی کا انتقال ہو گیا اور دوسری بی بی سے اس کی شادی ہوگئی اس سے ایک لڑکی اور ایک لڑکے کی ولادت ہوئی جو بعد میں اس کی یادگار رہے''۔(انوارالعارفین ص۶۷۴)

اگر کسی ظالم نے کسی کمزور کو ستانے کی کوشش کی ہے تو ان اللہ کے نیک بندوں نے مراقبہ کے ذریعہ ظالم کو مغلوب اور کمزور کو غالب کیا ہے۔ اس سلسلے میں محمد عابد میاں نے ''انوارالعارفین'' میں حضرت مولانا خواجگی امکنگی کے حالات میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ عام حالات زندگی سے ہٹ کر جنگ وجدال کے موقع پر بھی ان بزرگوں نے مراقبہ سے مخلوق خدا کو بے حد نفع پہنچایا ہے واقعہ کچھ اس طرح ہے۔

''پیر محمد خاں پچاس ہزار سواروں کے ساتھ باقی محمد خاں پر جس کے پاس کل چودہ ہزار پیادے اور سوار تھے حملہ کر دیا باقی محمد خاں نے حضرت مولانا خواجگی امکنگی قدس سرہ سے امداد کے لیے درخواست کی آپ خود پیر محمد خاں کے پاس گئے اور اس کو نصیحت فرمائی کہ تو اس ارادے سے باز آ مسلمانوں کو آپس میں جنگ کرنا ناجائز ہے، چوں کہ فوج اور خزانہ کا غرور اس کے دماغ میں بھرا ہوا تھا اس نے حضرت کی بات نہ مانی آپ خشم آلود ہو کر واپس آ گئے اور باقی محمد خاں سے فرمایا اے فرزند فوج کی کمی کا کوئی خیال نہ کرو اور شیر دلیر کی طرح دشمن پر حملہ کرو ملک ماوراءالنہر کی سلطنت تجھے مبارک ہو، یہ فرما کر دست شفقت اس کے سر پر رکھا اور اپنا قرص

مبارک اس کی کمر میں باندھ دیا باقی محمد خاں آپ سے دعا لے کر روانہ ہوا اور حضرت مولانا خواجگی بھی اس کے جاتے ہی درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہو گئے اور شہر کے کنارے ایک پرانی مسجد میں قبلہ رو مراقب اور متوجہ ہو کر بیٹھے اور تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر پوچھتے رہے کہ کیا خبر ہے اسی اثنا میں یہ خبر آئی کہ باقی محمد خاں نے فتح پائی اور پیر محمد خاں مارا گیا۔ اس کے بعد مولانا خواجگی مراقبہ سے اٹھے اور اپنے قیام گاہ تشریف لے گیے''۔ (انوار العارفین ص ۴۵۵)

اسی سلسلے کا ایک دوسرا واقعہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے یہاں ملتا ہے انھوں مراقبہ کے ذریعہ جس طرح ایک کمزور کی مدد کی ہے بڑے بڑے جنگ جو سورما ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔

سلطان محمد نے جب اپنی توجہ سمرقند پر محاصرہ کے لیے کی تو اس کے ساتھ اتنے سوار تھے کہ سلطان احمد اس کے حملے کی تاب نہ لاکر فرار کی کوشش میں لگ گیا۔ اس اضطرابی کیفیت کے ساتھ وہ خواجہ عبید اللہ احرار کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ اپنے شہر کے مدرسہ میں موجود تھے سلطان احمد نے وہاں جا کر آپ سے پورا ماجرا کہہ سنایا اور مدد کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا:

اگر تم بھاگو گے تو سب شہر والے قید ہو جائیں گے پس تم ٹھہرو اور اپنے دل کو مضبوط کرو میں تمھارا کفیل اور ذمہ دار ہوتا ہوں آپ نے مرزا سلطان احمد کو مدرسہ کے ایک حجرہ میں جس کا ایک ہی دروازہ تھا لے جا کر بٹھا دیا اور خود اس حجرہ کی دہلیز پر تشریف فرما رہے اور حکم دیا کہ ایک سانڈنی ہر دم تیار رہے کہ اس پر کجاوہ بندھا ہوا اور چند روز کا توشہ اس میں رکھا ہوا ہو چنانچہ اس کو تیار کر کے سلطان احمد کے حجرہ کے روبرو حاضر کیا گیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مرزا سلطان محمود سمرقند کو فتح کر کے جس دروازہ پر جنگ ہو رہی ہے اس میں داخل ہو جائے تو تم اس اونٹنی پر سوار ہو کر اپنے خاص لوگوں کے ساتھ دوسرے دروازہ سے نکل جانا آپ نے اس طرح مرزا سلطان احمد کو تسکین دی۔

اس کے بعد خواجہ عبید اللہ احرار نے مولانا سید حسن ، مولانا سید قاسم ، میر عبدالاول ، اور مولانا جعفر کو جو آپ کے بڑے مرید تھے طلب کر کے حکم دیا کہ جلد جاؤ اور اس کے دروازہ پر جہاں کہ سلطان مصروف جنگ ہے ٹھہرو اور خدا کی طرف مشغول ہو جاؤ اور جب وہ بھاگ جائے تو ہمارے پاس آؤ اور اگر بالفرض اس کا لشکر شکست نہ کھائے تو ہمارے پاس تمھارے لیے کوئی راستہ نہیں وہ چاروں بزرگ اسی دروازہ کے برج پر چڑھ کر مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔

سلطان احمد کو اس جنگ میں فتح و کامرانی نصیب ہوئی اور سلطان محمود کو شکست اور ذلت وخواری کا سامنا کرنا پڑا اس طرح متعدد بزرگوں سے متعدد واقعات کتابوں میں پائے جاتے ہیں جس سے اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ انھوں نے ہر طرح مخلوق خدا کی خدمت کا اہم فریضہ انجام دے کر اخوت و بھائی چارہ صلح وآشتی ، امن وشانتی ، اور باہمی میل وملاپ کا درس دیا ہے ۔ آج ہندوستان اور ہندوستان سے باہر جہاں کہیں بھی پیار ومحبت کے عناصر پائے جاتے ہیں یہ انھی بزرگان دین کا فیضان اور صدقہ ہے ورنہ اس دور میں جب کہ ایک بھائی دوسرے کے خون کا پیاسا ہے اس قسم کا تصور قائم کرنا پانی پر نقش بنانے کے مترادف ہے۔

تصوف اورارباب تصوف کی بدنامی کے اسباب

تصوف کونقصان ان لوگوں سے زیادہ پہنچا ہے جوصوفی نہیں لیکن صوفی کے لباس میں صبح وشام ضرور گزارتے ہیں، نہ تو وہ تصوف کے اسرار ورموز سے واقف ہیں اور نہ ہی ان میں عبادت وریاضت کا ذوق وشوق ہے وہ اپنی طبیعت ہی کوشریعت سمجھ بیٹھے ہیں اور صرف رقص وسرور ہی ان کے یہاں اصل تصوف سمجھا جاتا ہے۔ نہ توانہیں نماز وروزہ سے مطلب اور نہ ہی قیام اللیل، شب بیداری اور آہ سحر گاہی کے مفہوم سے واقفیت، ایسے لوگوں کے کرداراورحرکات سے تصوف کو بہت زیادہ نقصان پہنچا ہے۔ جولوگ تصوف مخالف ہیں ہم ان کی بات نہیں کرتے وہ تو اعلانیہ طور پرتصوف کو برا سمجھتے ہیں لیکن جوتصوف کا دم بھرتے ہی اوراس کی غلط تعبیریں اور تشریحیں کرتے ہیں،صوفیانہ میوزک اورصوفیانہ ڈانس نہ جانے کیسی کیسی اصطلاحیں وضع کررکھی ہیں وہ انتہائی مضراورنقصان دہ ہیں، کہتے ہیں ہم تو خانقاہی ہیں ہمیں نماز وروزے سے کیا مطلب معاذ اللہ؟ یہ سلسلہ عہد حاضر کی پیداوار نہیں بلکہ قدیم زمانے میں بھی ایسے لوگ تھے۔ یہاں کچھ اسباب و وجوہ کی طرف مولانا عبدالسلام ندوی کے مقالہ کی روشنی میں نشاندھی کی جارہی ہے۔

۱۔ایک تو وہی حلولیہ فرقے کے لوگ تھے جو درحقیقت صوفی نہ تھے بلکہ صوفی بن گئے تھے،ان کا خیال تھا کہ خدااجسام میں حلول کرتا ہےاوران میں بعض لوگوں نے اس اصول کے لئے حسن صورت کی تخصیص کرلی تھی۔

۲۔دوسرے وہ لوگ تھے جوصوفی نہ تھے لیکن صوفیوں کی وضع فسق وفجور کے لئے اختیارکرلی تھی۔

۳۔تیسرے وہ لوگ تھے جوحسین چیزوں کودیکھنا مباح سمجھتے تھےاوراس

قسم کی موضوع حدیثیں روایت کرتے تھے'' نیکی کی تلاش حسین چہرے والوں کے پاس کرو، تین چیزیں نگاہ کو روشن کرتی ہیں سبزہ، پانی اور حسین چہرے کو دیکھنا۔

۴۔ چوتھے وہ لوگ تھے جو امردوں کو کسی بری نیت سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ بہ نظر عزت دیکھتے تھے یہاں تک کہ اس گروہ میں بعض لوگ صرف حسن صورت پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ امردوں کو زیورات اور رنگین کپڑے پہنا کر دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس نظر واعتبار سے صانع پر استدلال کرنے سے ایمان بڑھتا ہے۔

۵۔ پانچویں وہ لوگ جو امردوں کو اپنے پاس تو رکھتے تھے لیکن اپنے آپ کو ہر قسم کی آلودگی سے پاک رکھتے تھے اور اس کو ایک قسم کی ریاضت اور مجاہدہ سمجھتے تھے۔

۶۔ چھٹے وہ لوگ تھے جو بالقصد لونڈوں کو صحبت میں نہیں رکھتے تھے بلکہ لونڈے توبہ کر کے زہد وعبادت کے لئے ارادت مندانہ خود ان کی صحبت اختیار کرتے تھے اور یہ لوگ ان کو اس مقصد کی تکمیل سے نہیں روکتے تھے پھر بلا قصد جب ان پر بار بار نظر پڑتی تھی تو قلب میں خیالات فاسدہ پیدا ہو جاتے تھے۔

۷۔ ساتویں وہ لوگ تھے جو یہ جانتے تھے کہ لونڈوں کی صحبت اور نظر بازی جائز نہیں لیکن بایں ہمہ وہ اس پر اضطراراً مجبور ہو جاتے تھے۔

(تصوف کی اجمالی تاریخ معارف نمبر ۵ جلد ۳۵ ص ۳۷۶)

اور جب اباحیہ فرقہ کے لوگوں کی وابستگی تصوف سے ہوئی تو انہوں نے اس تصوف کو صرف اپنی لذت پرستی کا ذریعہ سمجھا۔ ان لوگوں کی مختلف قسمیں ہیں اور ہر ایک قسم کو اس دور کے تصوف سے مناسبت تھی۔ مولانا عبدالسلام ندوی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں۔

۱۔ ان لوگوں میں کچھ لوگ تو ایسے تھے جو درحقیقت غیر مسلم تھے لیکن انھوں

نے اپنی خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کے لئے تصوف کو ایک حیلہ بنا رکھا تھا۔

۲۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو مسلمان تو تھے لیکن اپنے اعمال میں صرف اپنے شیوخ کی تقلید کرتے تھے اور وہ ان کو جو حکم دیتے تھے یا ان کو جو کچھ کرتے دیکھتے تھے اس پر عمل کرتے تھے۔

۳۔ کچھ لوگ ایسے تھے جن کے دل میں چند مذہبی شکوک پیدا ہو گئے تھے اور انھیں شکوک کی بنا پر انہوں نے شریعت کے اوامر و احکام کو چھوڑ دیا تھا مثلاً یہ کہ

الف) سب کچھ ازل میں مقدر ہو چکا ہے ہر ایک کی سعادت وشقاوت لکھی جا چکی ہے سعید شقی نہیں ہو سکتا اور شقی سعید نہیں ہو سکتا اس لئے عمل کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔

ب) خدا ہمارے عمل سے بے نیاز ہے اس لئے عمل ایک بے سود چیز ہے۔

ج) خدا کی رحمت وسیع ہے اور وہ ہم سب کو شامل ہے اس لئے لذت پرستی سے محروم رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

د) اصلی مقصود یہ ہے کہ ریاضت کے ذریعہ صفائی قلب حاصل کی جائے لیکن تجربہ سے ثابت ہے کہ مدتوں کی ریاضت کے بعد بھی یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا اس لئے خواہ مخواہ اس کے لئے تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟۔

ہ) دائمی ریاضت کے ذریعہ سے انسان عوام کے درجہ سے بلند ہو جاتا ہے اور شریعت صرف عوام کی اصلاح کے لئے ہے۔ اس لئے جو لوگ اس درجہ سے بلند ہیں ان کو اوامر و نواہی کی پابندی کی ضرورت نہیں۔

ز) دائمی ریاضت کے ذریعہ سے انسان بہت سے اچھے خواب دیکھتا ہے اور کچھ افعال اس سے ایسے سرزد ہوتے ہیں جو کرامات کے مشابہ ہوتے

ہیں ان کی کچھ لوگوں کی یہ حالت ہوئی تو انہوں نے خیال کرلیا کہ اب وہ اپنے اصلی مقصد تک پہنچ گئے اور اس کے بعد شریعت کی پابندی بیکار ہے''۔

(تصوف کی اجمالی تاریخ معارف اعظم گڑھ نمبر ۶ جلد ۲۵ ص ۴۴۸)

ان کے علاوہ ایک فرقہ مشتبہ گذرا ہے ان کے عقائد ونظریات کا بھی تصوف پر گہرا اثر پڑا، ان لوگوں کا خیال تھا کہ خداوند تعالیٰ کو آنکھوں کے ذریعہ دیکھا جاسکتا ہے اس سے مصافحہ وغیرہ کیا جاسکتا ہے اور لوگ اس سے ملاقات کرتے ہیں اور خود خدا ان کی ملاقات کو آتا ہے یہاں تک کہ جو لوگ گلیوں میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں ممکن ہے کہ ان میں کوئی خدا ہو۔ یہ لوگ عراق میں رہتے تھے وہاں انھیں اصحاب باطن، اصحاب وساوس اور اصحاب خطرات کہا جاتا تھا۔

عہد حاضر میں نام نہاد پیر، دین کے رہزن، ایمان کے ڈاکو، انسانیت کے لیے باعث ننگ وعار اور شریعت وطریقت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہیں ان بہروپیوں کے چہروں سے نقاب ہٹانا اور عوام الناس کو ان کے مکر وفریب سے آگاہ کرنا انتہائی ضروری ہے، تاکہ بھولے بھالے مسلمان حق وباطل کے درمیان امتیاز قائم کرسکیں اور ان نفوس قدسیہ، پاکباز ان امت، صلحائے ملت اور اولیائے کاملین تک رسائی حاصل کرسکیں، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ اَلَا اِنَّ اَولِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوفٌ عَلَیہِم وَلَاھُم یَحزَنُونَ (سنو بے شک اولیاء اللہ کو کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے) پیر حیدر القادری جاہل صوفیا اور ان کی گمراہی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

''آج کل عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جاہل صوفی، طریقت اور حقیقت کے ٹھیکیدار قبر پرستی اور پیر پرستی اور محفل رقص وسرور ومنشیات کو تو جائز ومباح قرار دیتے ہیں لیکن احکام خدا ورسول بجالانا اور دینی علوم حاصل کرنے کو غیر ضروری سمجھتے ہیں بلکہ یہاں تک کہ شریعت کی مخالفت کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے اور طریقت کو شریعت کی ضد بتاتے ہیں، اور ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ تصوف میں علم کی کوئی حاجت نہیں اور ان کا یہ کہنا ہے کہ

جب بندہ مولیٰ کی محبت میں مستغرق ہو جاتا ہے تو اس پر نماز روزہ کی پابندی باقی نہیں رہتی اور نشہ آور اشیاء استعمال کرنے کو قرب الٰہی کا بہترین ذریعہ بتاتے ہیں، یہ گمراہ لوگ اپنی چالاکی اور مکاری سے بھولے بھالے بندگان خدا کو صراط مستقیم سے ہٹانے میں مصروف ہیں۔
لوگ علم جیسی نعمت کو جسے حاصل کرنا جناب ہادی کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے اس کو دماغ سوزی بتاتے ہیں اور عجب قسم کے اشعار سنا کر لوگوں کو بہکاتے ہیں اور آیات قرآن واحادیث کے معنیٰ اور بزرگان دین کے اقوال کا مفہوم الٹ پلٹ کر بیان کرتے ہیں'

(ماہنامہ فاران، اکتوبر ۱۹۵۷ء ص ۲۴)

اگر صوفیا کو علم کی ضرورت نہیں ہوتی تو ہمارے اسلاف، اکابر وصوفیاء ومشائخ تحصیل علم کے لیے اتنی جد وجہد کیوں کرتے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی اور سیدنا غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے علم شریعت کو نہایت محنت وجانفشانی سے حاصل کیا ہے اور تمام عمر اسی کی تبلیغ فرماتے رہے۔ قُوت القلوب، عوارف المعارف، اِحیاء العلوم، اور غُنیة الطالبین جیسی تصوف کی اہم کتابوں میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ علم طریقت اور تصوف حاصل کرنے کے لیے علم شریعت بمنزلہ شرط ہے۔ جن صوفیا کو شریعت کا علم نہیں ہوتا ہے اس قسم کی خرافات انھیں سے سرزد ہوتی ہیں۔ جمع الجوامع میں رسول اکرم ﷺ کا ایک ارشاد منقول ہے جس میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ آخری زمانے میں شیاطین بزرگوں کی صورت اختیار کر کے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسا نظر آئے جو تمھاری دانست میں بے شمار کرامتیں رکھتا ہے یہاں تک کہ ہوا میں اڑ سکتا ہے اور پانی کی سطح پر چل سکتا ہے مگر جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ امر ونہی وحدود شرعی کی حفاظت اور احکام اسلام کی پابندی میں کیسا ہے؟ اس پر ہرگز اعتبار نہ کرو۔

آج کل سماج میں بہت ساری برائیاں ان جاہل صوفیا کی بدولت در آئی ہیں اس

کی وجہ یہ ہے کہ اطبا اور ڈاکٹروں کی طرح آج کل کے صوفیا نے بھی اپنی دوکانیں کھول رکھی ہیں اور شبانہ روز اسی کو فروغ دینے میں لگے ہیں۔ یہ تمام خود ساختہ پیر حقیقی تصوف سے نابلد اور نا آشنا ہوتے ہیں اسی وجہ سے روح تصوف کی انھیں بالکل خبر نہیں ہوتی اور اسی پر بس نہیں بلکہ وہ سلوک کی راہوں سے بھی نابلد ہوتے ہیں، اسی لیے وہ اسلامی معاشرہ تو دور کی چیز ہے اپنے حلقۂ ارادت پر بھی اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے صوفی بننے کے لیے علم شریعت کو جاننا لازم قرار دیا ہے وہ اپنے صاحبزادہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> ''صاحبزادہ کیا تو نے نہیں سنا کہ پہلے فقہ کی تعلیم حاصل کر اس کے بعد عزلت نشین بن یعنی اول ظاہری فقہ حاصل کر اس کے بعد باطنی فقہ کی تعلیم میں عزلت اختیار کر، ظاہری شرع پر عمل کرتا رہ یہاں تک کہ یہ عمل تجھ کو اس علم تک پہنچادے جو تو نے سیکھا نہیں''۔
>
> (خطبات غوثیہ بارہویں مجلس ص ۱۰۸)

کچھ نام نہاد پیر ظاہری شرع پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتے اور یہ کہہ کر بے اعتنائی کر جاتے ہیں کہ یہ ظاہری باتیں ہیں ہم باطن والے ہیں مگر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان نے یہ کہہ کر ''ظاہری شرع پر عمل کرتا رہ یہاں تک کہ یہ عمل تجھ کو اس علم تک پہنچادے جسے تو نہیں جانتا'' واضح فرمادیا کہ اصل پیر وہی ہے جو پہلے شریعت پر عمل پیرا ہو پھر طریقت کے میدان میں قدم رکھے، ہمیں جاہل نام نہاد پیروں کے فریب میں نہیں آنا چاہیے بلکہ ان صوفیا کی اتباع و پیروی کرنی چاہئے جن کے یہاں اتباع شریعت ہر حال میں لازم وضروری ہے۔ (عرفان تصوف، غلام یحییٰ انجم ص ۴۲۰ دہلی ۲۰۱۹ء)

ایک دوسری بات یہ بھی ہے کہ موجودہ دور میں ہمارے خانقاہوں کے ذمہ داران اور درگاہوں کے نام نہاد سجادگان بھی تصوف کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے آج کل تصوف کے نام پر خانقاہوں میں کیا کچھ نہیں ہو رہا ہے اور یہ وہی لوگ کر رہے جن کا تعلق اصحاب مزار اور ان کی تعلیمات سے ذرہ برابر نہیں بلکہ ان کا تعلق اس آمدنی سے ہے جو روزانہ

ان کے مزار سے عقیدت مند زائرین کے ذریعہ ہوتی ہے۔اور جہاں وہ حضرات ان مزاروں کے خدام جو صحیح معنوں میں نہ صرف ان سے عقیدت رکھتے ہیں بلکہ ان کی تعلیمات پر بھی عمل پیرا ہیں الحمد للہ وہ خانقاہیں اس قسم کی خرافات سے محفوظ ہیں ۔مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مزارات مقدسہ پر ہونے والے تمام امور بدعت کی بڑی سختی کے ساتھ تردید کی ہے۔انھوں نے اپنی کتاب" الزبدة الزكية لتحريم سجود التحية"(حرمت سجدہ تعظیم) میں واضح طور پر لکھا ہے۔

''مزارات کو سجدہ یا اس کے سامنے زمین چومنا حرام اور حد رکوع تک جھکنا ممنوع۔مزار کو سجدہ تو در کنار کسی قبر کے سامنے اللہ عز وجل کو بھی سجدہ جائز نہیں اگر چہ قبلہ کی طرف ہو۔

مزار انور کو سجدہ تو قطعی حرام ہے زائر جاہوں کے فعل سے دھوکا نہ کھایئے بلکہ علمائے باعمل کی پیروی کیجئے۔

(الزبدة الزکیہ ص ۵۱،۵۲ لاہور ۱۹۷۷ء)

مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری مزار کا طوف اور اس کی چوکھٹ کا بوسہ اور مزار شریف سے الٹے پاؤں پھرنے کے تعلق سے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مزار کا طوف کہ محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطّواف مخصوص بخانہ کعبہ ہے مزار کا بوسہ نہ دینا چاہئے کہ علماء اس میں مختلف ہیں اور بہتر بچنا اور ادب اسی میں زیادہ ہے آستانہ بوسی میں حرج نہیں اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے شرع شریف میں ممانعت نہیں آئی ہے اور جس چیز سے شرع شریف نے منع نہ فرمایا ہو منع نہیں ہوسکتی قال اللہ "ان الحكم لله "ہاتھ باندھے الٹے پاؤں آنا ایک طرز ادب ہے اور جس ادب سے شرع نے منع نہ فرمایا ہو اس میں حرج نہیں مگر اس میں اپنی یا دوسرے کی ایذا کا اندیشہ ہو تو اس سے احتراز کیا جائے''۔

(فتاوی رضویہ جلد ۴ ص ۸ ممبئ ۱۹۹۴ء)

آج کے دور میں خانقاہیں باہمی انتشار کا شکار ہیں۔پیار ومحبت اور اتحاد ویکجہتی کا

درس دینے والی خانقاہیں اپنے سے وابستہ افراد کے ذہن و دماغ میں نفرت وعداوت کا زہر گھول رہی ہیں ،عوام کی اصلاح کے نام پر منعقد ہونے والے جلسے جلوس اپنی افادیت کھو چکے ہیں اعراس میں راہ پا جانے والی غیر شرعی رسوم و بے راہ روی میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے ۔آپسی نزاع واختلاف سوشل میڈیا کی زینت بن رہا ہے، خالص علمی وفروعی اختلاف ذاتی رنجش وعداوت کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے۔کوئی کسی کی اصلاح قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے۔خانقاہیں بہت ہیں مگر رسہ کشی کا شکار ہیں ۔ایسے ماحول میں درگاہوں کے اعراس کی بے ضابطگی جلسوں کی بے راہ روی اور جاہل صوفیوں کی غیر اسلامی روش پر روک لگانے کی عملی جدوجہد بہت ضروری ہے۔ شاید کچھ سماجی اور مذہبی تنظیمیں اس طرف متوجہ ہوں۔

کیوں اندھیروں میں بھٹکتا پھر رہا ہے آدمی
روشنی رکھی ہوئی ہے آج بھی جزدان میں

کتابیات

القرآن الکریم

مخطوطات

اخبارالجمال — شیخ راجی محمد — مخطوطہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

جواہرالاعمال — یوسف — مخطوطہ درگاہ بڑے پیرنا گور

خلاصۃ الامور — احمد علی — مخطوطہ درگاہ بڑے پیرنا گور

عین القلوب العارفین محمد یوسف بخاری — مخطوطہ درگاہ بڑے پیرنا گور

محبوب المعانی — محمد صادق لطیفی — مخطوطہ درگاہ بڑے پیرنا گور

مطبوعات

آب کوثر — شیخ محمد اکرام — لاہور — ۱۹۷۹ء

آب کوثر — شیخ محمد اکرام — دہلی — ۲۰۰۶ء

آئینۂ اودھ — ابوالحسن مانکپوری — کانپور — ۱۳۰۴ھ

اتحاف النبلاء — صدیق حسن — کانپور — ۱۹۱۷ء

اخبارالاخیار — شیخ عبدالحق محدث دہلوی — لاہور — ۱۹۷۹ء

اخبارالاخیار (مترجم) شیخ عبدالحق محدث دہلوی — دہلی — ۱۹۹۴ء

الاخبارالطّوال — ابوحنیفہ دینوری — لاہور — ۱۹۸۶ء

اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیا کا حصہ، عبدالحق — نئی دہلی — ۲۰۰۸ء

اشرف المؤنین — ابومنصور سرمدی — شیخو پورہ پاکستان — ۱۴۱۳ھ

الاعلام بمن فی التاریخ من الاسلام عبدالحئی — لکھنؤ — ۱۹۹۲ء

الاعلام الفکر الاسلامی وزارۃ الاوقاف مصر قاہرہ ۲۰۰۷ء
اقتباس الانوار شیخ محمد اکرام قدوسی لاہور ۱۹۹۳ء
امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، یٰسین اختر مصباحی دہلی ب، ت
امام جعفر صادق حیات وخدمات، عبد المجید خاں مصباحی ممبئی ۱۴۳۳ھ
الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ شاہ ولی اللہ دہلوی دہلی ۱۳۱۱ھ
انفاس العارفین شاہ ولی اللہ دہلوی دہلی ۱۳۹۳ھ
انفاس العارفین شاہ ولی اللہ مکتبۃ الفلاح دیوبند
انوار العارفین محمد عابد میاں دہلی ۱۳۵۵ھ
اولیاء اللہ عالم فقری لاہور ۱۹۸۷ء
بانی درس نظامی محمد رضا انصاری لکھنؤ ۱۹۷۳ء
بخاری شریف امام بخاری رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۱۰ھ
بخاری شریف (عربی اردو) امام بخاری شبیر برادرز لاہور ب، ت
برصغیر میں اشاعت اسلام کی تاریخ مشتاق تجاروی دہلی ۲۰۰۶ء
بزم صوفیاء صباح الدین عبد الرحمٰن اعظم گڑھ ۱۹۸۹ء
بزرگوں کے عقیدے جلال الدین احمد امجدی دہلی ۱۹۹۳ء
تاریخ آثار بنارس عبد السلام نعمانی بنارس ۱۹۶۰ء
تاریخ ابن خلدون ابن خلدون الہ آباد ۱۳۴۸ھ
تاریخ اسلام خورشید احمد فارق دہلی ۱۹۵۸ء
تاریخ ائمہ سید حیدر علی مطبوعہ ۱۳۵۲ھ
تاریخ الخلفا (مترجم) جلال الدین سیوطی دہلی ب ت
تاریخ کربلا صفدر علی قادری مطبوعہ ۱۹۷۷ء
التاریخ العالم الاسلامی ابراہیم حسن قاہرہ ۱۹۶۳ء
تاریخ دعوت وعزیمت ابو الحسن علی ندوی لکھنؤ ۱۹۸۴ء

تاریخ سہروردیہ	محمد سعید	کراچی	۲۰۰۱ء
تاریخ مشائخ چشت	محمد زکریا	کراچی	۱۴۰۶ھ
تاریخ مشائخ قادریہ	غلام یحییٰ انجم	دہلی	۲۰۰۶ء
تاریخ مشائخ قادری رضویہ	عبد المجتبیٰ نیپالی	بنارس	۱۹۸۹ء
تاریخ مشائخ نقشبندیہ	محمد عبد الرسول للہی	لاہور	۲۰۰۳ء
تاریخ ملتان	نور محمد خاں	ملتان	۱۹۷۲ء
تاریخ میوچھتری	حکیم عبد الشکور	مطبوعہ	۱۳۰۴ھ
تذکرۃ الاولیاء (مترجم)	فرید الدین عطار	دہلی	ب،ت
تذکرہ اولیائے ہند	مرزا احمد اختر	دہلی	ب،ت
تذکرۂ خانوادہ علیمیہ	غلام یحییٰ انجم	دہلی	۲۰۱۵ء
تاریخ صوفیائے میوات	حبیب الرحمن میواتی	دہلی	۱۹۸۴ء
تذکرۂ مشائخ عظام	محمد عاصم اعظمی	مبارک پور	۲۰۰۳ء
تزکیہ واحسان	ابوالحسن علی ندوی	لکھنؤ	۱۹۸۹ء
تفہیمات الٰہیہ	شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ اکیڈمی	حیدرآباد
التنبیہ والاشراف	المسعودی	حیدرآباد	۱۹۲۶ء
جادہ ومنزل	بدر القادری	مبارک پور	۱۹۹۹ء
الجامع الصحیح للبخاری	رضا اکیڈمی	ممبئی	۱۴۱۰ھ
چودہ ستارے	سید نجم الحسن کراروی	لکھنؤ	ب،ت
حضرت علامہ شاہ احمد نورانی	سید محمد فاروق	کراچی	ب،ت
حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت	محمد ایوب قادری	کراچی	۱۹۷۵ء
حقیقت گلزار صابری	محمد حسین صابری	دہلی	۱۹۹۸ء
حیات ولی	رحیم بخش	دہلی	۲۰۰۸ء
خزینۃ الاصفیاء	غلام سرور لاہوری	لاہور	۱۹۹۴ء

خزینۃ الاصفیاء غلام سرور لاہوری لاہور ۲۰۰۱ء
دائرۃ المعارف الاسلامیہ دانش کدہ پنجاب لاہور ۱۹۸۰ء
دربار اکبری محمد حسین آزاد لاہور ۱۹۸۸ء
الدر الثمین شاہ ولی اللہ دہلوی سہارنپور ۱۹۵۴ء
دلیل دار العلوم اشرفیہ مبارک پور، صدر المدرسین مبارک پور ب،ت
رسائل شاہ ولی اللہ شاہ ولی اللہ دہلی ۲۰۰۹ء
روضۃ الاولیاء غلام علی آزاد بلگرامی رام پور ۱۹۹۶ء
روضۃ القیومیہ محمد احسان مجددی لاہور ۲۰۰۲ء
الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیۃ احمد رضا قادری لاہور ۱۹۷۷ء
زبدۃ المقامات ہاشم کشمی استانبول ۱۹۷۷ء
سعد الاخیار ولایت علی حنفی اکبر آباد ۱۳۱۶ھ
سعی الحارث فی ریاحین الوارث محمد ابراہیم شیدا وارثی مطبوعہ ۱۹۳۹ء
سفینۃ الاولیاء داراشکوہ دہلی ب،ت
سلطان الشہداء انجینئر سمیع الدین علی گڑھ ۲۰۰۸ء
سلطنت مصطفٰے کا سفیر نسیم اشرف حبیبی جمداشاہی ۲۰۰۹ء
سوانح کربلا سید محمد نعیم الدین ناگپور ب،ت
سید میر علی ہمدانی سیدہ اشرف ظفر کشمیر ۱۹۹۱ء
سید الہند اور آپ کا اسلامی مشن فضل الحق قادری اجھر بہار ۱۹۸۲ء
سیر الاقطاب شیخ الہدیہ لکھنؤ ۱۹۱۳ء
شاہ برکت اللہ حیات اور کارنامے سید محمد امین کانپور ۱۹۸۰ء
شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان عبید اللہ سندھی ساگر اکیڈمی لاہور
شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان محمود احمد برکاتی دہلی ۱۹۹۲ء
شعر اقبال و تصوف کا تنقیدی جائزہ، علیم اشرف جائسی رائے بریلی، ۲۰۰۲ء

شواہد النبوۃ عبدالرحمٰن جامی دہلی ۱۲۷۱ھ

عبدالعزیز محدث دہلوی اوران کی علمی خدمات، ثریا ڈار لاہور ۱۹۹۱ء

عرفان تصوف غلام یحییٰ انجم دہلی ۲۰۱۹ء

علامہ شاہ احمد نورانی ملک محبّ الرسول لاہور ب،ت

علماء العرب فی شبهة القارة ابراہیم السامرائی کراچی ۱۹۸۶ء

عوارف المعارف (مترجم) شیخ شہاب الدین سہروردی دہلی ۱۹۹۷ء

غوث الابرار غوثی شطاری مانڈوی لاہور ۱۳۲۶ھ

فتاوی رضویہ احمد رضا قادری رضا اکیڈمی ممبئی ۱۹۹۴ء

فتاوی عزیزیہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی دہلی ۱۳۱۱ھ

فوائد الفواد مرتب حسن سجزی نظام الدین اولیاء دہلی ب،ت

الفیض التقی فی حل مشکلات ابن عربی کتب خانہ کاظمیہ کاکوری ب،ت

قصر عارفاں احمد علی چشتی لاہور ۱۹۸۸ء

القول الجلی عاشق پھلتی دہلی ۱۹۸۹ء

القول الجلی کا مقدمہ اور اختتامیہ ابوالحسن زید فاروقی دہلی ۱۹۸۹ء

کتاب الاربعین فی التصوف محمد بن الحسین الحلمی حیدرآباد ۱۴۰۱ھ

کیا تصوف اسلام سے الگ ہے کرم شاہ ازہری، دارالمطالعہ اہل سنت شہسرام

گرونانک ہربنس سنگھ پٹیالہ ب،ت

گلزار ابرار محمد غوثی شطاری مانڈوی لاہور ۱۹۹۵ء

محبوب یزدانی سید نعیم اشرف الہ آباد ۱۹۸۷ء

محفل اولیاء شاہ مراد سہروردی دہلی ۲۰۰۳ء

مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری ضمیر الدین احمد دہلی ۱۹۹۴ء

مراۃ الاسرار عبدالرحمٰن چشتی دہلی ۱۹۹۷ء

مراۃ الکونین غلام نبی فردوسی لکھنؤ ۱۹۱۰ء

مرج البحرین　شیخ عبدالحق دہلوی　دہلی　۱۹۹۶ء

مسلمان اور ہندوستان　بدرالقادری مبارک پور دہلی　۱۹۹۳ء

مسلم سولائزیشن ان انڈیا　ایس ایم اکرام　لاہور　۱۹۶۱ء

مقامات مظہری　شاہ غلام علی　دہلی　۱۲۶۹ھ

مکتوبات امام ربانی　شیخ احمد سرہندی　استانبول　۱۹۷۷ء

مکتوبات　شیخ کلیم اللہ جہان آبادی مطبع یوسفی　دہلی

معراج العاشقین　بندہ نواز گیسودراز　دہلی　۱۹۵۷ء

معدن المعانی　شرف الدین احمد یحییٰ منیری نالندہ ۱۹۵۸ء

معمولات الابرار　عبدالمصطفیٰ اعظمی　الہ آباد　۱۹۷۷ء

معین الارواح　خادم زبیری　آگرہ　ب،ت

مفتی اعظم　عبدالوحید بیگ　بریلی　۱۹۹۰ء

مکتوبات صدی (مترجم) شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری بہار شریف ۱۹۹۳ء

ملت اسلامیہ کی تاریخ　محمود علی قیصر　حیدرآباد　۱۹۹۳ء

ملفوظات شاہ عبدالعزیز مرتب بشیرالدین قادری　کراچی　۱۹۶۰ء

ملفوظات شاہ عبدالعزیز　بشیرالدین قادری　میرٹھ　۱۳۲۴ھ

منتخب التواریخ　ملا عبدالقادر بدایونی　نئی دہلی　۲۰۱۲ء

نصاب تعلیم برائے درجات عالیہ یوپی غلام یحییٰ انجم　دہلی　۲۰۰۱ء

نفحات الانس (مترجم)　عبدالرحمٰن جامی　دہلی　۱۹۹۴ء

ہشت بہشت　مجموعہ ملفوظات مشائخ چشت جام نور دہلی

یادوں کے نقوش　فیض الرسول رضا نوری　لاہور　۲۰۰۴ء

مجلّات

البلاغ (ماہنامہ)　کراچی

جنگ (روزنامہ)　راولپنڈی

سوئے حجاز (ماہنامہ)	پاکستان
شاعر (ماہنامہ) قومی یکجہتی نمبر	ممبئی
الفقیہ (ہفت روزہ)	امرتسر
کراچی (ہفت روزہ)	کراچی
مخدوم جہاں (ماہنامہ)	دہلی
معارف (ماہنامہ)	اعظم گڑھ
منارٹ (ماہنامہ) انگریزی	کراچی

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ہمدرد نئی دہلی ۶۲

پیدائشی پتہ: مقام پر سابزرگ پوسٹ آفس جگنا دھام، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی

رہائشی پتہ: ۴۰۱۔ آزاد اپارٹمنٹ ۲۸/۲۵۴۱ تغلق آباد ایکسٹینشن نئی دہلی۔۱۹

سابق صدر: شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی۔۶۲

سابق ڈین: اسکول برائے انسانی وسماجی علوم، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی۔۶۲

رابطہ: 9868283039 ای میل gyanjum@jamiahamdard.ac.in

تعلیمی لیاقت :

بی۔ٹی، ایچ۔ایم، اے۔ایم فل۔پی، ایچ۔ڈی (عربی) مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

فضیلت (درس نظامی) الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی

عالم (عربی) کامل (فارسی) فاضل (عربی ادب ومعقولات) یوپی مدرسہ بورڈ، لکھنؤ

ادیب۔ادیب ماہر۔ادیب کامل (اردو) جامعہ اردو، علی گڑھ، یوپی

تدریسی وتحقیقی مشغلہ :

۱۔شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (۱۹۸۴۔جولائی ۱۹۸۷ء تا اپریل ۱۹۹۰ء)

۲۔شعبہ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ہمدرد، نئی دہلی (اپریل ۱۹۹۰ء۔۔۔۔۔۔۔۔)

اعزازات :

صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ　　از حکومت ہند　　۲۰۱۸ء

نوجوان محقق کیریئر ایوارڈ　　از حکومت ہند　　۱۹۹۴ء

سابق ممبر صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ کمیٹی　　از حکومت ہند　　۲۰۱۴ء تا ۲۰۱۷ء

توصیف نامہ (پرسنشا پتّر)　　از حکومت اتر پردیش لکھنؤ　　۲۰۰۱ء

دعوت حج　　از خادم الحرمین شریفین مکہ مکرمہ　۲۰۰۶ء۔　۲۰۱۸ء

بانی ممبر　　برائے قیام خواجہ معین الدین چشتی، لنگویجز یونیورسٹی، لکھنؤ　　۲۰۰۲ء

بانی ممبر برائے قیام اسلامک یونیورسٹی برائے سائنس اینڈ ٹکنالوجی کشمیر ۲۰۰۳ء

شعبہ اردو بنارس یونیورسٹی سے مصنف کی ادبی نگارشات پر پی،ایچ۔ڈی ایوارڈ ۱۹۹۴ء

مصنف کی اردو شاعری پر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی سے ایم فل کی ڈگری ایوارڈ ۲۰۱۷ء

دہلی اردو اکیڈمی انعام (برائے کتاب) ۲۰۰۴ء۔۲۰۱۰ء۔۲۰۱۹ء

بہار اردو اکیڈمی انعام (برائے کتاب) ۲۰۰۷ء

نوری ایوارڈ از رضا اکیڈمی ممبئی مہاراشٹر ۲۰۰۹ء

اعلیٰ حضرت تعلیمی ایوارڈ از مٹیا برج کولکاتا بنگال ۲۰۱۲ء

کندن لال اشکی ایوارڈ از بریلی کالج روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی ۱۹۹۷ء

یونیورسٹی میڈل از علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۸۲ء

تبریک نامہ از جامعہ ہمدرد،نئی دہلی ۲۰۱۸ء

قیادت جلوس محمدی (صدسالہ) زیر اہتمام خلافت کمیٹی ممبئی ۲۰۱۹ء

توصیف نامہ از خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران،نئی دہلی ۲۴/اکتوبر ۲۰۲۱ء

سید العلما ایوارڈ از خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ۱۲نومبر ۲۰۲۲ء

تعلیمی رحلات :

۱۔پاکستان۔۱۹۹۱ء۔۲۰۰۴ء ۲۔نیپال۔متعدد اسفار

۳۔لیبیا و موریتانیہ۔۲۰۰۹ء ۴۔ایران۔۲۰۱۰ء۔۲۰۱۱ء۔۲۰۱۷ء

قلمی خدمات :

مطبوعہ تصانیف (۳۶) غیر مطبوعہ تصانیف (۱۵) مطبوعہ مقالات (۳۰۰)

1۔ نقش آخرت (مجموعۂ نعت)،الہ آباد ۱۹۷۸ء

2۔مصری مورخین۔ایک تنقیدی مطالعہ (ایم فل کا مقالہ) بہ تعاون مالی فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی اتر پردیش لکھنؤ،المجمع الاسلامی مبارک پور ۱۹۸۷ء

3۔تذکرہ علماے بستی،جلد اول المجمع الاسلامی مبارک پور ۱۹۸۸ء

4۔انوار خیال (بہ تعاون مالی فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت

اتر پردیش لکھنؤ) دہلی ۱۹۹۱ء

5-امام احمد رضا اور مولانا ابو الکلام آزاد کے افکار

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۲ء

6-ہمارا جغرافیہ (ضلع سدھارتھ نگر) دہلی ۱۹۹۲ء اضافہ شدہ ایڈیشن ۲۰۱۶ء

7-متنبی-ایک تحقیقی مطالعہ (بہ تعاون مالی اردو اکیڈمی دہلی) دہلی ۱۹۹۴ء

8-ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا بانی کون؟، دہلی ۱۹۹۵ء

9-آبشار (بہ تعاون مالی اردو اکیڈمی اتر پردیش لکھنؤ) دہلی ۱۹۹۸ء

10-دار العلوم دیوبند کا بانی کون؟ دہلی ۱۹۹۹ء و ۲۰۰۲ء

11-چراغ رہِ طب (حکیم عبدالحمید دہلوی کی منظوم سوانح)، دہلی ۱۹۹۹ء

12- ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بانی قطب الهند شیخ عبد الوہاب جیلانی، دہلی ۱۹۹۹ء لاہور ۲۰۰۰ء کراچی ۲۰۰۱ء

13-ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ کے بانی قطب الهند شیخ عبد الوہاب جیلانی ہندی ایڈیشن، درگاہ بڑے پیر ناگور ۲۰۱۵ء

ISBN : 93-89807-87-5

14-مزارات پر حاضری اور اس کے آداب، دہلی ۲۰۰۰ء و ۲۰۰۲ء متعدد ایڈیشن

15-تاریخ مشائخ قادریہ جلد دوم، دہلی ۲۰۰۱ء طبع ثانی مع اضافہ دہلی ۲۰۱۱ء

16- نصاب تعلیم برائے عربی و فارسی بورڈ اتر پردیش لکھنؤ، شعبہ نشریات جامعہ ہمدرد دہلی ۲۰۰۱ء

17-ذکر مرشد (حالات مشاہد ملت حضرت مولانا شاہ مشاہد رضا حشمتی پیلی بھیتی) دہلی ۲۰۰۲ء

18-تاریخ مشائخ قادریہ جلد اول دہلی ۲۰۰۳ء

19-حضرت مولانا طفیل احمد حشمتی-ایک تعارف، بمبئی ۲۰۰۴ء

20-ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل (انٹرویو کی روداد) رام پور ۲۰۰۴ء

21۔دینی مدارس اور عهد حاضر کے تقاضے، پور بندر گجرات ۲۰۰۴ء

22۔کتاب المقفی الکبیر للمقریزی (تحقیق) دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد ۲۰۰۵ء

23۔ معلم العر بیه لطلاب العلوم الطبیه (بہ تعاون مالی اردو قومی کونسل دہلی) دہلی ۲۰۰۵ء

24۔تاریخ مشائخ قادریه جلد سوم دہلی ۲۰۰۶ء

25۔اچھا سماج چار حصے (برائے درجات پرائمری) دہلی ۲۰۰۸ء

26۔ امام احمد رضا کے افکار ونظریات۔ایک تقابلی مطالعہ دہلی ۲۰۰۹ء

27۔جانشین غریب نواز دہلی ۲۰۱۰ء

28۔جانشین غریب نواز (انگریزی ایڈیشن) ادارہ ادبیات دہلی ۲۰۱۱ء

29۔تذکرہ خانوادۂ علیمیہ دہلی ۲۰۰۱۵ء

30۔سفر نامۂ ایران (فارسی) قم، ایران تابستان ۱۳۹۵

31۔قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم وتفاسیر کا اجمالی جائزہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان حکومت ہند نئی دہلی ۲۰۱۷ء

ISBN : 978-93-87510-05-0

32۔مولانا حشمت علی لکھنوی۔ایک تحقیقی مطالعہ دہلی ۱۹۹۲ء

33۔مولانا حشمت علی پیلی بھیتی اضافہ شدہ ایڈیشن۔دہلی ۲۰۱۸

ISBN 818943781-7

34۔عرفان تصوف، البرکات ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۲۰۱۹ء

ISBN : 978-93-89807-95-0

35۔ ہندوستان میں سلسلۂ قادریه ۔آغاز وارتقا، دارالعلوم نصیرالدین اولیا چوبیس پرگنہ، کولکاتا، بنگال۔۲۰۲۱ء

ISBN : 978-93-90860-02-9

36۔ سفر نامۂ ایران (اردو) اسٹار کریٹیو پبلی کیشنز نئی دہلی ۲۰۲۱ء
ISBN : 978-93-90860-11-1

37۔ ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ ۔ آغاز وارتقا
خانقاہ چشتیہ شیخ پورہ نوادہ بہار ۲۰۲۲ ISBN : 978-1-948203-37-1

38-دینی مدارس تقاضے اور امکانات
اسٹار کریٹیو پبلی کیشنز نئی دہلی ۲۰۲۲ ISBN : 978-93-90860-3

39- قلمی معرکے
المرکز الاسلامی دارالفکر بہرائچ ۲۰۲۲ء ISBN : 978-93-90860-449

40۔صوفیائے کرام اور دعوتِ دین
بہ تعاون مالی اردو اکیڈمی دہلی ۔۲۰۲۲ء ISBN : 978-93-95400-98-5

سوانحی مآخذ :

۱۔عروج انجم،تالیف: ڈاکٹر امجد اقبال، جامعہ فیضان اشفاق ناگور ۲۰۱۱ء
۲۔ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ۔خدمات واثرات، مرتبہ ڈاکٹر محمد احمد نعیمی
۳۔میری دنیا میرے لوگ جلد اول وجلد دوم (خودنوشت سوانح)
۴۔تذکرہ علمائے بستی (خودنوشت) غلام یحییٰ انجم المجمع الاسلامی مبارکپور ۱۹۸۸ء
۵۔فرزندان اشرفیہ کی خدمات، طلبہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، ۲۰۱۹ء
۶۔بریلوی فضلا کی قرآنی خدمات، محمد ایوب اکرم، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۲۰۲۰ء
۷۔ماہنامہ جام نور نئی دہلی (انٹرویو) جون ۲۰۱۶ء
۸۔ماہنامہ الرضا پٹنہ، (انٹرویو) جنوری ۲۰۱۷ء